اسلام کا نظامِ مساجد

اسلام کے نظامِ مساجد کے تمام
گوشوں پر مکمل اور دلپذیر بحث

تالیف مولانا ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہاوی
پیش لفظ مولانا مناظر احسن گیلانی رح

ناشر
دارالاشاعت
مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

اسلام کا نظام مساجد

اسلام کے نظام مساجد کے تمام گوشوں پر مکمل
اور دلپذیر بحث جسمیں مسلمانوں کے لئے مسجد سے
متعلق ہر قسم کی معلومات نہایت عام فہم انداز
میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جمع کر دی گئی ہیں

تالیف : مولانا ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہاوی

پیش لفظ : مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
دارالاشاعت
مقابل مولوی مسافرخانہ۔ کراچی ۱

طبع اول : مارچ ۱۹۷۵ء
تعداد طبع : ایک ہزار
طابع : مشہور پریس
قیمت : -/۱۵

ملنے کے پتے

دارالاشاعت مولوی مسافرخانہ اردو بازار کراچی ۱
ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

فہرست مضامین

دعوت اجتماع

قدرتی نظامِ وحدت



نظامِ مسَاجِد

۱۹۴۶ء کے شروع میں "احکام مساجد" کے نام سے میں نے اس کام کی ابتدار کی تھی، اس وقت میرے سامنے صرف فقہ اور فتاویٰ کی چند کتابیں تھیں جن سے احکام یکجا کئے جو چند صفحوں سے زیادہ نہ ہوں گے، مشیت الٰہی سے اس زمانہ میں میعادی بخار میں مبتلا ہوا۔ مرض نے ایسی شدت اختیار کی کہ گھر والے مایوس ہو گئے، معالج بھی مطمئن نہ تھے، انہی ایام میں میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالےٰ شفا دے تو "احکام مسجد" کی جگہ "نظام مساجد" کے نام سے اس کام کی تکمیل کروں۔ اللہ تعالےٰ نے شفا دی اور میں نے کام شروع کر دیا، بزرگوں اور اساتذہ کرام کی خدمت میں خطوط روانہ کئے اور رہنمائی کی درخواست کی، اس سلسلہ میں مخدوم و محترم علامہ سید سلیمان صاحب ندوی، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی بانی ندوۃ المصنفین مدظلہم نے گراں قدر مشورے لکھ بھیجے۔

ان مشوروں اور رہنمائی کی روشنی میں میں نے کتاب کا ایک بڑا حصّہ ترتیب دیا اور اسے لے کر سب سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا الشاہ سلیم عطا صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خود پڑھ کر سنایا۔ استاذِ محترم بہت خوش ہوئے، اس وجہ سے اور بھی کہ اس موضوع سے متعلق تقریباً تمام حدیثیں یکجا ہو گئیں اور اسی مجلس میں چند دوسری حدیثوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی، اس کی تکمیل سے فارغ ہو کر پورا مسودہ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کی خدمت میں پیش کیا گیا، جس کا بڑا مقصد اصلاح و اختصار تھا مگر مولانا موصوف نے یہ کہہ کر مسودہ واپس کیا کہ اس میں کوئی ایسی زیادہ بات نہیں جو نکالی جا سکے۔ ہاں ازراہِ شفقت و محبت انہوں نے جگہ جگہ اپنا مشورہ لکھ دیا۔ اور

ملاقات ہونے پر تصنیف و تالیف سے متعلق بعض ضروری باتیں بتائیں، وہاں سے لا کر یہ مسودہ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کی خدمت میں شوق و ذوق کے ہاتھوں سے پیش کیا، آپ نے بھی بہت ضروری مشوروں سے مستفیض فرمایا، اخیر میں یہ مسودہ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب (مدظلہما) کی خدمت میں پیش ہُوا، اور دونوں بزرگوں کے بیش قیمت مشوروں سے مستفیض ہُوا۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کتاب زیرِ نظر ان اکابر کی رہنمائی کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، میرا کام صرف جمع و ترتیب ہے اور بس۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ یہ کتاب کسی مستقل کتب خانہ میں بیٹھ کر نہیں لکھی گئی ہے۔ خامیوں کا امکان ہے جس کی ادب کے ساتھ معذرت چاہتا ہوں، دو سال ہوئے۔ میں نے یہ مسودہ صاف کر کے رکھ دیا تھا، حالات نے اب اجازت دی ہے تو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کتاب کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع پر اس جامعیت کے ساتھ یہ پہلی کتاب ہے اور جہاں تک مجھ جیسے بے مایہ انسان کی سعی و کاوش کا تعلق ہے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی ہے۔ کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ یہ حقیر خدمت قبول فرمائے اور اہل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے اور عام مسلمان اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

فضل الکبیر منزل۔ دارالعلوم معینیہ ساتھ　　**محمد ظفیر الدین غفرلہٗ**　　۲۶ اکتوبر ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد: اشتیاقِ علوم دینیہ کا جو جذبہ سینہ میں موجزن تھا اور جس کی پرورش اخی المکرم حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ نے اپنی نگرانی میں فرمائی تھی اس نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا، چنانچہ تعلیم کے آخیر تین سال مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ میں حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ اعظمی کی زیر تربیت گذارے۔

درسیات سے فراغت کے بعد استاذ موصوف کی شفقت و محبت نے مدرسہ موصوفہ میں بلا کر ایک سال مزید تکمیل کا موقع عطا کیا جس سے دینیات سے مناسبت پیدا ہو گئی دوسرے سال ادب عربی اور دینیات کی تکمیل کی غرض سے سیدی علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کی ہدایت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حاضر ہوا تھا مگر صحت کی ناسازی اور گھر کے حالات نے دو ماہ سے زیادہ حصولِ علم کا موقع نہ دیا، ناچار اساتذۂ کرام کے مشورے اور علامہ محترم کی اجازت سے ملازمت کر لی۔

اس گراں بار ذمہ داری کے ساتھ شوق ہے کہ کچھ لکھتا پڑھتا رہوں۔ محترم مولانا محمد انیس صاحب نگرامی کا مشورہ ہے کہ "احکام مساجد" جمع کروں مگر حال یہ ہے کہ چند گنی چنی کتابیں ہیں اور بس۔

ربّ العزت! اس دینی اور علمی کوشش میں کامیاب فرما کر حوصلہ بلند ہو، سامانِ وافر فرما دے کہ ہمت و جرأت دوچند ہو۔ ربِ قدیر! ایک بے مایہ انسان کے علم و محنت میں برکت عطا فرما ایک اپاہج قلم میں وہ طاقت بخشدے کہ تیز گامی سے چل سکے۔ ایک اندھے کی بصارت و بصیرت میں وہ نور پیدا کر دے کہ دنیائے علم اس کی نگاہوں میں روشن ہو جائے، اور پروردگارِ عالم! جو بھی ہو اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ ہو، آمین یا رب العالمین

عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ھُوَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

لاشیٔ محمد ظفیر الدین غفرلہٗ پورہ نوڈیہاوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقابِ کُشائی

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

"نظام مساجد" نامی کتاب پڑھنے والوں کی خدمت میں صرف پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ پڑھ کر کچھ کرنے کے لئے پیش ہو رہی ہے۔ اس زمانہ میں ہر قوم اس عارضے میں مبتلا ہے کہ اپنے لئے کچھ کرے اپنے مستقبل کو سنوارے۔ مسلمانوں کو بھی اس وبا کے عارضے سے حصّہ ملا ہے "عارضہ" خصوصاً مسلمانوں کے لئے اس لئے قرار دے رہا ہوں کہ سوچنے کی ضرورت تو اُن کو تھی یا ہے جن کے پاس کچھ نہ تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس اُمت کو چھوڑ کر دنیا سے روپوش ہوئے ہیں اس کے پاس تو بحمد اللہ سب کچھ ہے۔ ضرورت اس اُمت کے لئے اگر کسی چیز کی رہ گئی ہے تو صرف اس بات کی کہ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس سے استفادہ کی راہیں کھولے۔

بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ اربوں کا لفظ استعمال کیا جائے تو شاید واقعہ سے بعید نہ ہو گا۔ روپے کی اتنی مقدار مسلمانوں سے حاصل کر کے کسی کام میں لگانا نہیں ہے بلکہ رُپے کی یہ مقدار مسلمان اپنی جیبوں سے نکال چکے ہیں، خرچ کر چکے ہیں اور اس خرچ کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

آخر میں پوچھتا ہوں کون گن سکتا ہے ان مسجدوں کو جو ایشیا و افریقہ اور یورپ کے بھی بعض دور دراز حصّوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کیسی مسجدیں؟ جن میں دلی کی جامع مسجد بھی ہے اور احمد بن طولون کا جامع بھی، جامع اموی دمشق بھی اور قاہرہ کی مسجد ازہر بھی۔ بڑی مسجدوں سے دیہاتوں اور قریوں کی چھوٹی سفال پوش مسجدوں تک سب پر جو کچھ خرچ ہو چکا ہے کیا یہ مبالغہ ہو گا اگر اربوں میں اس رقم کا تخمینہ کیا جائے جو ان مسجدوں کی تعمیر کے لئے مسلمان اپنی جیبوں سے نکال چکے ہیں۔ ان مسجدوں کی گنجائش کے سوا ہر مسجد

تقریباً اپنے اردگرد وقفی زمین کا کافی حصہ رکھتی ہے جن کو خریدنے پر ہم اگر آمادہ ہوں تو کروڑا کروڑ کی رقم بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ ہم مسجدوں کی ان ملحقہ زمینوں سے کام بھی لے سکتے ہیں اگر مساجد کی عمارت کافی نہ ہو۔

کیا کیا کام لے سکتے ہیں؟ مدارس کا کام، اطراف کی زمینوں میں طلبہ کی قیام گاہوں کی تعمیر کا کام، شفاخانہ کا کام اور باخود یا پنچایت کے اصول پر باہمی جھگڑوں کے چکانے کے لئے دارالقضا کا کام، مسافروں کی قیام گاہ کا کام۔

عمارت کی خاص قسم جس کا نام "المسجد" ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا ایک نظام ہے۔ سب سے پہلی مسجد جو مدینہ منورہ میں بنائی گئی وہ پانچوں وقت کی نماز کی جگہ بھی تھی اس میں صفہ کا مدرسہ بھی تھا۔ اسی کے ملحقہ حصہ میں مسافر بھی ٹھہرائے جاتے تھے اور زخمیوں کے لئے خیمہ بھی اسی حصہ میں گاڑا جاتا تھا، مقدمات بھی اسی عمارت میں طے ہوتے تھے بس ہمیں جو کچھ کرنا ہے سب کا نمونہ اسی پہلی مسجد میں قائم کر دیا گیا تھا بلکہ عہد فاروقی میں اسی کے متصل "ادب و شاعری" کے چرچے کے لئے ایک جگہ بھی مختص کر دی گئی تھی۔ اسلامی ممالک کے طول و عرض میں ہر میل دو میل پر عمارتیں بھی بن چکی ہیں۔ کافی اراضی ان عمارتوں کے اردگرد حاصل کر لی گئی ہیں، صرف ان ہی کاموں کو کرنے کی ضرورت ہے جو سب سے پہلی مسجد میں انجام دیئے جاتے تھے۔

خدا جزائے خیر دے مولانا ظفیر الدین صدر دارالعلوم معینیہ سانحہ (بہار) کو کہ اربوں جو سرمایہ مسلمانوں کے سامنے رکھا ہوا ہے اس سرمایہ سے استفادہ کا مشورہ اس کتاب کے ذریعہ مولانا نے پیش کیا ہے اور اسی کے ساتھ عموماً ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں میں مساجد کے احترام اور اس کے آداب ضوابط کے متعلق جو کوتاہیاں اور غفلتیں پیدا ہو گئی ہیں مولانا نے اُن کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ صحیح حدیثوں اور فقہ کی مستند کتابوں سے معلومات کا قیمتی ذخیرہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، عربی میں شام کے ایک عالم جمال الدین القاسمی کی کتاب اس باب میں مشہور تھی مگر میرا خیال ہے کہ استواروا احاطہ میں مولانا ظفیر الدین کی کتاب کو دیکھ کر ترک الاول للآخر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ھٰذا والسلام



تمہید

اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ روئے زمین کو بنی آدم کی آبادی سے زینت بخشے اور اپنے پرشوکت قوانین کا ان میں نفاذ فرما کر امانت ازلی " اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب ۹) کی یاد دہانی کرے تو ہبوط ارض کا واقعہ پیش آیا اور اس کی حکمت کا قرآن کے ان الفاظ میں اعلان کیا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور ملائکہ نے جب استرشاداً حکمت پوچھی تو یہ فرما کر ان کو خاموش کر دیا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

سیدنا آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو تخلیق آدم کی منشا کے ظہور کا وقت آگیا اور ان کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا گھر وجود میں آئے جس سے تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس کی آوازیں بلند ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پاک خواہش کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت جبریل امین کی رہنمائی میں مسجد حرام کی بنیاد سب سے پہلے زمین پر ڈالی گئی۔

روئے زمین کی پہلی مسجد اسی دنیا کا سب سے پہلا گھر، دنیا کی سب سے پہلی مسجد ہے اللہ تعالیٰ اس گھر کی اولیت کا ذکر خود فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آل عمران ۹۰)	بلا شبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا ہے اور جہاں بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

عہ کعبہ کی تعمیر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد حضرت آدم سے بہت پہلے ملائکہ نے ڈالی تھی۔ دیکھئے ابن کثیر جلد اول ص ۱۷۳ ضروری تفصیل کے لئے انتظار کیجئے میری کتاب تاریخ مساجد کا جو زیر ترتیب ہے ۱۲

یہ دنیا کا پہلا معبد ہر طرح کی ظاہری، باطنی، حسی اور معنوی برکتوں سے معمور ہے اور اخلاقی و دینی تعلیمات کا مرکز، اور آج بھی یہ دنیائے اسلام کا کعبہ و قبلہ اور مرجع عام ہے جہاں ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں اطراف عالم اور اکناف دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع عظیم ہوتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ اَوَّلاً — یا حضرت! روئے زمین کی پہلی مسجد کون ہے؟

ارشاد فرمایا "المسجد الحرام" حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں میں نے کہا "ثُمَّ اَیٌّ" (پھر کون یا حضرت) فرمایا "المسجد الاقصٰی" دریافت کیا ان دونوں مسجدوں میں کتنے دنوں کا فاصلہ ہے؟ ارشاد ہوا چالیس برس کا یعنی مسجد حرام کے چالیس سال بعد مسجد اقصٰی کی طرح ڈالی گئی۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میرے لئے تمام روئے زمین مسجد ہے۔ مطلب یہ تھا کہ امت مرحومہ کیلئے ہر پاک جگہ نماز ادا کرنی جائز ہے۔[1]

ایک علمی بحث اور اسکا جواب محدثین نے اس حدیث میں یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مسجد حرام کے بانی جیسا کہ مشہور ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کہے جاتے ہیں اور مسجد اقصٰی کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال کا بعد ہے۔ پھر یہ چالیس سال کی روایت کیونکر صحیح ہو گی۔

جواب یہ دیا گیا ہے کہ مسجد حرام کے بانی اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں، طوفان نوح میں یہ گھر اٹھا لیا گیا تھا، اور پھر اسی حالت میں پڑا رہا، تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنے زمانے میں اس کی دیواریں اٹھائیں، جس میں آپ کے شریک کار آپ کے لاڈلے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رہے۔ قرآن پاک نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

[1] مشکوٰۃ باب المساجد فصل ثالث عن الصحیحین۔ ص ۶۷

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ (بقرہ ۱۴) — اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی دیواریں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا (ج ۴) — اور جب ہم نے بتلا دیا ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔

اور مسجد اقصٰی کے بانی اوّل بھی حضرت آدم علیہ السّلام ہی ہیں۔ محققین کا بیان ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد آپ کو بیت المقدس جانے کا حکم ہوا تھا، غالباً اسی زمانہ میں آپ نے مسجد اقصٰی کی بنیاد رکھی ہوگی۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام بانی ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ دونوں کے موسّس حضرت آدم علیہ السّلام ہی ہیں اور حضرت ابراہیم و سلیمان علیہما السّلام مجدد ہیں[1] اس صراحت کے بعد اشکال باقی نہیں رہتا۔

کعبہ کی قدامت پر قرآن کی شہادت مسجد حرام کی قدامت پر خود قرآن پاک بھی شاہد ہے، حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑا تھا اس وقت دعا کی تھی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ الخ (ابراہیم۔ ۵) — اے ہمارے رب! بیشک میں اپنی بعض اولاد کو بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کرتا ہوں تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

اس دعا میں عند بیتک المحرم (تیرے محترم گھر کے پاس) کا مطلب یہی تو ہے کہ مسجد حرام اس وقت بھی موجود تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام شیرخوارگی کے دور میں تھے[2]۔ اور مسجد حرام (بیت اللہ) کی دیواریں باپ بیٹے نے مل کر اس کے عرصہ بعد کھڑی کی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام جب سن شعور کو پہنچے ہیں۔

حافظ ابن القیم رح نے اس اشکال کا دوسرا جواب دیا ہے کہ مسجد اقصٰی کے موسّس حضرت یعقوب علیہ السّلام ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعمیر کعبہ کے چالیس برس بعد مسجد اقصٰی بنائی، باقی سلیمان علیہ السّلام موسّس نہ تھے مجدد تھے[3]

---

[1] فتح الباری جلد اول و اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۱۹۲ [2] احکام القرآن لابن العربی سورہ ابراہیم۔ [3] زاد المعاد ج ۱ ص ۵

لیکن میں سمجھتا ہوں پہلا جواب اس سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی موسس نہیں بلکہ تجدید ہی کرنے والے تھے، جیسا کہ آپ نے قرآن پاک کی اوپر والی آیت میں ملاحظہ کیا۔

فتح العزیز کا خلاصہ | تعمیر کعبہ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں، تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس محترم گھر (بیت اللہ) کی بنیاد ابتداءً عہد آدم علیہ السلام میں پڑی اس کے بعد برابر یہ مقدس مقام انبیاء و صلحاء کا معبد اور قبولیت دعا کا مرکز رہا آپ جب جنت سے زمین پر اُتارے گئے تو التجا کی، خدایا آسمان کی طرح یہاں بھی کوئی گھر ہو جہاں تسبیح و تہلیل کی گونج رہے۔ یہ درخواست مقبولِ بارگاہ ہوئی اور نشان دہی فرما دی گئی، اور اسی نشان پر بنیاد رکھی گئی، جو طوفانِ نوح علیہ السلام تک موجود رہا، طوفان میں اٹھا لیا گیا، مگر اس کے نشانات باقی تھے، اسی کی طرف لوگ قبولیتِ دعا کے لئے رجوع کرتے رہے، تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنانے کا حکم ہوا آپ نے بنانے کا ارادہ کیا تو ایک سکینہ سایہ فگن ہوا اور حضرت جبریل امین نے اس کی مدد سے خطوط کھینچے، جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھود کر بنائے آدم نکالی اور اسی پر یہ مقدس گھر تعمیر پایا"[1]

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بنی آدم کے زمین پر قدم رکھتے ہی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی، اور رب العزت نے پورے اہتمام سے خود اپنی نگرانی میں اس محترم مسجد کی نشاندہی فرمائی جو مسجد کی عظمت و اہمیت کا بیّن ثبوت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزِ اوّل سے ہی اسے مرکزِ وحدت قرار دیا گیا۔

مسجد کی امتیازی شان | ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد اور دوسری مسجدیں قیامت کے دن اور چیزوں کی طرح فنا نہ ہوں گی، بلکہ یہ ساری کی ساری اکٹھی ہو جائیں گی۔

تذهب الارض كلها يوم القيامة الا المساجد ينضم بعضها الى بعض (کنز العمال ج ۷ ص ۱۳۹)	قیامت کے دن مسجدوں کے سوا ساری زمین فنا ہو جائے گی۔ صرف یہ مساجد ایک دوسرے سے مل جائیں گی۔

[1] تفسیر عزیزی سورہ بقرہ ص ۲۶۱

اس حدیث سے اتنی بات تو معلوم ہوتی ہے کہ مساجد کو امتیازی شان حاصل ہوگی اور یہ دوسری چیزوں کی طرح برباد نہ ہونگی، باقی یہ سوال کہ سب مل ملا کر کیا ہونگی؟ اس کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا، ہاں دوسری حدیث کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فردوس اعلیٰ کو منتقل ہوجائیں گی۔

اس قدر ثابت ہوجانے کے بعد مسجدوں کے نظام وحدت اور اسی کی دینی مرکزیت کی طرف جو لطیف اشارہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

عہد نبوی کی پہلی مسجد | ابوالبشر آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہو کر چلا آرہا ہے وہ آکر سید البشر خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آپ پر دین کی تکمیل اور نبوت ورسالت کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ-۱) — آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی جن مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھری ہوئی، اور جن دل ہلا دینے والی آفتوں اور پریشانیوں سے لبریز تھی، اس کی کوئی ادنیٰ مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ مکی زندگی جن مشکلات ومصائب سے پر گزری ہے اُسے سیرت کی کتابوں میں مطالعہ کریں، آپ کو اور آپ کے جاں نثاروں کو جس قسم کی اذیتیں دی گئیں صرف اس کے تصور سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایسے نازک اور کٹھن دور میں باضابطہ مسجد کی تعمیر کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر مسجد حرام موجود ہی تھی جس سے حصول اطمینان کے وقت کام لیا جاسکتا تھا۔

یہی وجوہ ہیں کہ مکی زندگی میں کسی باضابطہ مسجد کی تعمیر کا پتہ نہیں ملتا، چھپ چھپا کر لوگ نماز پڑھ لیتے تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی صحابی رضؓ کے یہاں جلوہ افروز ہوتے اور تمام صحابۂ کرام پروانہ وار جمع ہوجاتے، اور اسی مجلس میں آپ تبلیغ وتلقین فرماتے گویا جماعت کی نماز کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جہاں وقت آجاتا نماز پڑھ لی جاتی حضرت

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل ان یبنی المسجد حیث ادرکتہ الصلوٰۃ (ابن ماجہ)

مسجد بننے سے پہلے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جہاں وقت آتا نماز پڑھ لیتے۔

البتہ بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے گھروں میں نماز کے لئے ایک جگہ متعین کرلی تھی جہاں وہ تہجد و نوافل اور گریہ وزاری میں رات کے وقت مشغول ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرتے، جن کو فقہ کی اصطلاح میں "مسجد البیت" کہہ سکتے ہیں انہی کو بعض محدثین نے مسجد سے تعبیر کیا ہے۔

باضابطہ مسجد اس وقت بنی جب کفار مکہ کی مسلسل ایذا رسانیوں سے زندگی دو بھر ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرماتے ہوئے مقام قبا میں نزول اجلال فرمایا، یہاں کے چند روزہ قیام میں سب سے پہلے مسجد وجود میں آئی جس کی بنیاد کی پہلی اینٹ خود ذات اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ پھر صدیق اکبرؓ نے پھر فاروق اعظمؓ نے پھر صحابہ کرامؓ نے۔ خود ہی معمار بھی تھے اور مزدور بھی اور اس شان و شکوہ سے عہد رسالت کی پہلی مسجد[1] تیار ہوئی، اس مسجد کو بارگاہ احدیت میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ قرآن پاک نے ان لفظوں میں اس کی رفعت و عظمت شان کا اعلان کیا۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (توبہ ۱۲)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس پہلی مسجد سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ ہر شنبہ (سنیچر) کو اس میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے[2] آپ کے اصحابؓ نے بھی اپنے وقتوں میں اس پر عمل باقی رکھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا دستور ہوگیا تھا کہ ہفتہ میں دو دن تشریف ضرور لاتے اور خدمت کی ضرورت محسوس کرتے تو خود خدمت انجام دیتے حتیٰ کہ خود مسجد کو جھاڑتے تھے[3]۔ یہ مسجد مدینہ منورہ سے تین میل کی دوری پر ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء جلد اول ص۱۸۰ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ہو اول مسجد اسس بعد النبوۃ "زاد المعاد ج ۲ ص۵۵ وفاء الوفاء ج ۱ ص۱۸۲ [2] بخاری و مشکواۃ وغیرہ۔ [3] وفاء الوفاء ج ۲ ص۱۲ وجذب القلوب بیان مسجد قبا۔

سرکار مدینہ کی مسجد چند دنوں کے بعد قبا سے شہر کی طرف روانہ ہوئے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ ناقہ جہاں بیٹھی تھی اسی جگہ بنی نجار کے دو یتیموں کی پڑی ہوئی (ویران) زمین تھی۔ آپ نے اس کے متعلق خواہش کا اظہار فرمایا، اس خواہش کی اطلاع پاکر وہ زمین آپ کی خدمت میں بغیر کسی قیمت کے پیش کی گئی اور آپ سے قبول کرنے کی درخواست کی گئی، مگر آپ نے یہ گوارا نہ فرمایا اور قیمتًا ہی لینے پر راضی ہوئے۔ چنانچہ قیمت دے کر زمین مذکور حاصل کی گئی، قیمت ادا کرنے کا شرف صدیق اکبرؓ کی جیب خاص نے حاصل کیا۔[1]

اب آپ نے صحابۂ کرامؓ کی معیت میں اسی جگہ مسجد نبوی کا سنگِ بنیاد رکھا پہلی اینٹ خود ذات بابرکت سراپا رحمت صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھی، اور پھر آپ کے خلفائے واصحابؓ نے، اینٹوں کے ڈھونے کا کام خود بنفس نفیس اور صحابۂ کرامؓ کر رہے تھے اور آپ کی زبانِ وحی ترجمان اعلان کر رہی تھی۔

اللھم لاخیر الا خیر الاخرۃ	بھلائی بس آخرت کی ہے اے اللہ
فارحم الانصار والمھاجرین۔	انصاری ومہاجرین پر رحم فرما۔

گویا اس مسجد محترم کے معمار اور مزدور بھی خود ہی داعیان اسلام اور اساطین امت تھے[2] ان خدا پرستوں نے آپ کی نگرانی میں جو مسجد تیار کی وہ سارے تکلفات اور آرائش سے پاک تھی، نہ نقش ونگار تھے نہ جھاڑ اور فانوس نہ چمکتے دمکتے پتھر تھے اور نہ، آنکھیں خیرہ کرنے والا رنگ وروپ بلکہ مسجد نبوی سادگی کی آپ اپنی مثال تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے پتوں کی چھت اور کھجور ہی کے ستون[3]

اوّل اوّل ان مسجدوں کی بنیادیں اشارہ ہیں کہ مومن کو جہاں کہیں قابو بخشا جائے وہ سب سے پہلے بلکہ اپنے گھر سے بھی پہلے عبادت گاہ تیار کریں اور ان کو اپنے اجتماعی نظام کی روح اور اپنی دینی مرکزیت کی جان سمجھیں اور ان میں نمونہ ہے کہ ایسی سادہ ہوں کہ ہر امیر وغریب اپنی آبادی میں بآسانی اس مقدس گھر کو قائم کر سکے

[1] نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۲ مطبوعہ نول کشور [2] جذب القلوب کیفیت بنائے مسجد نبوی [3] بخاری باب بنیان المسجد

مسجد نبوی کی حیثیت مرکز اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی، بلکہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ تھی، جہاں دین و دنیا کے سارے قوانین ترتیب پاتے تھے، لشکر اسلام کے قواعد جنگ بنائے جاتے تھے، یہیں سے جہاد میں فوج روانہ کی جاتی تھی، وفود یہیں اترتے تھے، اسی میں مدینہ کا پہلا دار العلوم اسلامی تھا، اسی میں رسول الثقلین کا دربار لگتا تھا اسی میں فصل خصومات سنائے جاتے تھے اور اسی میں مجرمین کو قید بھی کیا جاتا تھا، گویا دار الشریعت (پارلیمنٹ) دار العلوم (یونیورسٹی) دار العسکر (فوجی چھاؤنی) اور دار المحبس (جیل خانہ) سب کا کام اسی مسجد مقدس سے لیا جاتا تھا، اور اسی میں وہ متبرک حصہ بھی ہے جس کو حدیث میں روضۃ من ریاض الجنۃ فرمایا گیا ہے جس کی تشریح میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔

مگر محققین نے اسے اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے کہ زمین کا یہ حصہ واقعی، جنت سے لایا گیا ہوگا جس طرح حجر اسود حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے جنت سے لایا جانا کہا جاتا ہے اسی طرح یہ حصہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اتارا جانا ممکن ہے جن کو ہماری آنکھیں اپنی طبعی ظلمت کی وجہ سے تمیز کرنے سے قاصر ہیں[1]۔

اسی مسجد محترم کے باب میں آپ کا ارشاد ہے۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف	میری اس مسجد میں نماز، ہزار نماز سے بہتر ہے
صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام (بخاری)	دوسری مسجدوں کے اعتبار سے بجز مسجد حرام کے

مسجد مکہ اور مدینہ کی باہمی فضیلت اس باب میں علماء مختلف ہیں کہ مسجد حرام و مسجد نبوی میں کس کو فضیلت حاصل ہے بلکہ یوں کہئے کہ مدینہ اور مکہ میں کس کو فضیلت ہے یہ تو اجماع امت اور اتفاق علماء سے ثابت ہے کہ موضع قبر رحمت عالم صلعم تمام زمین و آسمان سے افضل ہے جس طرح آپ ساری کائنات سے اشرف و افضل تھے اسی طرح آپ کا روضۂ اطہر بھی تمام سے افضل و اشرف ہے، پھر کعبۂ مکرمہ کو (سوائے قبہ محترم) تمام پر فضیلت حاصل ہے باقی مسجد حرام اور مسجد نبوی یا مکہ اور مدینہ میں اکثر

[1] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ صفحہ ۱۸۴ و جذب القلوب فصل روضۃ من ریاض الجنۃ

علماء مسجد حرام کی فضیلت کے قائل ہیں جس کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ یہ محترم و مقدس مسجد دس سال تک درسگاہ نبوت اور سجدہ گاہ رسولؐ رہ چکی ہے، اور اسی زمین میں آپ آرام فرما ہیں۔ محققین علماء کی رائے ہے کہ من وجہٖ (مثلاً حق نماز میں) مسجد حرام کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور من وجہٖ (مثلاً حق موت میں) مسجد رسول کا درجہ [1]

مگر اس بحث میں پڑنا قرین عقل نہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کی فضیلت اپنی جگہ ہمارے لئے مسلم ہے۔ ایک مقام آپ کی پیدائش جوانی اور نبوت کے حصول کا ہے تو دوسرا اشاعت دین اور غلبۂ اسلام کا۔ مسجد نبوی کو دائمی قربت حاصل ہے تو مسجد حرام کو قبلہ و کعبہ اور مرجع عام ہونے کی فضیلت حاصل ہے، اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ قرآن پاک میں اس کا تذکرہ بار بار آیا ہے اور اسے مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے ہم گناہگاروں کے لئے دونوں ہی فیوض و برکات کے منبع اور سرچشمہ ہیں (اللہ تعالےٰ زیارت نصیب فرمائے باقی علماء احناف کا فیصلہ یہ ہے، افضل مسجد مکہ پھر مسجد مدینہ، پھر قدس پھر قبا ہے[2]

مسجد حرام مسجد نبوی اور اقصیٰ

بلاشبہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ اپنی تاریخی اور دینی اہمیت کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں جو مرتبہ اور بزرگی ان مسجدوں کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں، ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تقرب الی اللہ (ثواب) کی نیت سے ان مسجدوں کے لئے سفر کرنا جائز بلکہ مطلوب ہے اوروں کیلئے اجازت نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لاتشدوا الرحال الا الی ثلثۃ مساجد مسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی ھذا (بخاری و مسلم)

کجاوہ نہ باندھو مگر تین مسجدوں کے لئے، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (نبوی)

یہ حدیث بہت واضح ہے اور ان تین مسجدوں کی عظمت کو نمایاں کر رہی ہے بقیہ دوسری مساجد کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اسی

[1] جذب القلوب باب ثانی و رسائل ارکان بحر العلوم صـ۲۸۳ [2] در مختار صـ۱۲۰

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے مقاماتِ متبرکہ کی طرف بھی ثواب کی نیت سے سفر جائز نہیں ہے۔یوں جانا یا کسی اور ضرورت سے جانے میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے حصولِ علم تجارت تفریح وغیرہ بلکہ کبھی ایسی ضرورت بھی آپڑتی ہے کہ سفر مطلوب ہو جاتا ہے۔مثلاً کسی پر کوئی حق واجب الادا ہو، علوم قرآن و حدیث مقصود ہوں۔

یہ دھوکہ ہرگز نہ ہو کہ کوئی سفر کرے تو مقامات متبرکہ دیکھنے نہ جائے یا مشہور و معروف مسجدیں نہ دیکھی جائیں۔اس میں اس کو اختیار ہے، ہاں یہ نیت ہرگز نہ ہو کہ دہلی کی جامع مسجد کی زیارت سے نصف حج کا ثواب ملے گا اور اجمیر کی حاضری سے ایک حج کا ثواب حاصل ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی ممانعت کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"اہل جاہلیت چند جگہوں کو اپنے خیال میں باعظمت اور متبرک سمجھ کر ان کا قصد کرتے اور ان کی زیارت کو جاتے تھے، حالانکہ اس میں تحریف و فساد کھلا ہوا تھا، اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے فساد کا دروازہ ہی بند فرما دیا، تاکہ شعار دین دوسرے شعار سے جو دین نہیں ہیں خلط ملط نہ ہو، اور آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن سکے۔"[2]

درجات مساجد اوپر کی حدیث سے اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ مسجدوں کے درجے آپس میں متفاوت ہیں اور یہ درست بھی ہے، خود ان تین مسجدوں کے مراتب بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔فرض نماز جو گھر میں بغیر عذر شرعی پڑھی جائے ایک ہی نماز کے برابر ہے اور مسجد محلہ میں باجماعت پڑھی جائے تو پچیس گونہ اس کا ثواب بڑھا ہوا ہے اور جامع مسجد میں (جمعہ کی) نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں جو نماز پڑھی جائے وہ پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور جو نماز میری مسجد (نبوی) میں پڑھی جائے وہ اس سے پچاس ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہے اور مسجد حرام کی نماز ایک لاکھ درجہ زیادہ رکھتی ہے[3]

[1] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۲۸۲ [2] حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۹۲ [3] مشکوٰۃ باب المساجد فصل ثالث مع حاشیہ بحوالہ مرقاۃ۔

فقہائے کرام نے دوسری حدیثوں کے پیشِ نظر مسجد اقصیٰ کے بعد مسجد قبا کا درجہ بنایا ہے پھر جامع مسجد کا پھر محلہ کی مسجد کا، پھر شارع عام کی مسجد کا لیکن پنج وقتہ کیلئے محلہ کی مسجد کو جامع مسجد پر فضیلت حاصل ہے، البتہ جمعہ کی نماز جامع مسجد ہی میں افضل ہے[1] کیونکہ سلف صالحین اور صحابہ کرام کا تعامل آپ کے بعد یہی رہا کہ پنج وقتی نماز اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھتے رہے اور آج بھی صالحین کا یہی تعامل ہے۔

ایک محلہ میں چند مسجدیں ہوں تو سب سے زیادہ حق اس مسجد کا ہے جس میں جماعت بڑی ہوتی ہو، پھر جو قریب تر ہو پھر جو قدیم تر ہو اور ہر طرح مساوی ہوں تو جس مسجد میں قلبی رجحان پایا جائے،[2] اور اگر نمازی عالم دین ہے جس کی ذات سے لوگوں کے زیادہ سے زیادہ آنے کی توقع کی جاتی ہے تو اس کو اس مسجد میں نماز پڑھنی چاہیئے جس میں نمازیوں کی آمد کم ہے تاکہ اس کی وجہ سے جماعت میں اضافہ ہو سکے اور مسجد آباد رہے[3]

مگر طالب علموں کو یہ رعایت ہے کہ وہ جا کر اپنے استاذ کی مسجد میں نماز پڑھیں تاکہ استاذ سے بھی مستفید ہو سکیں۔ ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ محلہ کی مسجدوں میں اس مسجد کو خاص شرف حاصل ہے جس کا امام عالم باعمل اور متقی ہو گا[4]

تفاوت درجات کا راز غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ تفاوتِ درجات بے وجہ نہیں ہے، بلکہ مصالح اور حکم پر مبنی ہے، مسجد حرام کے جو فضائل ضمناً گزر چکے ہیں وہ خود ایک مستقل وجہ فضیلت ہے، پھر حج کی فرضیت، اس میں ثواب کا چند در چند مضاعف ہونا یہ مل کر ایمان والوں کے دلوں میں ایک ہیجان کی سی کیفیت پیدا کر دیتے اور اس طرح ہر خطۂ ارض سے لوگوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا سال میں ایک مرتبہ اور بھی سہل ہو جاتا ہے۔ وہاں فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے جو وہاں کے باشندوں پر چھائی ہوئی رہتی ہے۔ اور آنے والوں کے لئے دعا کرتی ہے[5] مرد مومن کو وہاں پہنچتے ہی غفلت کا پردہ اٹھتا نظر آتا ہے اور یہ یاد ایک شور بپا کر دیتی ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم نے تولد فرمایا،

---

[1] رد المحتار (شامی) جلد اوّل ص ۶۱۷　[2] رد المحتار جلد اوّل ص ۶۱۷، ۶۱۸　[3] رد المحتار جلد اوّل ص ۶۱۶، ۶۱۷

[4] حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۲۔

جوان ہوئے اور آپ کو نبوت کی عزت حاصل ہوئی اور پھر اس کے بعد بہت سی اذیتیں دین کے لیے برداشت کیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں دنیا کی شیرازہ بندی کا اسلام کے نام پر اعلان ہوا اس مسجد حرام کو بیت اللہ کہتے ہیں اور اسی میں حجر اسود جیسا ذی مرتبت پتھر نصب ہے۔

مسجد نبوی کو بھی ان میں سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں، علاوہ ازیں اس کی نسبت فخر دو عالم صلعم کی طرف مقبولیت کی سند اور عظمت کا نشان ہے، یہی وہ مسجد محترم ہے جہاں دس برس تک مسلسل سید الکونین نے سجدے کئے اور خود بنفس نفیس ان صحابہ کرامؓ کی امداد سے تیار کیا، جن کے متعلق قرآن نے اعلان کیا "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" یہاں پہنچ کر آپ کی زندگی کا دوسرا پہلو آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔ یہیں سے اسلام کی نورانی کرنیں عرب وعجم کو پہنچیں اور ایمان کی دولت لٹائی گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خاک پاک کو دائمی قربت رسولؐ کا شرف حاصل ہے۔

مسجد اقصیٰ یہ مہینوں قبلہ کے شرف سے مشرف ہو چکی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلۂ اولیٰ یہی مسجد تھی۔ آپ سے پہلے یہ بہت سے نبیوں کا مرکز رہ چکی ہے وہاں آج بہت سے انبیاء آرام فرما ہیں، معراج میں آپ کو یہاں لایا گیا ہے جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے یہ اور اس طرح کی دوسری فضیلتوں کی وجہ سے یہ بھی اپنا ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔

مسجد قبا کے متعلق ابھی لکھ آئے ہیں کہ یہ عہد نبوی کی پہلی مسجد ہے، آپ نے اپنے صحابہ کرام کی معیت میں اسے تیار فرمایا ہے اور قرآن پاک نے سند تقویٰ عطا کی ہے۔

ان کے بعد جامع مسجد کا مرتبہ ظاہر ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یہ ایک بڑی تعداد کو اپنے دامن میں لے کر یکجا کر دیتی ہے اور محلہ کی مسجد دن رات کے پانچ وقتوں میں اپنے محلہ کے ایمان والوں سے پر نور رہتی ہے۔ محلہ کی مسجد میں جماعت کا جو اہتمام رہتا ہے شارع عام کی مسجد کو حاصل نہیں ہوتا، غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے، اجتماع کے التزام اور اس کے عظیم الشان ہونے میں بھی مرتبہ کی بلندی مضمر ہے۔

مسجدوں کا انفرادی طور پر نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں، مگر اللہ قدرتی نظام تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ فرض نمازوں کو اجتماعی شکل دی جائے اور

پراگندہ و منتشر افراد کی شیرازہ بندی کا مظاہرہ کیا جائے اور قرآن نے تالیفِ قلوب[1] کا جو احسان جتلایا ہے اس کا عملی طور پر بھی رات دن اعلان ہوتا رہے چنانچہ اس کے لئے ایک مستقل نظام قائم کیا جس قدرتی نظام میں سارے مومنوں کو حتی الوسع یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہم اس نظام کو "نظام مسجد" سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی عظمتِ شان دلوں میں بٹھانے کے لئے ابتدائے آفرینش سے اس سلسلہ کو جاری فرمایا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کو خوب مستحکم کر دیا گیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی آپ نے اس نظام کی بنیاد خود اپنے ہاتھوں رکھی اور حکم فرمایا کہ ہر ہر محلہ اور آبادی میں اس نظام کو پوری پختگی اور جرأت سے قائم کیا جائے۔ کیونکہ اس میں دینی اور دنیوی، حسی اور معنوی بے شمار فائدے ہیں۔

اس نظام کی پختگی اس نظام میں جس کو ہم مسجد کہتے ہیں بہت عمدہ تدریجی ترقی ملحوظ رکھی گئی ہے ہفتہ بھر ہر محلہ اور ہر آبادی اپنے محلہ اور گاؤں کی مسجد میں جمع ہو کر پنج وقتہ نماز ادا کرتی ہے پھر یہ پانچ وقت ہر ایک کے لئے متعین ہیں کوئی اس کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تاکہ ایک ہی وقت میں پوری دنیا اپنی اپنی جگہ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جس طرح دنیا میں کوئی شخص اکیلا نہیں پیدا ہوا ہے اور نہ تنہا کوئی کام انجام دے سکتا ہے بلکہ اپنی دنیاوی زندگی میں وہ اپنے بہت سے معین و مددگار اور حامیوں کا محتاج ہے، دوستوں، بھائیوں، بہی خواہوں اور بے شمار ساتھیوں کے تعلقات کے ساتھ خوشگوار زندگی جکڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے احکام میں بھی بندہ کو اپنے شرکائے کار ہاتھ بٹانے والوں اور مدد کرنے والوں کی ضرورت ہے تاکہ ایک خدا کے ماننے والے ایک رسول کے امتی ایک کتابِ مقدس کے قانون کے پابند اور ایک دین کے پیروکار اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ایک پاک جگہ جمع ہوں اور ایک مقصد کی خاطر، عاجزی، تواضع اور ذلت و مسکنت کا اظہار کریں اور پروردگار عالم سے حصول مقصد کے لئے دعا اور مناجات کریں اور منظم ہو کر شیطان رجیم کا مقابلہ کریں، کیونکہ اگر ہر ایک نے دوسرے کی پشت پناہی نہ کی منظم ہو کر صف بستہ نہ ہوئے تو دشمن کا لشکر منتشر اور پراگندہ افراد کو موقع پا کر

[1] إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران)

شکست دے سکتا ہے۔

پھر یہ تنظیم کھوکھلی نہ ہو بلکہ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے مستحکم اور ٹھوس ہو، ظاہری اجتماع کے ساتھ باطنی اجتماع بھی پختہ تر ہو۔ جسم کی صفوں کی درستی کے ساتھ دل کی صفوں کی درستی بھی ہو اور ظاہری پاکی وصفائی سے بڑھ کر باطن کی پاکی اور صفائی حاصل ہو ایک ہی اصول کے سب پابند اور ایک ہی امیر یا امام کے سب تحت میں ہوں۔

تدریجی ترقی | چنانچہ اسلام نے اس کا ایسا ہی مستحکم نظام قائم کیا ہے، مسجد کے نام سے ایک خاص گھر بنا دیا گیا ہے جس میں کسی خاص شخص کی نہ ملکیت ہوتی ہے اور نہ اسکا شخصی قبضہ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتا ہے اس میں سارے مسلمان برابر کے شریک ہیں[1] اجتماع کے خاص خاص وقت متعین کر دیئے گئے ہیں تاکہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سارے ارکین اسلام اپنی اس قدرتی اسمبلی میں جمع ہو جائیں۔ اور پھر کس طرح؟ کہ سب مل کر ایک امام کے پیچھے ایک ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہو جائیں۔ اٹھنے بیٹھنے، کھڑے ہونے اور تمام حرکت وسکون میں اسی ایک کی پیروی کریں نہ کوئی امام سے پہلے جھک سکتا ہے نہ اُس سے پہلے قیام وقعود کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جو اس کے خلاف ہو سب کے سب چاہے امیر ہوں چاہے غریب، بادشاہ ہوں کہ گدا، اسی کی متابعت کرتے ہیں، اور یک جائی اظہار بندگی کرتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں ورنہ کم سے کم یہ کہ وہ تو ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

پورے ہفتہ کے بعد ایک مخصوص دن پہنچا تو ایک قدم اور بڑھایا، محلہ محلہ اور بستی بستی کے مسلمان نہا دھو کر حسب استطاعت خوشبو لگا کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے مسجد کا راستہ ایک عمدہ منظر پیش کر رہا ہے، سب ہر طرف سے آکر ایک ہی گھر میں داخل ہو رہے ہیں آج نسبتہً صاف ستھرے ہیں، چہروں پر وجاہت ہے اور چال میں وقار کی نمایاں جھلک دیکھتے ہی دیکھتے بغیر کسی اشتہار اور اعلان کے مسجد بھر گئی، سب محلہ کے مسلمان یکجا ہو گئے سنتیں پڑھی گئیں اور لوگ تسبیح وتقدیس اور تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

سیکڑوں ہزاروں ایمانی شمعیں مل ملا کر جمع ہو گئیں، ان کی ملی جلی روشنی نے پوری

---

[1] احکام القرآن لابن العربی سورۂ بقرہ ج ۱ ص ۱۵

مسجد کو نور سے بھر دیا ہر ایک دل کی کلی کھل کر مسکرانے لگی اور ہر ایک کا عکس دوسرے کو منور کرنے لگا۔ بغض وحسد عداوت ونفرت اور دوسری برائیوں کی تاریکی سیماب پا ہو چلی۔

امام نکلا، موذن نے اذانِ ثانی دے کر لوگوں کی توجہ امام کی طرف پھیر دی وہ سامنے کھڑا تلقین کر رہا ہے اور سب ہمہ تن متوجہ سن رہے ہیں۔ جب اس کی آواز میں تیزی ہوئی اور آنکھیں سرخ ہو گئیں تو پھر کتنے دل کانپ اٹھے، کتنے جسموں پر لرزہ پڑ گیا خشیتِ الٰہی اور محبت مولیٰ کی ملی جلی کیفیت نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا، خطبہ ختم ہوا نماز ادا کی گئی مگر کس شان سے ؟ کہ آج جب ایک فرد (امام) اللہ اکبر کہتا ہے تو سارے شہر کے مسلمان اللہ اکبر کہتے ہیں وہ جب رکوع میں جھکا تو سب کے سب بے چون وچرا رکوع کے لئے جھک گئے اور جب وہ سجادہ میں گرا تو سب کے سب اکٹھے سجدے میں گر پڑے۔

دنیوی اور دینی اصلاح اس شان وشکوہ سے ہفتہ کی جو عبادت ادا کی گئی، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے ماہرین اور دینی ودنیوی دورِ حیات کے تجربہ کار شریک تھے۔ رؤسا، تجار، غربا، فقراء، علما صوفیا اور وہ لوگ بھی جوق در جوق تھے جنکو علم وفضل سے کوئی مَس نہیں ہر ایک نے دوسرے کو عبرت وبصیرت کی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نقشہ کھینچ گیا، تاجروں اور رئیسوں کو مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی حالت کی طرف توجہ ہوئی علما کرام کو علمی اور دینی سدھار کی فکر ہوئی صوفیاء کی نظر تزکیہ قلوب کی طرف گئی غریبوں میں محنت کی امنگ پیدا ہوئی فقیروں کی خودداری میں جوش آیا اَن پڑھ اور جاہلوں کے دلوں میں اشتیاقِ علوم نے کروٹ لی اور بے عملوں میں عمل کا جذبہ ابھرا۔

آپ نے غور کیا یہ کون دن تھا اور کون سی مسجد؟ جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد جس کا یہ روح افزا اور حیات بخش منظر آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (جمعہ۔۲)

یہ قدرتی ہفتہ وار اجتماع نظام مساجد کے سلسلہ میں ہر ماہ چار مرتبہ ہوتا ہے اور کبھی کبھی مہینہ میں پانچ مرتبہ بھی، اس اجتماع سے قوم وملک کو ہمیشہ فائدے پہنچتے رہے

جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی

سالانہ تنظیم اس نظم وضبط کے ساتھ سال کے بارہ مہینے گذرتے ہیں، مگر ان میں دو مخصوص دن ذرا اور امتیازی شان رکھتے ہیں اور ان دنوں کا قدرتی اجتماع اور زیادہ مفید اور مہتم بالشان ہوتا ہے۔

آج فرزندانِ توحید کے قلوب وفورِ مسرت سے لبریز معلوم ہوتے ہیں ہر چیز میں نمایاں امتیاز پایا جاتا ہے، لباس بھی عمدہ سے عمدہ اور صاف ستھرے ہیں کھانے پینے میں بھی خاص اہتمام ہے، جوان، بچے، اور بوڑھے سب تکبیر کہتے ہوئے ایک ہی جانب جارہے ہیں اور شاید ایک ہی گھر کو جارہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں ایک وسیع میدان کے اندر عظیم الشان اجتماع ہوگیا، جس میں شائستہ شہری بھی ہیں اور سادہ دل دیہاتی بھی، کھلے دل میں ایک عجیب ودلکش منظر ہے، ایک آواز پر لاکھوں اونچی پیشانیاں خدائے واحد کی پرستاری میں خاک آلود ہورہی ہیں، کبر ونخوت کا جنازہ نکل رہا ہے، مساوات کا پرچار ہورہا ہے اور یہ سب ایک نظام کے ساتھ ہورہا ہے۔

صدقہ فطر کے نظام نے غریبوں اور محتاجوں کو بھی خوشی کا موقعہ دے رکھا ہے ایک آواز اُٹھی، اور وہ محلہ محلہ پہنچ گئی، شہر کے گوشہ گوشہ سے نکل کر اس کی گونج دیہاتوں میں سنی جارہی ہے، یہ سالانہ قدرتی اجتماع، ہفتہ وار اجتماع سے کہیں زیادہ جاذبِ نظر اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، آپ نے سمجھا یہ اجتماع کیسا ہے، یہ بھی ایک مسجد ہی کا ابرِ کرم ہے جو ہر خطۂ ارض پر برستا ہے جس کو ہم عید گاہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

عالمِ اسلام کی یکجائی اب اس کی ضرورت رہ گئی تھی کہ کوئی ایسی مسجد بھی ہوتی، جو ساری دنیا کے خدا پرستوں کو یکجا کردیتی اور یہ نظام مساجد اس طرح عالمگیر ہونے کا دعوٰے کرتا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نظام سے اس کمی کو بھی پورا کرنے ہے، ان دو ہی مخصوص دنوں میں ایک ایسا دن بھی ہر سال آتا ہے جو اس اہم کام کی

انجام دہی کر دیتا ہے یہ ذی الحجہ کا مہینہ اور سنت ابراہیم کی یاد تازہ کرنے کا دن ہے۔

یہ اونٹوں کا ہجوم قطار در قطار کتنا بھلا ہے۔ ریگستانی جہازوں کا حسن منظر بے انتہا دلچسپیوں کا مرقع ہے ساربانوں کی حدی خوانی بدوؤں کی تانیں سبحان اللہ کس قدر ولولہ انگیز ہیں دنیا کے کونے کونے سے رب کعبہ کے متوالے اس کی محبت سے سرشار فریادی بن کر آرہے ہیں پیروان اسلام کے یہ قافلے مختلف خطہائے ارض سے چل کر آئے ہیں اور اس طرح داخل حرم ہو رہے ہیں کہ باوجود مختلف شکل وصورت کے سب کی ظاہری ہیئت ایک سی ہے سب کی زبان پر ایک ہی طرح کی دعائیں اور صدائیں ہیں ذرا ان کی ادائیں تو دیکھئے، بال پراگندہ جسم خاک آلود، سر کھلا، نہ بدن پر سلا ہوا کپڑا نہ کپڑوں میں خوشبو سب کی گردنوں میں سادہ کفنی پڑی ہوئی ہے سب عیش و راحت سے دور، حرم محترم کا احترام؟ اس کی ایک ایک چیز عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، نہ گھاس کاٹنے کی مجال نہ پرند پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت اور نہ جوں مارنے کی ہمت۔

اس عالمی اجتماع میں تمام ممالک کے نمائندے شریک ہیں کالے، گورے حبشی مصری ہندوستانی افریقی یورپی ایشیائی ان میں کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں سے مسلمان یہاں نہ آئے ہوں۔ مختصر یہ کہ عالم اسلام کے کونے کونے سے خدا پرستوں کے نمائندے آئے ہیں سب، آپس میں ملے، باہم ملاقاتیں ہوئیں محبت و الفت بڑھی تبادلہ خیالات کا موقع میسر آیا ہر ایک نے دوسرے ملک والے کو غور و فکر کی نظر سے دیکھا اور سب ایک دوسرے کے غم اور خوشی سے واقف ہوئے۔

یہ بھی ایک مسجد ہی کا فیض و کرم ہے جس نے ساری دنیائے اسلام کے نمائندوں کو ایک تاریخ ایک دن اور ایک شہر میں جمع کر دیا اس مسجد کا نام مسجد حرام ہے جس کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (بقرہ-۱۵)

اسی مسجد کے باب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ربانی ہوا تھا۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو کہ وہ تیرے پاس آئیں گے پیادہ بھی اور ہر دبلی اونٹنی پر بھی جو دور دراز

كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (حج۔۳) راستوں سے پہنچی ہوں گی۔

مساجد کی اجتماعی حیثیت | اس اجتماعی نظام سے بڑھ کر کوئی اور نظام ممکن بھی ہے؟ دنیا کا کوئی پولیٹکل نظام اس قدرتی نظام مساجد کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا جو بکھرے ہوئے انسانوں کو بتدریج جمع کر دیتا ہے اور منتشر افراد کی بات بات میں شیرازہ بندی کا کام انجام دیتا رہتا ہے اس نظام میں کاہلی پر ہر دن ضرب کاری لگتی رہتی ہے، اور ہر پہلو سے یہ، عالمی نظام ایک کو دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔

واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے اب تک سچائی سے اس قدرتی نظام پر غور ہی نہیں کیا، اور کبھی غور بھی کیا تو محض سرسری طور پر، ورنہ اس نظام میں دینی و دنیوی دونوں روگ کا کامل علاج ہے اور کہیں سے کوئی خامی نہیں چھوڑی گئی ہے اس نظام کے بر روئے کار لانے سے دین بھی پیدا ہوگا اور دنیا بھی سنورے گی، اتحاد و اتفاق کی ناقابل تسخیر قوت بھی پیدا ہوگی اور ارتقاء و عروج کا جذبہ بھی ابھرے گا مرکزیت اور اجتماعیت بھی مستحکم ہوگی اور سیاسی، قوت بھی راسخ ہوگی۔ اور جس کی وجہ سے ہمارے سارے کام بگڑتے ہیں وہ بات بھی ختم ہو جائے گی، یعنی ایک بالادست طاقت کے اشارے پر زندگی گزارنے کا ڈھنگ پیدا ہو جائیگا۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آئین اسلام کی کامل اتباع کے ساتھ اس نظام میں نظم جماعت ہمدردی پاکیزگی جسم کی صفائی حسن ہیئت، وقت کی پابندی آپس کی بہی خواہی، اخلاص و تضرع اور دوسرے شعبہائے زندگی کے سارے لوازمات آجاتے ہیں۔

نظام مساجد کی برتری | قدرت کا یہ اجتماعی نظام جن لوازمات زندگی کو پورا کرتا ہے اور جن خامیوں کو دور کرتا ہے وہ انجمن پارٹی کانفرس اور جماعت سے پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ انسان جو بھی اصول و قوانین مرتب کرے وہ ہر طبقہ انسانی کے لئے مفید ہو ہی نہیں سکتے۔

اس اجتماع کے استحکام پر بار بار غور کیجئے، اوّل قرآن پاک نے بتایا کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت[1] الٰہی ہے پھر اسلام نے اس امر کو منقح کیا کہ اس نظام سے جو عبادت متعلق ہے وہ سب سے اہم اور عوام و خواص دونوں سے تعلق رکھنے والی ہے مزید براں

---

[1] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ذاریات - ۲)

یہ کہ اس نظام سے نسل و نسب کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں من و تو کی تفریق ختم ہو جاتی اور امیر غریب کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

دوسری طرف خوبی یہ ہے کہ ایک امام کی پیروی اس نظام کی روح ہے لشکر اور فوج کو کمانڈر اور امیر کی اطاعت کی تعلیم دی جاتی ہے، ایک بگل پر اکٹھا ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے، اس شعبہ پر لاکھوں کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں مگر پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ پورا نظم و ضبط باقی رہ سکے گا لیکن نظام مساجد میں امام کی پیروی کا یہ حال ہے کہ اس سے اس کو کوئی مفر نہیں دس سال کی عمر سے لے کر موت تک اس کی مشق ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ کسی دن ناغہ کا نام ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ اجتماع کی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے تو ایسے کلمات سے جو جاہ و جلال سے بھرپور ہوتے ہیں جن میں، عقیدہ کی تازگی، خالق کی بڑائی اور فلاح اور کامیابی کی یقین دہانی ہوتی ہے۔

اجتماعی نظام کا عملی تعطّل

ہاں افسوس اس کا ہے کہ ہم نے اس نظام پر عمل ترک کر دیا ہے جو اس سے فائدے تھے اس سے ہم محروم ہیں، عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کی تاریخ، دیکھیے اس نظام کو کس قدر قبولیت حاصل تھی اور وہ کتنے بامراد اور کامیاب تھے، خلافت راشدہ تک آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ بہت ساری باتیں انہی مساجد کے ذریعہ طے پاتی تھیں خلیفہ کی پالیسی کا اعلان ان کے منبروں سے ہوتا تھا، گورنروں کے فرائض میں امامت بھی داخل تھی، یہ منصبی فرض گورنروں کا عہدِ عباسیہ تک ملتا ہے جمعہ اور عیدین کی امامت بھی یہی کرتے تھے خلفاء راشدین نے برابر امامت کی اور فاروق اعظم نے تو اسی منصب کی ادائیگی میں جامِ شہادت نوش فرمایا اپنے تو اپنے اغیار نے ہمارے خلفاء راشدین کے اس منصب کو سراہا ہے اور نظاموں پر اسلام کے اس نظام کو ترجیح دی ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ مسجد کے منبر کو دستوری حکومت کے تخت کی حیثیت، حاصل تھی جہاں سے جمہوری حکومت کی پالیسی کا اعلان ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں گے۔

قدرتی نظامِ اجتماع

اب ذرا تفصیلی طور پر اس قدرتی حسنِ انتظام کی حکمتوں میں غور و فکر کرنا ہے کہ، حضرت حق جل مجدہٗ نے نظامِ مساجد میں مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی دینی و دنیوی فلاح و نجاح کو کس عمدگی کے ساتھ جمع فرما دیا ہے۔

اجتماع کے مرکزی گھر اس میں تو شبہ نہیں کہ مسجدوں کا قدرتی نظام ہی اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انتشار و تشتت اور نفاق و شقاق کا قلع قمع کر دیا جائے اور بکھرے موتیوں کو ایک سلک گہر میں پرو کر اللہ تعالیٰ کے مقدس دربار میں ایک صف اور ایک جماعت کے اندر بغل گیر کر دیا جائے اور پوری نیازمندانہ شان سے کھڑا کر کے دن رات کے پانچ وقتوں میں ان کی زبان سے یہ دعا بار بار دہرائی جائے۔

"اے وہ ذات! کہ سب تعریفیں تجھ ہی کو زیبا ہیں ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان برگزیدہ بندوں کا راستہ جن پر تو نے انعام واکرام فرمائے ان ملعون انسانوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہے اور نہ ان کا راستہ جو راہ راست سے بھٹک کر گمراہ ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ نماز کا درجہ توحید کے بعد ہی رکھا گیا ہے اور اسلام کی بنیادی چیزوں میں اسکو خاص اہمیت دی گئی ہے پھر توحید کی جھلک جماعت کی نماز میں قائم رکھ کر مسجدوں کا نظام قائم کیا اور انکے ذریعہ عبادت کی روح اور اطاعت کی جان کو اجاگر کیا۔

مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا ثبوت قرآن سے قرآن پاک اور احادیثِ نبوی کے الفاظ واضح طور پہ بتاتے ہیں کہ نمازوں کی ادائیگی با جماعت مسجدوں ہی میں مطلوب ہے اور شریعت مطہرہ میں ان مسجدوں کو مرکزی گھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

مندرجہ ذیل آیتوں اور حدیثوں میں غور فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ	اور سیدھا کرو اپنے چہروں کو ہر مسجد کے پاس اور اللہ تعالیٰ کی
وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف-۳)	عبادت اس طور پر کرو کہ عبادت اسی کے لئے خالص رہے۔

اس آیت کے تحت "صاحب تفسیرات احمدی" تحریر فرماتے ہیں۔

ففی الآیۃ دلیل علیٰ فرضیۃ القیام فی الصلوٰۃ واداءھا فی المسجد وعدم اختصاص بمسجدھا

اس آیت سے نماز میں قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ مسجد میں ادا کی جائے" ہاں وہ کسی خاص مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں :۔

والثانی فعل الصلوٰۃ فی المسجد وذالک یدل علیٰ وجوب فعل المکتوبات جماعۃ لان المساجد بنیت للجماعات (احکام القرآن ج ۳ ص۳۸)

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے جس سے پتہ چلا کہ فرض نماز باجماعت واجب ہے کیونکہ مسجد یں قیام جماعت کے لئے بنائی گئی ہیں۔

ان سے نمایاں طور پر ثابت ہوا کہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہونی چاہیئے کیونکہ تعمیر مساجد کا مقصد یہی ہے، دوسری آیت لب و لہجہ کو سامنے رکھتے ہوئے ملاحظہ ہو۔

فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ، (نور ۔ ۵)

ان گھروں میں جن کی نسبت اللہ تعالٰے نے حکم دیا کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان (مسجدوں) میں صبح وشام ایسے لوگ (نمازوں میں) اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔

اس آیت کا طرز بیان بھی بتلاتا ہے کہ مسجدوں کا یہ واجبی حق ہے کہ اللہ کی دوسری عبادت اور نماز انہی میں ادا کی جائے کیونکہ بیوت سے مراد مسجد ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ جونہی فرض نماز کے لئے اذان پکاری گئی، بازار والوں کی ایک جماعت سب چھوڑ چھاڑ مسجد چل کھڑی ہوئی، یہ منظر دیکھ کر آپ نے بے ساختہ فرمایا، انہی لوگوں کے متعلق کتاب مقدس کا اعلان ہے ۔
رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۲۹۵)

احادیث سے ثبوت اس باب میں حدیثیں بکثرت آئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں مسجدوں ہی میں ادا کی جائیں، مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں جس کے راوی عبداللہ بن مسعود ہیں:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدی وان من سنن الھدی الصلوۃ فی المسجد الذی یوذن فیہ وان کنتم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم (ج ۱ ص۲۳۲)	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدی کی تعلیم فرمائی اور سنن ہدی میں سے ہی یہ ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو، اگر تم نے اپنے گھر میں نماز پڑھی جیسا کہ یہ منافق اپنے گھر میں نماز پڑھتے ہیں تو بلاشبہ تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی اور جس وقت تم نے اپنے نبی کی سنت ترک دی یقین کرو گمراہ ہو چلے ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

صلوۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلوتہ فی بیتہ وسوقہ خمسا وعشرین ضعفا وذالک انہ اذا توضا فاحسن الوضو ثم خرج الی المسجد (بخاری باب فضل صلوۃ الجماعۃ)	مرد کی جماعت کی نماز اس کی اس نماز سے جو اپنے گھر یا بازار میں پڑھے پچیس گنا زیادہ ہے اور یہ اس لئے کہ جب اچھا وضو کیا اور پھر مسجد کو چلا۔

ثم خرج الی المسجد کا جملہ واضح دلیل ہے کہ جماعت کی نماز مسجد ہی میں مطلوب ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں ابن حجر لکھتے ہیں:-

مقتضاہ ان الصلوۃ فی المسجد جماعۃ تزید الی الصلوۃ فی البیت والسوق جماعۃ وفرادی (فتح الباری ج ۲ ص۹۲)	اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت کی نماز جو مسجد میں پڑھی جائے وہ ثواب میں اس نماز سے بڑھی ہوئی ہے جو گھر اور بازار میں پڑھی جائے خواہ با جماعت ہو خواہ تنہا تنہا۔

پھر مزید بحث کے بعد خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:-

بل الظاھر ان التضعیف المذکور	بلکہ ظاہر بات یہ ہے کہ چند در چند ثواب کی زیادتی

مختص با لجماعۃ فی المسجد۔ (فتح الباری ج ۲ ص۹۳)

جو مذکور ہوئی وہ مسجد کی با جماعت نماز کے ساتھ مختص ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باجماعت نماز کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

وکان الاسود اذا فاتتہ الجماعۃ ذھب الی مسجد اٰخر وجاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ۔ (بخاری)

حضرت اسود کی جب جماعت چھوٹ جاتی تھی تو جماعت کے لئے دوسری مسجد میں تشریف لیجاتے اور حضرت انسؓ ایک مسجد میں آئے جہاں جماعت ہو چکی تھی تو آپ نے پھر اذان پکاری، اقامت کہی اور با جماعت نماز ادا کی۔

ان تعلیقات سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت کی نماز کو مسجد کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے تب تو حضرت اسود رضی اللہ عنہ جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوسری مسجد کا قصد فرماتے اور وہاں جماعت سے نماز ادا کرنے کی سعی کرتے، گھر وغیرہ میں جماعت ثانیہ کا خیال تک نہ کرتے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کے تحت رقمطراز ہیں۔

والذی یظھر لی ان البخاری قصد الاشارۃ باثر الاسود وانسؓ الی ان الفضل الوارد فی احادیث الباب مقصور علی من جمع فی المسجد دون من جمع فی بیتہ لان الجمع لو لم یکن مختصا بالمسجد لجمع الاسود فی مکانہ و لم ینتقل الی مسجد اٰخر لطلب الجماعۃ ولما جاء انسؓ الی مسجد ابن رفاعۃ۔

مجھ پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ بخاریؒ نے حضرت اسودؒ اور انسؓ کے اثر کو بیان کرکے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہا ہے کہ جو فضیلت اور ثواب کی زیادتی اس باب کی حدیثوں میں مذکور ہے، وہ اس باجماعت نماز کے لئے متعین ہے جو مسجد میں پڑھی جائے گھر کی جماعت کے لئے نہیں۔ اگر جماعت کی نماز مسجد کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو یقیناً حضرت اسودؒ اپنے مکان میں جماعت کرتے اور طلب جماعت کے لئے دوسری مسجد نہ جاتے، اور نہ حضرت انسؓ ہی ابن رفاعہ کی مسجد میں تشریف لاتے۔

ان تصریحات کے بعد یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ جماعت کی نماز مسجد ہی میں مطلوب ہے اور مسجد کو اس باب میں خصوصیت حاصل ہے۔ گھر میں باجماعت نماز

مسجد چھوڑ کر پڑھی نہیں جا سکتی، یہی حافظ ابن حجرؒ کی ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔

والمقصود الاصلی فی الجماعۃ ایقاعھا فی المسجد (فتح الباری)	جماعت کا مقصد اصلی یہ ہے کہ وہ مسجد میں قائم کی جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

در بدائع گفتہ کہ واجب است بر حر، عاقل بالغ کہ معذور نیست حاضر شدن بمسجد برائے جماعت :۔ اشعۃ اللمعات ج ۱ صـ۴۷۶	بدائع میں ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ، جو معذور نہیں ہے اس پر جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ تو تصریح فرماتے ہیں کہ عذرِ شرعی کے نہ ہونے کی شکل میں جماعت کی نماز کے لئے مسجد کی حاضری فرض عین ہے البتہ جب کوئی عذر شرعی درپیش آ جائے تو مسجد کی حاضری لازمی نہیں رہتی۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :۔

ومن تامل السنۃ حق التامل تبین لہ ان فعلھا فی المساجد فرض علی الاعیان العارض یجوز معہا ترک الجمعۃ والجماعۃ فترک حضور المسجد لغیر عذر کترک اصل الجماعۃ لغیر عذر۔ (کتاب الصلوۃ ۔صـ۱۰۶)	جن لوگوں نے سنت میں، پورے طور پر غور و فکر کیا ہوگا اُن پر یہ بات منکشف ہو گئی ہوگی کہ نماز باجماعت کی ادائیگی مسجد میں فرض عین ہے البتہ اگر کوئی ایسا عارض درپیش آ جائے کہ جمعہ اور جماعت کا ترک جائز ہو جائے تو دوسری بات ہے، ورنہ بغیر عذر شرعی مسجد کی حاضری کا ترک ایسا ہی ہے کہ کوئی بغیر عذر شرعی اصل جماعت چھوڑ دے۔

ان کی یہ رائے متعدد حدیثوں کے اسلوب بیان کے پیش نظر ہے، اگر اُن کے غبلی ہونے کی وجہ سے فرض عین ہونے کو نہ بھی مانیے تو اس کے وجوب اور اہم ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی بھر نبھایا اور مسجد حاضر نہ ہونے والوں پر شدید ترین غصہ کا اظہار فرمایا آپ کے صحابہ کرامؓ کا عمل بھی یہی رہا جس کی تفصیل ابھی آ رہی ہے۔

افضل الرسل کا دستور | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حافظ ابن قیمؒ جیسے ذمہ دار کا بیان ہے۔

ان ھدیہ کان فعل الفرائض فی المسجد الا لعارض من سفر او مرض او غیرہ مما یمنعہ من المسجد (زاد المعاد ج ا ص۸)

رحمت عالمؐ کا دستور یہ تھا کہ آپ فرض نمازیں مسجد میں ادا کرتے مگر یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجاتی جو مسجد سے روک دیتی جیسے سفر اور بیماری وغیرہ (جس میں بالکل طاقت نہیں رہتی)

قیامت کے دن "دیدار الٰہی" جو سب سے بڑی نعمت ہے، اس کے لئے جب اجتماع ہوگا تو ان میں ان لوگوں کو جو بہ پابندی مسجد جا کر امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ممتاز جگہ حاصل ہوگی۔ (زاد المعاد ج ا ص۳)

ایک صحابی کا وعظ | جیسا کہ عرض کیا گیا صحابہ کرامؓ کا جوش عمل جماعت کے باب میں جو تھا وہ اپنی جگہ تفصیل سے انشاء اللہ آئے گا مگر یہاں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے عہد نبوی میں حاضری مسجد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ اس کو کس قدر اہمیت حاصل تھی، حضرت عتاب بن اُسیدؓ مکہ کے گورنر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جب مکہ پہنچی تو یہ پہلے مارے خوف کے چھپ گئے، اس وقت حضرت سہیلؓ بن عمرو نے خطبہ دیا۔ اُن کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل مکہ اسلام پر علیٰ حالہٖ قائم ہیں تو حضرت عتابؓ کو نکالا اور انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

یا اھل مکۃ واللہ لا یبلغنی ان احدا منکم تخلف عن الصلوٰۃ فی المسجد فی الجماعۃ الا ضربت عنقہ (کتاب الصلوٰۃ ابن القیم)

اے اہل مکہ! خدا کی قسم اگر مجھے یہ خبر پہنچی کہ تم میں کا کوئی قصداً جماعت کی نماز کے لئے مسجد نہیں آیا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔

یہ سُنکر اہل مکہ اُن کے بہت ممنون ہوئے اور اُن کی اس تقریر کو بہت سراہا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دور بین نگاہ میں مسجد کی حاضری کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔

نماز مسجد میں ادا کرنا شعارِ دین ہے۔

اس سلسلہ میں اب زیادہ طول دینا مناسب نہ ہوگا مگر یہ ذکر فائدے سے خالی نہیں کہ علمائے انہی وجوہ کی بنا پر مسجد کے اندر جماعت کی نماز کو شعارِ دین قرار دیا ہے۔ حافظ ابنِ قیمؒ کے الفاظ ہیں:۔

فان الصلوٰۃ فی المسجد من اکبر شعائر الدین وعلاماتہ (کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۵)

بلاشبہ مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کرنا دین کا ایک بڑا شعار اور اس کی علامت ہے۔

نظمِ جماعت اور اُس کی اہمیت

مسجد کے اندر نماز جماعت کی جو حیثیت ہے اور مسجد کو نماز سے جو گہرا تعلق ہے اس کے ثابت ہو جانے کے بعد بتلانا ہے کہ جماعت کی نماز کو شریعت میں کیا خصوصیت و مرکزیت حاصل ہے اور اس کی تاکید قرآن و حدیث میں کس اہمیت کے ساتھ آئی ہے۔

قرآن میں حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (بقرہ)

اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ

اس آیت سے مفسرین نے جماعت کی نماز ثابت کی ہے، بیضاوی شریف میں ہے:۔

وارکعوا مع الراکعین ای فی جماعتہم فان الصلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ لما فیھا من تظاھر النفوس (ج ۱ ص۱۰۱)

اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ یعنی اُن کی جماعت کے ساتھ، کیونکہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے، اس لئے کہ اس میں باہمی تعاون ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وثانیھا ان المراد صلوا مع المصلین وعلی ھذا یزول التکرار لان فی الاول امر تعالیٰ باقامتھا وامر فی الثانی بفعلھا فی الجماعۃ

(تفسیر کبیر ج ۱۔ ص۲۲۵)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز، نماز پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھو، اس مطلب کے لینے میں تکرار بھی ختم ہو جائے گی، گویا پہلی آیت میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز باجماعت کا حکم فرمایا۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ رکوع سے مراد یہاں نماز کا لینا جائز ہے جسطرح

سجود کا استعمال نماز کے لئے ہوتا ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو، پھر ماحصل لکھتے ہیں :۔

کانہ قیل واقیموا الصلوٰۃ وصلوھا مع المصلین لامنفردین (کشاف ج ۱ ص ۵۲)	گویا یہ حکم دیا گیا کہ نماز قائم کرو اور اسے باجماعت ادا کرو۔ اکیلے نہ پڑھو۔

اس آیت سے جماعت ہی کی نماز اس لئے مراد ہے کہ اس سے پہلے بالکل متصل "واقیموا الصلوٰۃ" کی آیت آچکی ہے جس میں اقامت نماز کا حکم ہے، جس کی طرف امام رازی نے اشارہ بھی کیا ہے۔ اگر رکوع کے کئی معنی نہ ہوتے تو جماعت کی فرضیت کا ثبوت ہوتا، مگر چونکہ متعدد معنی ہیں اس لئے وجوب یا کم از کم سنت مؤکدہ کا ثبوت تو بہرحال ہو گا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"خلاصہ یہ ہے کہ پنج وقتہ جماعت ہر ہر فرد پر سنت مؤکدہ ہے جو بغیر شرعی عذر جیسے بیماری سفر، بارش، آندھی، طوفان کے ترک نہیں کی جا سکتی ہے۔ اور تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اگر کل کے کل جماعت کے ترک پر اصرار کریں گے تو سب گنہگار ہوں گے کیونکہ یہ سنت شعار دین ہے"[1]

(۲) وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ۔ (نساء۔ ۱۵)	اور آپ جب ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ انکو نماز پڑھانا چاہیں تو چاہیئے کہ ایک گروہ ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار وہ لوگ لے لیویں۔

اس آیت کے سلسلہ میں صاحب التعلیق الصبیح لکھتے ہیں :۔

امرھم بالجماعۃ یدل علی وجوبھا حال الامن بالاولیٰ (ج ۲ ص ۳۴)	اللہ تعالیٰ کا حالتِ خوف میں جماعت کا حکم دینا دلیل ہے کہ حالتِ امن میں جماعت بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی

تفسیر ابن کثیر میں ہے :۔

وما احسن ما استدل بہ من ذھب الی وجوب الجماعۃ من ھذہٖ الایۃ الکریمۃ (ج ۱ ص ۵۴۷)	اس آیت کریمہ سے جو لوگ جماعت کے وجوب کی طرف گئے ہیں۔ ان کا استدلال بہت ہی خوب ہے۔

[1] تفسیر عزیزی فارسی سورۃ البقرص ۱۳۱

(۳) وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ (یٰسٓ - ۱)

اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان اعمال کو جو وُہ آگے بھیجتے ہیں اور اُن کے قدم کے نشانوں کو بھی۔

ای اٰثار اقدامھم الی المساجد (التعلیق الصبیح ج ۲ ص۳۴)

یعنی اُن کے قدموں کے وُہ نشان جو مسجد جانے میں ہوتے ہیں۔

علماء نے ان کے علاوہ اور آیتوں سے جماعت کا وجوب ثابت کیا ہے، مگر میں نے انہی تین آیتوں پر اکتفا کیا کہ یہ مطلب کے حصول کے لئے کافی و وافی ہے۔

احادیث میں شدید تاکید اس باب میں احادیث بکثرت آئی ہیں، جن سے جماعت کا لزوم اس کی فضیلت اور تاکید نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

اِنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہٖ لقد ھممت ان اٰمر بحطب یحطب ثم اٰمر بالصلوٰۃ فیوذن لھا ثم اٰمر رجلا فیوم الناس ثم اخالف الی الرجال فاحرق علیھم بیوتھم والذی نفسی بیدہٖ لو یعلم احدھم ان یجد عرقا سمینا او مرماتین حسنتین لشھد العشاء (بخاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جی چاہتا ہے کہ لکڑیوں کے ڈھیر کرنے کا حکم دوں پھر نماز کے لئے اذان پکار دی جائے اس کے بعد کسی کو لوگوں کا امام بنا دوں پھر لوگوں کو چل کر دیکھوں اور جو اس وقت گھروں میں مل جائیں، ان کو جلا ڈالوں۔ خدا کی قسم اُن کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ موٹی ہڈی یا دو کھر ہی مل جائیں گے تو پھر وُہ ضرور عشاء میں حاضر ہونگے۔

اس حدیث میں "الرجال" سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو بے نمازی ہیں، بلکہ وُہ لوگ مراد ہیں جو مسجد چھوڑ کر بغیر عذر شرعی اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ ابوداوٗد کی مندرجہ ذیل حدیث میں وضاحت ہے:۔

لقد ھممت ان اٰمر فتیتی فیجمعوا الیّ حزما من الحطب ثم اٰتی قوما

بلاشبہ جی چاہتا ہے کہ جوانوں کو حکم دوں کہ وُہ میرے پاس لکڑیاں ڈھیر لگا دیں، پھر میں ان

يصلون فى بيوتهم ليست بهم علة فاحرقها عليهم (باب التشديد فى ترك الجماعة)

میں جاؤں جو اپنے گھروں میں بلا عذر نماز پڑھتے ہیں اور اُن کو گھر سمیت پھونک ڈالوں۔

ان حدیثوں کے ضمن میں امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں :۔

فلولا ان تخلفهم عن الصلوٰة فى المسجد معصية كبيرة عظيمة لما هدد هم النبى صلى الله عليه وسلم بحرقهما زلهم (كتاب الصلوٰة امام احمدؒ ص۲۱)

اگر مسجد میں جماعت کی نماز سے غیر حاضری گناہ کبیرہ نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے گھروں کو جلانے کی تہدید (دھمکی) نہ فرماتے۔

پہلی حدیث میں "لشهد العشاء" کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہ تاکید اور ساتھ ہی تہدید وقتی نمازوں کے لئے بھی ہے۔ صرف یہ جمعہ کی نماز کی تاکید کے لئے نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔

مسلم شریف میں ایک لمبی حدیث ہے جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

لقد رأيتنا ما يتخلف عن الصلوٰة الا المنافق قد علم نفاقة او مريض ان كان المريض يمشى بين رجلين حتى ياتى الصلوٰة وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وان من سنن الهدى الصلوٰة فى المسجد الذى يوذن فيه وفى رواية قال من سره ان يلقى الله تعالىٰ غدا مسلما فليحافظ على هؤلاء الصلوٰت حيث ينادى بهن فان الله شرع لنبيكم سنن الهدى وانهن سنن من الهدى وان كنتم صليتم فى بيوتكم كما

بلاشبہ ہمیں معلوم ہے کہ بجز کھلے ہوئے منافق یا بالکل نڈھال بیمار کے اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں بچھڑتا ہے بلکہ جو بیمار بھی ہیں وُہ بھی دو شخصوں کے سہارے چل کر نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سنن ہدیٰ" کی ہمیں تعلیم فرمائی اور بے شک اس مسجد میں نماز پڑھنا جس میں اذان دی جائے، سنن ہدیٰ ہی سے ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس کو یہ بات خوش لگتی ہے کہ وُہ کل (بعد موت) اللہ سے حالتِ اسلام پر ملے تو اس کو چاہیئے کہ تمام نمازوں کے لئے جونہی، اذان پکاری جائے، مسجد میں حاضری دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے

یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم وما من رجل یتطھر فیحسن الطھور ثم یعمد الی المسجد من ھذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوھا حسنۃ ویرفعہ بھا درجۃ ویحط عنہ بھا سیئۃ ولقد رایتنا وما یتخلف عنھا الا المنافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یوتیٰ بہ یھادی بین الرجلین حتی یقام فی الصف۔

(ج ۱۔ صہ ۲۳۲)

سنن ہدیٰ کو مشروع فرمایا ہے اور انہی سے نمازیں ہیں اور اگر (کہیں) تم نے بھی منافق کی طرح گھروں میں ہی نماز پڑھ لی تو بالیقین تم نے اپنے نبی صلعم کی سنت ترک کر دی اور اگر تم نے (خدانخواستہ) ترک سنت کو عادت بنا لیا تو پھر تمہاری گمراہی میں کوئی شبہ نہیں، جو بھی خوب پاک صاف ہو کر کسی مسجد کی طرف جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے۔ ایک درجہ بلند کرتا ہے، اور ایک گناہ مٹاتا ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ بغیر عذرِ شرعی بجز منافق اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں کتراتا، کیونکہ مومن مرد جو دوسروں کے سہارے بھی آسکتا ہے، تو بھی آتا ہے اور صف میں مل کر نماز پڑھتا ہے۔

ان حدیثوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جماعت کی نماز کی بہت سخت تاکیدیں آئی ہیں، اس راہ میں مشقت و دقت کی پرواہ نہ کرنا چاہیئے، تا آنکہ بیمار و غیرہ جیسے معذورین کے لئے مسجد پہنچنا ممکن ہو تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ مسجد ہی آئے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ تارک جماعت کو جلا کر مار ڈالتے اگر آپ کو عورتوں اور چھوٹے بچوں کا خیال نہ ہوتا۔[1]

جو لوگ اذان سنتے ہیں پھر بھی جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضری نہیں دیتے اُن کے متعلق تہدیداً یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اُن کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی، مگر اس وقت جب اس کو کوئی عذر درپیش نہ ہو۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ باب الجماعۃ۔

[2] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ صہ ۲۴۳ عن ابی داؤد۔

نظمِ جماعت میدانِ کارزار میں

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام بجان و دل جماعت کی نماز پر فدا تھے، جان سے بڑھ کر پیاری اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے، میدانِ کارزار گرم ہے اور گردنیں کٹ کٹ کر گر رہی ہیں مگر اس وقت بھی اس دینی شیرازہ بندی کے توڑنے کی اجازت نہیں ملتی ہے بلکہ وہاں بھی سب حتی الوسع ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ممکن حد تک نباہنے کی سعی کرتے ہیں۔

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھا۔ اس میں دشمنوں کی ہم سے مڈ بھیڑ ہو گئی، چنانچہ ہم میدان میں نکل پڑے، نماز کا وقت آیا تو ہم دو حصوں میں بٹ گئے، ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا اور دوسرا دشمنوں کے مقابل ڈٹا رہا، پہلا گروہ جب آپ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھ چکا تو آپ نے اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر لیا اور اس کے بعد ہر ایک نے اپنی اپنی بقیہ ایک رکعت پوری کی لے[1]

مشرکینِ عرب کو یقین تھا کہ ان جاں نثارانِ اسلام کو نماز اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان سے زیادہ پیاری ہے اس لئے وہ قصداً اوقاتِ نماز میں سخت سے سخت حملہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضجنان و عسفان کے درمیان نزولِ اجلال فرمایا یہ دیکھ کر مشرکین کہنے لگے ان لوگوں کو ایک ایسی نماز درپیش ہے جو ان کو ساری دنیا اور بال بچوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جس کا نام عصر ہے لہٰذا تم متفق ہو کر یک بارگی پوری قوت سے اُن پر ٹوٹ پڑو، اُدھر مشرکین میں یہ مشورہ ہو رہا تھا، اِدھر جبریل امین نے آکر آنحضرت صلعم کو بتایا کہ اپنے ساتھیوں کو دو حصوں میں بانٹ دیجئے اور ہر ایک کو ایک ایک رکعت نماز اس طرح پڑھائیے کہ دوسرا حصہ مسلح ہو کر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹا رہے اس طرح اُن کی ایک ایک رکعت ہو گی اور آپ کی دو رکعتیں[2]

[1] بخاری ابواب صلوٰۃ الخوف [2] مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف، ج ۱ ص ۱۲۵

میدانِ جہاد و قتال میں بھی شریعت نے جماعت ٹوٹنے نہیں دی اور اس نازک موقع پر خود اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی رہنمائی فرمائی اور حکمتِ عملی بتا کر شکستِ جماعت سے بچا لیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ پروردگار عالم کو جماعت کی نماز محبوب ہے۔

نظمِ جماعت پر اجماعِ صحابہؓ جماعت کی نماز کی اسی عظمتِ شان کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ آدم کے بیٹوں کے کان کے پگھلائے ہوئے سیسہ سے بھر جانا بہتر ہے کہ وہ اذان سنیں اور جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں نہ آئیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جو لوگ موذن کی آواز سنتے ہیں اور عذر شرعی نہ ہوتے ہوئے بھی جماعت کیلئے نہیں نکلتے، اُن کی نماز، نماز ہی نہیں ہے، حضرت علیؓ کا بھی یہی کہنا ہے[1]

حضرت مجاہدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو تہجد و نوافل پڑھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، آپ نے جواب دیا" ہو فی النار" وہ دوزخی ہے پھر دوسرے دن اُس نے آکر یہی سوال کیا، راوی کا بیان ہے تقریباً ایک مہینہ برابر اس نے ایسا ہی کیا مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ وُہ دوزخی ہے[2]

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں جس نے اذان سُنی اور پھر بھی اس کو قبول نہیں کیا حالانکہ اس کو کوئی عذرِ شرعی بھی نہ تھا تو ایسے شخص کو خیر نصیب نہیں اور نہ اس کا اسمیں کوئی جذبہ معلوم ہوتا ہے[3]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول پہلے گذر چکا ہے کہ جماعت کی نماز میں وُہی شخص نہیں آتا جو کھلا ہُوا منافق ہے، یہ اور اس طرح کے دوسرے اقوال جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آئے ہیں وہ درجۂ صحت وشہرت کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں اور اُن کی مخالفت میں کسی صحابی سے کوئی بات بھی نہیں آئی ہے کہ مذہب کی گنجائش نکل سکے، پس ان تمام اُمور کے مدِ نظر ماننا پڑتا ہے کہ جماعت کی نماز پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے[3]

---

[1] کتاب الصلوٰۃ لابن قیم فصل سادس ۹۹ [2] ایضاً [3] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم فصل سادس ص ۹۹۔

نظم جماعت فقہائے اُمت کی نظر میں اصولیین فقہ اپنی کتابوں میں جماعت کی نماز کو "ادائے کامل" اور منفرد کی نماز کو" ادائے قاصر" سے تعبیر فرماتے ہیں "کامل" سے اُن کی مراد یہ ہے کہ جس طریقہ پر نماز مشروع ہوئی ہو اسی طریقہ سے ادا کی جائے اور "قاصر" وہ ہے جو طریقہ مشروعہ کے خلاف طریقہ پر ادا کی جائے ان کو کہنا یہ ہے کہ حضرت جبریل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل عملی تعلیم با جماعت دی تھی جیسا کہ ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ واقعہ مُصَرّح ہے [1]

فقہائے اُمت میں محققین جماعت کی نماز کو واجب کہتے ہیں چنانچہ ابن الہمام نے بدائع سے وجوب کا قول اپنی تائید کے ساتھ نقل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو لفظ "سنت" سے تعبیر کیا ہے اس کی وجہ بیان کی ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

یجب علی العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الجماعۃ من غیر حرج واذا فاتتہ لا یجب علیہ الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجداً اٰخر للجماعۃ یحسن وان صلی فی مسجد حیہ منفرداً فحسن (فتح القدیر صـ۱۳۹ ج۱)	جو عاقل، بالغ، آزاد اور بغیر شرعی عذر جماعت کی نماز پر قادر ہو اس پر جماعت واجب ہے اور اگر کسی کے باوجود کسی کی جماعت چھوٹ جائے تو باتفاق ہمارے یہاں ایسے شخص پر واجب نہیں ہے کہ وہ مسجدوں میں جماعت تلاش کرتا پھرے، ہاں اگر ایسا کرے تو مستحسن ضرور ہے اور اگر اپنے محلہ کی مسجد ہی میں اکیلا نماز ادا کرے تو ایسی حالت میں یہ بھی درست ہے۔

اس سے بھی جماعت کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے بلا شبہ اگر اپنی مسجد میں غیر ارادی طور پر جماعت نہ مل سکے تو دوسری مسجدوں میں جماعت کی تلاش واجب نہیں ہے۔ مگر مستحسن ضرور ہے، یوں تو اس کو اختیار ہے کہ اپنی ہی مسجد میں تنہا نماز پڑھ لے یا گھر میں یا مسجد یا کسی اور جگہ میں اپنے گھر والوں کو جمع کرکے جماعت کے ثواب کے حصول کی کوشش [illegible] چنانچہ ابن الہمام لکھتے ہیں :-

وکذا لک فی القدوری یجمع باھلہ	اسی طرح قدوری میں ہے کہ اپنے گھر والوں

[1] نور الانوار مع قمر الاقمار بحث کامل و قاصر صـ۳۲

ویصلی بھم یعنی ینال ثواب الجماعۃ وقال شمس الائمۃ الاولیٰ فی زماننا تتبعھا (فتح القدیر ج ۱ ۔ ص ۱۲۹)

کو جمع کر کے جماعت سے پڑھ لیا تو بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا مگر شمس الائمۃ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں جماعت تلاش کرنا اَولیٰ ہے ۔

جماعت جب واجب ہے تو پھر فقہاء اور محدثین نے اسے "سُنّت" کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا ؟ اس کے متعلق ابن الہمام لکھتے ہیں :۔

انھا واجبۃ وتسمیتھا سنۃ لوجوبھا بالسنۃ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹)

بلاشبہ ہے تو جماعت واجب مگر "سنّت" اس لئے کہا گیا ہے کہ جماعت کا وجوب سنت (حدیث) سے ہے ۔

حدیث میں جماعت کے متعلق جہاں سنّت کا لفظ آیا ہے اس کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ۔

مگر اینجا طریقہ مسلوکہ در دین مراد دارند ! با آنکہ ثبوت وجوب از سنّت است (اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۲۴۹)

"سنن ہدیٰ" کی مراد یہاں دین کا چلا ہوا راستہ ہے یا یہ مراد ہے کہ جماعت کا وجوب سنت سے ثابت ہے ۔

ابن الہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی بغیر عذر شرعی بجائے مسجد گھر میں با جماعت نماز ادا کرے تو اس شخص کا ایسا کرنا بدعت ہے خواہ یہ فعل اس کا گاہے بگاہے کیوں نہ ہو۔[1] بشرطیکہ اس کے قصد و ارادہ کو دخل ہو ۔

شکست جماعت کی سزا | اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کی نماز محققین کے یہاں کم از کم وجوب کا درجہ رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص بغیر عذر شرعی جماعت کی نماز کا تارک ہو اور وہ اس کا تقریباً عادی ہو چکا ہو تو شرعاً اس کی گواہی مردود قرار دے دی جائے گی اور اس کو پیٹا جائے گا پھر قید میں ڈال دیا جائے گا اور اس کے پڑوسیوں پر حق ہے کہ ایسے شخص کو سمجھائیں بجھائیں اور جماعت سے غیر حاضر ہونے پر سکوت نہ کریں ورنہ وہ شریعت کی نظر میں گنہگار رہیں گے ۔

یہ سزا تو اس وقت ہے جب کوئی ایک دو شخص کریں اور اگر خدانخواستہ پوری آبادی جماعت کی نماز چھوڑ دے تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ یہ ایک بڑے شعارِ دین کو ترک کر رہے ہیں، صاحب

[1] فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹ ۔

"التحریر المختار" کے الفاظ یہ ہیں:-

فلو ان اھل مصر ترکوھا قوتلوا و اذا ترك واحد ضرب وحبس کما فی الخلاصة (ج ۱ ص ۶۹)	اگر تمام اہل شہر جماعت کی نماز ترک کر دیں تو اُن سے قتال کیا جائے اور جب کوئی ایک فرد تارک جماعت ہو تو اس کو پیٹا جائے اور قید کر دیا جائے، ایسے ہی خلاصہ میں ہے

نظم جماعت کا اہتمام عہد نبوی میں فقہاء اُمت کا تارکینِ جماعت کے متعلق یہ حکم بے وجہ نہیں، عرض کیا جا چکا ہے کہ ترکِ جماعت نفاق کی علامت سمجھی گئی ہے۔ اذان سن کر بھی جو مسجد میں نہ آئے اُس کی نماز نماز نہیں کہی جاتی تھی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ بڑی سے بڑی مجبوری میں بھی ترک جماعت کی ہمت نہ فرماتے تھے، کسی نے اپنے معقول عذر سے مجبور ہو کر پوچھا بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے۔

اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل اعمی فقال یارسول اللہ انہ لیس لی قائد یقودنی الی المسجد فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرخص لہ فیصلی فی بیتہ فرخص لہ فلما ولی دعاہ فقال ھل تسمع النداء بالصلوۃ قال نعم قال فاجب (مسلم باب صلوۃ الجماعۃ ج ۱ ص ۲۳۲)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور اُس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی راہبر نہیں ملتا جو لیجایا کرے لہٰذا مجھے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت فرمادیں آپ نے اس کو رخصت (اجازت) دیدی جب واپس ہوا تو پھر بلایا اور پوچھا تم اذان سنتے ہو یا نہیں؟ اُس نے کہا۔ جی ہاں سنتا تو ہوں آپ نے فرمایا تو پھر قبول کرو اور مسجد آؤ۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابن ام کلثومؓ کا ہے کہ انہوں نے دربارِ رسالت میں درخواست کی کہ میں ایک نابینا آدمی ہوں، میرا گھر مسجد سے دُور ہے اور مجھے مسجد تک لیجانے والا کوئی نہیں ہے مزید براں یہ کہ شہر میں موذی جانور اور درندے عموماً پھرا کرتے ہیں کیا ان عذروں کے ہوتے ہوئے جماعت سے غیر حاضری کی میرے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے

کہ حضرت کے حکم سے میں گھر میں نماز پڑھ لیا کروں۔ یہ سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اذان سنتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں حضرت سنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر رخصت کیسے مل سکتی ہے، جماعت کے لئے مسجد ہی آیا کرو۔[1]

اس قدر مجبوریوں کا سامنا ہے پھر بھی خود سے اُن کو اپنے لئے حیلہ بہانہ نہ بنایا، بلکہ خدمتِ رسالت میں عذر پیش کرکے اجازت چاہی اور پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عذروں کے رہتے ہوئے جو جواب دیا وہ جماعت کی اہمیت کے اندازہ کے لئے کافی ہے۔

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ عتبان بن مالک رضی کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے جس میں اس کی صراحت ہے کہ بظاہر اسی طرح کے عذر کی وجہ سے آپ نے ان کو رخصت دے دی تھی اور اب بھی فقہاء اس واقعہ کے پیشِ نظر رخصت کے حق میں ہیں اور جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مذکور نہیں ہے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا مقصد وہاں یہ تھا کہ رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل افضل اور خوب تر ہے اور دوسرے یہ کہ جماعت کی مخصوص فضیلت مسجد ہی سے وابستہ ہے اور ان فیوض وبرکات سے پورے طور پر وہی متمتع ہو سکتا ہے۔ جو عزیمت پر عمل پیرا ہو۔[2]

مگر صاحب "التحریر المختار" نے سندی کے حوالہ سے جو جواب نقل کیا ہے وہ نظم جماعت کے زیادہ مطابق ہے۔ فرماتے ہیں، عتبان بن مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ اپنے گھر کی ایک جگہ میں نماز پڑھیں جس کو اُنھوں نے مسجد بنایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ مسجد بنانے کے بعد وہ اپنے قبیلہ کی اس میں امامت کرتے ہوں پس ان کو تارکِ جماعت نہیں کہا جائے گا اور نہ یہ کہا جائے گا کہ انھوں نے مسجد کی حاضری ترک کر دی بلکہ یہ بات ہوتی کہ انھوں نے اپنی معذوری کی وجہ سے ابعد مسجد (دور والی مسجد) کو چھوڑ دیا اور قریب کی مسجد کو اختیار کیا اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے جس طرح محلوں میں مسجد بنائی جاتی ہے اور جامع مسجد چھوڑ دی جاتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ انصار کے ہر قبیلہ کیلئے مسجدیں تھیں، چنانچہ جب وہ لوگ کسی وجہ سے آپ کے ساتھ نمازیں نہ حاضر ہو پاتے تو اُسی میں نماز پڑھتے تھے۔[3]

---

[1] ابوداؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ ۱۲۔

[2] مسلم ج ا صـ۲۳۳ [3] فتح القدیر ج ا صـ۱۳۹ [4] التحریر المختار ج ا صـ ۔

خود رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کا واقعہ بصیرت کا مرقع ہے۔ آپ بیماری کی شدت سے بالکل نڈھال ہو گئے ہیں، لاغری اور ضعف کا پورا اثر ہے اور غشی پر غشی طاری ہو رہی ہے مگر جب بھی معمولی افاقہ محسوس فرماتے ہیں تو رہ رہ کر (یہی) سوال کرتے ہیں کہ "جماعت ہو گئی" ہو کہا جاتا ہے۔ نہیں یا رسول اللہ۔ یہ سن کر جماعت کی نماز کیلئے اُٹھنا چاہتے ہیں کہ پھر غشی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ یوں ہی چار مرتبہ آپ نے دریافت فرمایا "اصلے الناس" (کیا لوگ نماز پڑھ چکے ؟) اور ہر مرتبہ غشی کا حملہ ہوتا رہا تب جاکر آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کرائی کہ آپ امامت کریں۔[1]

اسی مرض الموت میں ایسا بھی ہوا کہ صدیق اکبرؓ نماز پڑھا رہے ہیں، آپ نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا اور دو شخصوں کے سہارے اس طرح مسجد میں جماعت کے لئے تشریف لائے کہ دونوں بازوئے مبارک دو شخصوں کے کندھوں پر ہیں اور پائے مبارک اپنی ناطاقتی کی وجہ سے زمین پر گھسٹتے ہوئے آرہے ہیں۔[2]

یہ تھی اہمیت مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کی، اس ذاتِ مقدس کی نگاہ میں جو معصوم تھی اور اللہ تعالیٰ کے بعد اسی کا درجہ ہے صرف قول ہی سے نہیں، بلکہ عمل سے اپنی اُمت کو تعلیم فرما گئے اور بتلا گئے کہ ایک گھر میں ایک مقصد کے لئے سب کا مجتمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے پیشانی رگڑنا کس قدر ضروری ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

عہد صحابہ میں اہتمام جماعت

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قول و فعل دونوں سے دینی شیرازہ بندی اور اجتماعی نظام کی تاکید فرما دی تو پھر آپ کے وہ جاں نثار جنہوں نے آپ پر اپنی جانیں نثار کیں اور اسی کو اپنی زندگی کا ماحصل اور سرمایہ جانا اور جن پر آپ کی نگاہِ لطف و کرم بھی پڑ چکی تھی، کیونکر آپ کی ایک ایک ادا پر جان نہ دیتے، حق یہ ہے کہ شیفتگانِ رسولؐ نے حق ادا کر دیا، آپ جو راہِ حق بتا گئے زندگی کی آخری سانس تک اس پر عمل پیرا رہنے کی سعی پیہم جاری رکھی اور دین کے ایک ایک مسئلہ پر عمل کر کے ثبت دوام حاصل کر گئے۔

---

[1] مشکوٰۃ باب ما علی الماموم عن البخاری والمسلم [2] بخاری باب حد المریض ان یشہد الجماعۃ ۱۲

مسجدوں میں جماعت کی نماز اسی اہمیت اور ہیئت کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کی، جو دین کا مطالبہ اور عاشقانِ رسُول کا شیوہ تھا، اسی وقت استقصاء مقصود نہیں ہے بلکہ چند صحیح واقعات ثبوت میں پیش کرتے ہیں :۔

حضرت اُمِ درداءؓ کہتی ہیں، ایک دن حضرت ابو درداءؓ غصہ کی حالت میں تشریف لائے۔ میں نے پوچھا کیا بات پیش آئی کہ اس قدر رنجیدہ اور غضب ناک ہیں۔ فرمانے لگے :
" خدا کی قسم، میں اُمتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بجز اس کے کچھ نہیں پاتا ہوں کہ باجماعت نمازیں پڑھی جائیں اور اب دیکھتا ہوں کہ لوگ اُسے بھی ترک کرنے پر اُتر آئے ہیں[1]

فاروقِ اعظمؓ جماعت کی نماز کے عاشق تھے اور آخر کار اسی عشق میں جان دی آپ کا یہ حال تھا کہ اگر کسی کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نہیں پاتے تھے تو اس کے یہاں خود پہنچ کر وجہ دریافت فرماتے اور عذر معقول نہ پاتے تو اپنی خفگی کا اظہار فرماتے۔ ایک دن آپ نے کچھ لوگوں کو غیر حاضر پا کر فرمایا کیا بات ہے کہ وُہ لوگ جماعت کے لئے مسجد نہیں آتے اُن کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا کرنے لگیں گے، ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یا تو وُہ بہ پابندی مسجد آیا کریں ورنہ میں اُن کی طرف ایسے اشخاص کو بھیجوں گا جو اُن کی گردنیں مار دینگے۔ پھر آپ نے فرمایا جماعت کی نماز کے لئے مسجد آیا کرو۔ یہ اخیر جملہ آپ نے تین بار فرمایا[2]

انہی حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک دن صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہؓ کو نہیں پایا (یہ جماعت میں کسی وجہ سے نہیں پہنچ پائے تھے) آپ کسی کام سے بازار تشریف لے جا رہے تھے، حضرت سلیمانؓ کا گھر راستہ ہی میں پڑتا تھا، چنانچہ آپ اُن کی ماں حضرت شفاءؓ کے پاس گئے اور ان کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ اُن کی ماں نے بتایا۔ بات یہ ہوئی کہ سلیمان نے قیام لیل (تہجد) میں رات گزاری، اتفاق کی بات اخیر شب میں نیند کا غلبہ ہو گیا اور بلا قصد و ارادہ سو گئے، یہ سُن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا میرے نزدیک فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنی اس ساری رات جاگ کر عبادت کرنے

[1] مشکوٰۃ باب الجماعۃ عن البخاری [2] کتاب الصلوٰۃ ما یلزمہا للامام احمد صد ۲۱

سے بہتر ہے کہ صبح کی جماعت چھوٹ جائے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بازار والوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ جُوں ہی اذان ہوئی، سب سامان اور کاروبار چھوڑ چھاڑ مسجد چل کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کو تجارت وغیرہ جیسی پیاری چیز بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے نہیں روکتی)۔[۲]

حضرت عمر ابن الخطابؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو جماعت کی نماز میں نہ دیکھا، اس کے یہاں تشریف لے گئے اور آواز دی آپ کی آواز سُن کر وہ شخص گھر سے نکلے۔ امیر المؤمنین نے دریافت کیا، نماز میں غیر حاضر کیوں رہے؟ جواب میں کہا:۔ حضرت میں بیمار ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا، یا امیر المؤمنین اگر حضرت کی آواز کان میں نہ پڑتی تو گھر سے نہیں نکلتا۔ یا یہ کہا۔ کہ مسجد تک چلنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا، تم نے اُس کی پکار پر لبیک نہیں کہا جو سب سے زیادہ ضروری تھی اور میری آواز پر نکل آئے۔ اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ کی طرف جو پکارنے والا پکارتا ہے اُس کی پکار پر جس قدر دھیان ضروری ہے میری پکار پر نہیں۔[۳]

انہی حضرت عمرؓ کا کہنا ہے کہ مسجد میں نماز کے اندر اپنے بھائیوں کی تلاش کرو کہ وُہ سب جماعت میں شریک ہیں یا نہیں، اگر کسی کو نہ دیکھو، تو دریافت کرو، خدانخواستہ اگر بیماری کی وجہ سے نہ آئے ہوں تو اُن کی عیادت کو جاؤ، اگر وُہ اپنی صحت و تندرستی کے باوجود نہیں آئے ہیں تو عتاب کرو۔[۴]

امام غزالیؒ اس واقعہ کے نیچے لکھتے ہیں، جماعت کی نماز میں تساہل مناسب نہیں۔ پہلے لوگ باجماعت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، جو لوگ بغیر عذر شرعی شریک جماعت نہ ہوتے اُن کا جنازہ نکالا جاتا تھا جو اشارہ تھا کہ ایسا شخص مُردہ ہے، اس میں دینی

---

[۱] مشکوٰۃ باب الجماعۃ ج۱ صفحہ ۹۶ [۲] ابن کثیر ج۳ صفحہ ۲۹۵ [۳] کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا للامام احمدؒ صفحہ ۲۱
[۴] احیاء العلوم ج۱ صفحہ ۱۳۹ ۱۴۲

روح نہیں ہے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں، دس برس سے مؤذن نے کوئی آواز نہیں دی مگر میں مسجد میں موجود رہا ہوں، کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دس برس سے میری جماعت کی نماز میں کوئی فرق نہ آیا۔[1]

مطر الوراقؒ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شوقِ جماعت کا یہ حال تھا کہ وہ خرید و فروخت میں مشغول ہوتے، ترازو ہاتھ میں ہوتی مگر جونہی اذان کی آواز کان میں پڑتی نماز کو دوڑ پڑتے۔[2]

عمرو بن دینار الاعور کہتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد جا رہا تھا مدینہ منورہ کے بازار میں پہنچا تو دیکھا وہ سب (تاجر) مسجد جا چکے ہیں، سبھوں کے سامان چھپے ہوئے ہیں، کوئی نگران کی حیثیت سے بھی باقی نہیں ہے، یہ منظر دیکھ کر حضرت سالمؒ کی زبان پر یہ آیت تھی "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ" اور فرما رہے تھے، یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان ہے کہ آپ بازار میں تھے، اتنے میں نماز کے لئے اقامت کہی گئی، بس دیکھا، سبھوں نے دوکانیں بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے، یہ منظر دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ انہی لوگوں کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ الخ۔[4]

سلف صالحین کا جماعت سے عشق

ایک دفعہ میمون بن مہران مسجد پہنچے تو اُن کو معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی یہ سُن کر آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، پھر فرمایا جماعت کی نماز مجھ کو عراق کی گورنری سے زیادہ محبوب ہے۔[5]

سلف صالحین جماعت کے جس قدر دلدادہ تھے، اس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے اگر کبھی اُن کی تکبیر اولیٰ بھی فوت ہو جاتی تھی تو تین تین دن تک اُس کا سوگ کرتے اور اگر اتفاق سے جماعت چھوٹ جاتی تب تو سات دن تک غم و الم

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۹ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۵ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۹

میں مبتلا رہتے [1]

موجودہ دور میں علماً کا اہتمام جماعت

یہ چند واقعات آپ کے سامنے ہیں اُن کے پیشِ نظر بار بار غور کریں اور جماعت کی نماز کی اہمیت کا اندازہ لگائیں جی چاہتا تھا کہ ہر دور کی چند مثالیں پیش کر دی جائیں مگر تطویل کے خوف سے نظر انداز کرنا پڑ رہا ہے صرف موجودہ دور کے چند باخدا بزرگوں کے صحیح واقعات عبرت و بصیرت کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور پھر کسی وجہ سے طائف تشریف لے گئے تو وُہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا، کافی شورش پھیلی ہُوئی تھی ہر آن گولیاں چلتی رہتی تھیں، ورنہ خطرہ تو بہرحال تھا، اس وقت بھی حضرت پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور جس طرح بن پڑتا مسجد پہنچنے کی کوشش کرتے۔ یہاں سے جب برطانیہ کے اشارہ پر شریف مکہ نے گرفتار کر لیا اور برطانیہ کی نگرانی میں مالٹا روانہ کئے گئے تو تمام راستہ حتی الوسع سنگینوں کے پہروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کی سعی جاری رکھی، گورے چِٹّے والے فوجی چاروں طرف سے گھیرے ہیں لئے ہوئے ہوتے اور حضرت اپنے معتقدین کے ساتھ باجماعت نماز میں مشغول ہوتے۔ مالٹا پہنچے وہاں سردی اپنے شباب پر تھی۔ خیمہ سے سر نکالنا بھی مشکل ہوتا تھا اس زمانہ میں بھی حضرت اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ایک خیمہ میں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے [2]

مولانا عبد الباری صاحبؒ فرنگی محلیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وُہ جماعت کی نماز کے اس قدر عاشق تھے کہ سفر میں بھی اُن کو منفرد بن کر نماز پڑھنا گوارا نہ تھا چنانچہ وُہ (غالباً اپنے خرچ سے) دو آدمیوں کو اسی غرض سے ساتھ لے کر چلتے تھے، اور وقت پر اُن کے ساتھ مل کر جماعت سے نماز ادا فرماتے۔[3]

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا انتقال ابھی حال ہی میں ہُوا

---

[1] ایضاً [2] سفرنامہ اسیر مالٹا [3] روایت مولانا مناظر احسن گیلانی

ہے، جماعت کی نماز پر کیسے بجان و دل فدا تھے اُس کا تھوڑا بہت اندازہ ان اقتباسات سے لگائیے جو مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے "مولانا الیاس اور اُن کی دینی دعوت" نامی کتاب میں مرض الموت کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

"مارچ ۴۴ء میں ضعف بہت بڑھ چکا تھا، نماز بھی پڑھانے سے معذور تھے لیکن جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے" (ص ۱۴۹) "اخیر میں جب حالت نازک ہو گئی تو اُس وقت بھی مولانا موصوف نے جماعت ترک نہ فرمائی بلکہ ہوتا یہ تھا کہ آپ کی چارپائی صف کے کنارے لگا دی جاتی تھی اور آپ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے" ص ۱۶۸

حضرت مولانا بشارت کریم رحمۃ اللہ علیہ گرھولوی جو ضلع مظفر پور (بہار) میں ایک بڑے باخدا بزرگ گزرے ہیں، آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[1] کہ آپ کو پاؤں کی کوئی ایسی بیماری تھی جس کی وجہ سے چلنے سے بڑی حد تک مجبور تھے مگر مولانا علیہ الرحمۃ کی شیفتگی جماعت کا یہ حال تھا کہ آپ نے ایک گاڑی بطور رکشا بنوا رکھی تھی جس سے پنج وقتہ مسجد حاضر ہو کر باجماعت نماز پڑھتے تھے ۔

مولانا منظور نعمانی اپنے پدر بزرگوار کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :۔

"نماز باجماعت کا اہتمام جیسا میں نے اپنے والد ماجد میں دیکھا، ایسا بہت ہی خاص بندگانِ خدا میں دیکھا گیا ہے اور یہ صرف اپنے ہی حق میں نہ تھا بلکہ اُن کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ گھر کا ایک ایک آدمی بلکہ ہر صاحبِ شعور بچہ بھی جماعت کے وقت مسجد پہنچ چکا ہو، نماز کا وقت شروع ہوتے ہی تقاضا فرمانا شروع کر دیتے تھے پھر جب مسجد کو جاتے تو راستہ کے لوگوں کو یاد دلاتے جاتے، ادھر چند مہینوں سے آنکھوں میں پانی اُتر آیا تھا اور بینائی قریباً معدوم ہو گئی تھی جس کی وجہ سے خود وقت کا اندازہ نہ فرما سکتے تھے تو ظہر اور عصر میں بہت پہلے سے دریافت فرمانا شروع کر دیتے تھے کہ بتلاؤ دروازہ کے سامنے سایہ کہاں تک گیا۔"[2]

[1] روایت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ دربھنگوی ۱۲ [2] الفرقان رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جب میں مفتاح العلوم میں پڑھتا تھا حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے والد مرحوم کو دیکھا کہ باوجود اپنے مختلف مشاغل اور ضعف و کبرِ سِنّی کے ہمیشہ اپنے محلہ کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے تھے، خود حضرت مولانا مدظلہ کو جب وہ مطالعہ میں مشغول رہتے کسی لڑکے سے بلواتے تھے، اسیطرح مولانا مدظلہ کے بچوں کو صبح تک کی نماز میں اپنے ساتھ لے جاتے۔

ضلع پورنیہ (بہار) کے مولانا ظفر صاحب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[1] کہ وہ تو خود جماعت کے عاشق تھے ہی ساتھ ہی یہ جذبہ اور جماعت کی ایسی اہمیت تھی کہ وہ عوام کو ترغیباً یہ مسئلہ بتاتے تھے کہ منفرد کی فرض نماز نماز ہی نہیں ہوتی[2]، بغیر عذر شرعی مسجد کی غیر حاضری پر بہت خفا ہوتے، کوئی اُن سے تعویذ لینے آتا تو اس سے باجماعت نماز کے متعلق دستخط وغیرہ لکھوا کر دیتے تھے۔

نظم جماعت کی وجہ اور اس کے فضائل

اب تک نظم جماعت کی اہمیت ثابت کی گئی، اب یہ بتانا ہے کہ آخر یہ اہتمام جماعت تھا کیوں؟ اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ چند حدیثیں ذکر کی جائیں گی جس سے اُمید کی جاتی ہے کہ نظم جماعت کے فضائل ذہن نشین ہو جائیں گے شرعی طور پر بھی اور بڑی حد تک عقلی طور پر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ارشادِ نبوی ہے:-

صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف	مرد کی باجماعت نماز اس کی انفرادی نماز سے،
علی صلاتہ فی بیتہ وفی سوقہ	ثواب میں پچیس گن بڑھی ہوئی ہے جو وہ اپنے گھر
خمسا وعشرین ضعفا وذالک انہ	یا بازار میں پڑھے مگر یہ اسوقت، کہ وہ باقاعدہ وضو
اذا توضا فاحسن الوضوء ثم	کرے پھر اخلاص سے مسجد آئے، مسجد آنے میں جو
خرج الی المسجد لا یخرجہ الا	قدم بھی اُس کا اُٹھے گا ہر قدم کے بدلہ ایک درجہ
الصلوٰۃ لم یخط خطوۃ الا رفعت	بلند ہوگا اور ایک گناہ معاف ہوگا، جب تک

[1] بروایت مولانا لطیف الرحمٰن صاحب دربھنگوی ۱۲ [2] مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ یا زیادہ سے زیادہ واجب ہے۔

لہ بها درجة وحط عنه بها خطيئة فاذا صلى لم تزل الملئكة تصلى عليه ما دام فى مصلاه اللهم صلى عليه اللهم ارحمه ولا يزال احدكم فى صلاته ما انتظر الصلوٰة

وہ اپنے مصلے پر نماز وغیرہ میں مشغول رہے گا اس کے لئے متواتر فرشتے دعائے مغفرت کریں گے کہ اے اللہ اس کو بخش دے اے اللہ اس پر رحم فرما اور جب تک کوئی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔

(بخاری باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ منفرد کی نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے[1]۔ ان حدیثوں سے یہ بات نمایاں طور پر معلوم ہوئی کہ اکیلے اکیلے جو نماز پڑھی جائے اس میں اور جماعت کی نماز میں بلحاظ اجر و ثواب اور فضیلت بہت تفاوت ہے، پھر جماعتی کا ہر قدم ایک گناہ کو مٹاتا اور ایک درجہ بلند کرتا ہے، مزید براں جب تک وہ مسجد میں ہوتا ہے اس کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں، الفاظ حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ثواب کی زیادتی میں جگہ اور مکان کو بڑا دخل ہے جو ثواب مسجد کی جماعت کا ہے وہ گھر کی جماعت کا نہیں اور جتنا ثواب گھر کی نماز باجماعت کا ہے بازار کی باجماعت نماز کا نہیں:۔

اس میں شبہ نہیں کہ منفرد کی نماز بھی ہو جاتی ہے اور اس طرح فرضیت بھی ذمہ ساقط ہو جاتی ہے مگر ثواب میں ان دونوں (باجماعت اور انفرادی) نماز میں بڑا فرق ہے قلب و جگر پر اثرات کے ترتب میں ایک کو جو درجہ حاصل ہے وہ دوسری (منفرد کی نماز) کو نہیں، اجتماع کو اس باب میں بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جماعت جس قدر بڑی ہوتی ہے اسی اندازہ سے فضیلت بڑھتی جاتی ہے، حدیث میں ہے:۔

ان الصلوٰۃ الرجل مع الرجل ازکیٰ من صلوٰۃ وحدہ وصلاتہ مع الرجلین ازکیٰ من صلاتہ مع رجل

مرد کی نماز ایک شخص کے ساتھ اس کی تنہا نماز سے پاکیزہ تر ہے اور اس کی نماز دو شخصوں کے ساتھ ایک شخص کے ساتھ کی نماز سے افضل ہے

[1] مسلم باب صلاۃ الجماعۃ والتشدید فی التخلف منہاج ا صا۲۲

وما کثر فھو احب الی اللّٰہ	اور جماعت میں جس قدر زیادتی ہو، اللّٰہ
(ابوداؤد باب ما جاء فی فضل الجماعۃ)	تعالیٰ کو وُہ اور بھی محبوب ہے۔

نظمِ جماعت میں ثواب کی زیادتی کی تفصیل

ابھی ابھی جو ایک حدیث میں پچیس اور دوسری میں، ستائیس گنا کا جملہ آیا ہے یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کی کرید میں لگ جائیں یہ دو کا فرق محض حسنِ عمل، حسنِ نیت، مسجد کے قرب و بعد، خضوع و خشوع اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کی وجہ سے ممکن ہے، یا صرف زیادتی ثواب بتاتا ہے۔ عدد تعیین کے لئے نہ ہو، اور بھی وجہ نکل سکتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی بہت سی شکلیں لکھی ہیں۔ مگر ان میں راجح انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق اس صورت کو قرار دیا ہے کہ یہ فرق سِرّی اور جہری نماز کا ہے کہ سِرّی میں دو کم یعنی پچیس گنا اور جہری میں دو زیادہ یعنی ستائیس گنا۔ پھر اس کی تفصیل بیان کر کے اپنے اس قول کو مدلل فرمایا ہے۔ تفصیل اہلِ علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے:-

۱:- مؤذن کی دعوتِ جماعت کی نیت سے قبول کرنا۔

۲:- اذان سنتے ہی نماز کے لئے جلدی کرنا اور اوّل وقت میں چلنا۔

۳:- باوقار مسجد کو روانہ ہونا۔

۴:- مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعاءِ ماثورہ پڑھنا۔

۵:- مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھنا۔

۶:- جماعت کا انتظار کرنا (جو نماز پڑھنے کے حکم میں ہے)

۷:- فرشتوں کا جماعت کی نماز پڑھنے والوں کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرنا۔

۸:- ان کے حق میں فرشتوں کی شہادت۔

۹:- تکبیر کے الفاظ کے جواب دینا۔

۱۰:- تکبیر کے وقت شیطانی وسوسے سے محفوظ رہنا (کیونکہ وُہ بھاگ جاتا

جاتا ہے)

۱۱:۔ امام کے تحریمہ کے انتظار میں توقف کرنا یا امام کے ساتھ اس کو جس حالت میں پائے مل جانا۔

۱۲:۔ تکبیر تحریمہ کا پا لینا۔

۱۳:۔ صفوں کو درست کرنا اور اس کی کشادگی کو بند کرنا۔

۱۴:۔ امام کے "سمع اللہ لمن حمدہ" کے جواب میں "ربنا لک الحمد" کہنا۔

۱۵:۔ بھول چوک سے محفوظ رہنا اور امام سے بھول ہونے لگے تو اس کو "سبحان اللہ" کہہ کر خبردار کرنا۔

۱۶:۔ حالت جماعت میں خشوع و خضوع کا حصول اور غافل کرنے والی چیزوں سے عموماً سلامتی۔

۱۷:۔ عادۃً جماعت کے موقع پر حسن ہیئت کا خیال رکھنا۔

۱۸:۔ فرشتوں کا جماعت کو چھپا لینا۔

۱۹:۔ (امام کی وساطت سے) تجوید و ارکانِ صلوٰۃ سے واقفیت۔

۲۰:۔ (قیام جماعت میں) شعارِ اسلام کا اظہار۔

۲۱:۔ اجتماعی طور پر عبادت اور تعاون علی الطاعۃ کے ذریعہ شیطان کی رسوائی اور سست و کاہل افراد میں جوش و نشاط پیدا کرنا۔

۲۲:۔ نفاق کی زد سے بچنا جو جماعت سے کترانے والے کی نشانی ہے اور اس الزام سے مامون رہنا کہ فلاں نے نماز ہی نہیں پڑھی۔

۲۳:۔ امام کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی جو دعا ہے، دعا سے جواب دینا۔

۲۴:۔ یکجا بطور اجتماعی دعا و ذکر میں مشغول ہو کر برکت سے متمتع ہونا۔

۲۵:۔ ایک گھر میں جمع ہو کر پڑوسیوں کا رات دن ملنا اور اس نظام کے ذریعہ ہر ایک کے حالات سے باخبر ہونا۔

یہ پچیس فائدے جماعت کی نماز کے ایسے ہیں۔ جس سے کسی کو انکار کی

جرأت نہیں ہو سکتی اور ان میں ہر ایک اپنی مخصوص فضیلت کی وجہ سے مستقل عبادت کی حیثیت رکھتا ہے ان کے پیش نظر ماننا پڑتا ہے کہ اجر کا دو چند اور زیادہ سے زیادہ ہونا مسجد کے نظام سے جکڑا ہوا ہے۔ بہرحال یہ وہ فائدے ہیں جو ہر جماعت کی نماز میں پائے جاتے ہیں، دوسری نماز (آہستہ قرأت والی) ہو یا جہری (کہ جس میں بلند آواز سے قرأت کی جائے) باقی دو فائدے ایسے ہیں جو جہری نماز کے ساتھ مختص ہیں ایک امام کے پڑھتے وقت خموشی سے بغور سننا اور دوسرے امام کے آمین کہتے وقت مقتدی کا بھی آمین کہنا کی موافقت ممکن ہو سکے۔

دلوں پر قبضہ اسلام نے جبر و تشدد کی راہ چھوڑ کر حتی الامکان دلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی عبادت کرے جس میں دل کو ارتباط نہ ہو، بلکہ اس نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ کسی درجہ میں انسان کا دل گرانی محسوس کرے چنانچہ آپ احکام اسلام میں غور و فکر سے کام لیں گے تو معلوم ہوگا ہر ہر قدم پر ترغیب کی راہ اختیار کی گئی ہے اور حتی الوسع جبر و اکراہ کو ترک کر کے تالیف قلوب سے کام لیا گیا ہے، ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ	نماز میں اس شخص کو زیادہ ثواب ملتا ہے جو
ابعدھم فابعدھم ممشی والذی	جس قدر دور سے چل کر آتا ہے، اور جماعت
ینتظر الصلاۃ حتی یصلیھا مع	کے انتظار میں جو شخص بیٹھا رہتا ہے، وہ
الامام اعظم اجرا من الذی	ثواب میں اس سے بڑھا ہوا ہے جو جماعت
یصلی ثم ینام	کا انتظار نہیں کرتا اور نماز پڑھ کر سو رہتا ہے

(بخاری باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ)

لب و لہجہ پر بار بار غور کیجئے، کس قدر شیریں اور دل نشین ہے، کلام میں درشتی اور سختی کا کہیں پتہ نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی موقعہ پر بھی سختی سے کام نہیں لیا گیا، چونکہ اسلام میں ایک مستقل گروہ منافقین کا تھا جو مسلمانوں میں اپنے طرز عمل سے تساہل اور کاہلی کا پرچار کرتا تھا اس لئے موقع موقع سے ایسی صورت

بھی عمل میں لانی پڑتی ہے کہ اُن کے کیف و نشاط میں فرق نہ آنے پائے، اور مومن کامل کے لئے تازیانہ کا کام دیتی رہے، سُستی سے رغبتی جب کبھی ان میں قدم جمانے لگے تو اس طرح کی حدیثیں ان کو جھنجھوڑ دیں، چنانچہ فرمایا گیا :۔

لیس صلوٰۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو یعلمون ما فیھما لاتوھما ولو حبوا ولقد ھممت ان اٰمر المؤذن فیقیم ثم اٰمر رجلا یؤم الناس ثم اٰخذ شعلا من النار فاحرق علی من لا یخرج الی الصلوٰۃ بعد	فجر اور عشاء کی نماز سے بڑھ کر منافقوں پر اور کوئی نماز شاق نہیں ہے حالانکہ اگر ان کو ان نمازوں کی اہمیت کا علم ہو جائے تو جیسے بن پڑے دوڑے آئیں جی میں آتا ہے کہ مؤذن کو اقامت کا حکم کردوں اور کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کا شعلہ لے کر نکل پڑوں اور اُن کو پھونک ڈالوں جو ابتک جماعت کی نماز کے لئے نہیں نکلے ہیں۔
(بخاری باب فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعۃ)	

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :۔

والمراد لاتوا الی المحل الذی یصلیان فیہ وھو المسجد۔	مراد یہ ہے کہ وہ اس جگہ آئیں جہاں یہ دونوں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور وہ جگہ مسجد ہے۔
(فتح الباری ج ۲ ص ۹۷)	

نظم و ارتباط، باہمی اتحاد اور دلوں کے ملاپ کے لئے ضروری ہے کہ اجتماع کا مرکزی گھر ایسا ہو جہاں ہر خاص و عام بغیر کسی حیلہ بہانہ کے بآسانی آسکیں اور اس کے لئے مسجدوں سے بڑھ کر اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے جو خالص خدا کی ملکیت کہی جاتی ہے۔

مخصوص وقتوں کی فضیلت اس میں شبہ نہیں کہ نسبتہً فجر، عشاء اور ظہر میں زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں۔ سردی کے موسم میں عشاء اور فجر کی نماز کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفس پر کتنا دباؤ ڈالنا پڑتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا، پانی کی بڑھتی ہوئی سردی، راستہ کی تاریکی اور نفس کی ایسے موقع پر آرام طلبی، یہ سا

بائیں مل ملا کر حوصلہ کو زیر کرنا چاہتی ہیں۔ گرمی کے موسم میں صبح کی میٹھی نیند برسات کی کالی رات اور دوسرے عوارض فجر و عشاء میں رکاوٹ بن کر سامنے آتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح کم و بیش ظہر کی نماز بہت کٹھن ہو جاتی ہے جب کہ دھوپ کی تمازت چہرہ کو جھلس رہی ہو، آسمان انگارے برسا رہا ہو اور ہوا آگ سے لئے پھر رہی ہو، انسان طبعاً اس طرح کے موقع پر سست و کاہل بن جاتا ہے، خطرہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مرد مومن ان وقتوں میں مسجد جانے سے ہچکچائے اور جماعت کی نماز ترک کر بیٹھے اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اہمیت کو اور بھی عمدہ پیرایہ میں ذہن نشین فرمایا اور سمجھایا کہ میٹھی نیند، تیز دھوپ، سخت تاریکی اور گرمی اور سردی تم کو دھوکہ نہ دے جائے، یہ نمازیں گو منافقین پر شاق ہیں کہ ان کو لذتِ ایمان میسّر نہیں لیکن اگر اُن کو ایمان کی شیرینی نصیب ہوتی اور پھر ان مشکل طلب وقتوں میں نماز باجماعت کے فضائل اور اُن کے منافع کا علم و یقین ہو جاتا تو پھر ہزار مجبوری ہوتی، پر یہ گھر میں بیٹھے نہیں رہتے، بلکہ جس طرح بھی یہ مسجد پہنچ سکتے، پہنچنے کی سعی پیہم کرتے۔

عشاء، فجر اور ظہر کی نمازوں کے اوقات جیسا عرض کیا گیا ذرا نفس کے لئے تکلیف دہ ہیں اس لئے شریعت نے اُن کے فضائل نسبتہً بڑھا کر بیان کئے اور گرانیٔ طبع کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وقتوں کی نماز باجماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :-

لو یعلم الناس ما فی النداء و	لوگوں کو اگر علم ہو جائے کہ اذان پکارنے اور
الصف الاول ثم لم یجدوا	صف اول کی نماز میں کیا اجر اور فضیلت ہے پھر
الا ان یستھموا علیہ لاستھموا	وہ نہ پائیں تو قرعہ اندازی پر اُتر آئیں اور اگر اُن
علیہ ولو یعلمون ما فی التھجیر	کو دوپہر (ظہر) کی نماز باجماعت کا علم و یقین
لاستبقوا الیہ ولو یعلمون	حاصل ہو جائے اور پتہ لگ جائے کہ اس کا کیا
ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما	ثواب ہے تو اس کے لئے دوڑ پڑیں، اسی طرح
ولو حبوا :-	صبح اور عشاء کی نماز کا جو درجہ ہے وہ معلوم ہو

(بخاری باب فضل التہجیر الی الظہر) جائے تو یہ کھسکتے ہوئے بھی آئیں۔

فضائل و اجر کی کثرت ان حدیثوں میں جس قدر ہم غور کرتے ہیں فضائل و اجر کی کثرت کا اور بھی یقین ہوتا ہے۔ ستائیس گنا ثواب کی تو وضاحت ہے مگر الفاظ حدیث کے بیان طرز بیان پر بھی نظر کیجئے تو معلوم ہو کہ اس متعینہ ثواب سے زیادہ بھی اور کوئی چیز ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے یا وہ چیز ہماری عقل سے ماوراء ہے، مگر ہے گرانقدر چیز جس کو حدیثوں میں "لو یعلمون ما فی" جیسے جملوں سے بیان کیا گیا ہے اور ذخیرۂ احادیث کے پیش نظر تو یہ فیصلہ بڑی حد تک ناگزیر معلوم ہوتا ہے، پھر یہ حدیث "صحیح مسلم" میں موجود ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان فرمایا:

من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ	جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا وہ آدھی رات نماز میں کھڑا رہا، اور جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی تو گویا اس نے پوری رات نماز میں گزاری۔
(مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ)	

اس حدیث کا اس کے سوا اور کیا منشاء ہے کہ ان دو وقتوں کی جماعت کی نماز کا اجر آدھی اور پوری رات کی عبادت اور نوافل کے برابر ہے، اگر ایک طرف ان نمازوں کے لئے بندوں کے دلوں پر قبضہ کرنا مقصد ہے اور ان کو ساری دشواریوں سے گزار کر کیف و انبساط کے ساتھ جماعت میں لا کھڑا کرنا ہے تو دوسری طرف یہ بھی مقصد ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنے سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے جو مخلص بندہ کو درگاہِ الٰہی سے ملتا ہے۔

سختی اور نرمی کا معیار ایک دفعہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھ لیا کہ اذان کے بعد وہ مسجد سے نکلا جا رہا ہے تو آپ نے کس سختی سے فرمایا۔ "اما ھذا فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم" بلاشبہ اس نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی[1]

---

[1] مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ۔

پھر اسلام کی دلدہی پہ قربان جائیے اُس نے اس شخص کو بھی جماعت کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جو گھر سے جماعت کی نیت سے نکلا مگر اُس کو جماعت نہ ملی بلکہ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ جو شخص باضابطہ باوُضو مسجد آیا اور اس کو جماعت نہ مل سکی تو بھی اُس کو جماعت کا پُورا پُورا اجر ملے گا۔ کوئی کمی نہ کی جائے گی [1]

اس سے بڑھ کر یہ کہ معذورین کو رخصت بھی دی گئی ہے کہ اگر کسی کو عذر شرعی پیش آجائے تو وُہ جماعت سے غیر حاضر بھی ہو سکتا ہے [2] گو عزیمت کا تقاضا یہ ہے کہ وُہ خود حتی الوسع مسجد کی حاضری اپنے اوپر لازم جانے۔

نظم جماعت کی حکمتیں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ شریعت نے جن باتوں کی جتنی تاکید کی ہے ان میں اسی اندازہ سے مصالح اور حِکم بھی پنہاں ہوتے ہیں، جہاںتک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہنچتی ہے، ہاں کچھ علماء راسخین فی العلم ہیں جو ایک حدتک حکمتوں کو پالیتے ہیں اور پھر اُن کے ذریعہ اور بھی لوگ ان مصلحتوں اور حکمتوں کو جان لیتے ہیں۔

بلاشبہ جماعت کی نماز جس کی اس قدر اہمیت ہے بلاوجہ نہیں ہے خیر و برکت اور اجر و ثواب کی زیادتی اپنی جگہ، علاوہ ازیں اس میں بیش بہا فوائد، وسیع منافع، اور ان گنت حکمتوں کا خزینہ پوشیدہ ہے، یہاں اُن میں سے چند کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا

"نماز کی جماعت" کے نام سے جو اجتماع ہوتا ہے، وہ ایسے گھر میں ترتیب پاتا ہے جہاں ہر مسلمان کو برابر کا حق پہنچتا ہے، اصولی طور پر اس میں شرکت کی عام اجازت ہوتی ہے، دیہاتی، شہری، بڑے، چھوٹے، عالم اور غیر عالم سب مُساوی درجہ رکھتے ہیں پھر یہ کہ اس اجتماع کی شرکت باعث فخر و مباہات ہوتی ہے اور اس کثرت سے یہ اجتماع ہوتا ہے کہ لوگوں میں ایک رسم عام کی حیثیت قبول کر لیتا ہے، کوئی اپنی سستی کاہلی اور بے رغبتی سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہے تو یہ کوئی آسان بات نہیں، اس لئے کہ غیر حاضری

---

[1] ابوداؤد باب فی من خرج یریدالصلوٰۃ فسبق بہا [2] ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر مؤذنا ثم یقول علی اثرہ الاصلوا فی الرحال فی اللیلۃ الباردۃ المطیرۃ فی السفر (بخاری باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ)

کی شکل میں تلاش اور جستجو ہوگی، وجہ دریافت کی جائے گی اور معقول عذر نہ ہونے کی صورت میں لوگوں کی نگاہ میں وُہ معتوب سمجھا جائے گا۔

کاہل کا انسداد اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاہل، سست اور بے رغبت مسلمان کے اندر چُستی پیدا ہوگی اور وُہ بڑی حد تک اپنے کو مجبور پائے گا کہ مسجد آئے، جماعت میں شریک ہو کیونکہ یہ امتحان گاہ ہے کہ کون لوگ ہیں جو دعوئے اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے دلوں میں اسلام کی محبت و وقعت بھی رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت برضا و رغبت بجا لاتے ہیں اور کتنے وُہ ہیں جن کو صرف ادعائے اسلام ہے اور درحقیقت ان کا دل دین کی محبت سے خالی اور ویران ہے اور رب العالمین کے ساتھ اُن کا تعلق بے دلی، بے رغبتی اور دوری کا ہے۔

عالمانِ دین کا امتحان اس اجتماعِ دینی میں چونکہ دین کے جاننے والے اور اس کے ماہر بھی ہوتے ہیں اور دین سے ناواقف اور جاہل لوگ بھی، اس لئے عالمانِ دین اور احکامِ دین سے واقف افراد کا امتحان بھی ہے کہ یہ اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں یا نہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ان کو کس قدر احساس ہے۔

قبولیتِ دُعا یک جا ایک دو نہیں، پورے محلہ کے مسلمان کم از کم جمع ہوئے ہیں اور سب مل کر ایک عظیم الشان عبادت میں مشغول ہیں اور پھر اسی طرح امید و بیم کے ساتھ ایک ہی مقصد کے لئے دل کی پوری گہرائی کے ساتھ پروردگارِ عالم سے دعا کرتے ہیں اور نماز کے ذریعہ اپنے خدا سے بہت قریب ہو کر کرتے ہیں۔ اس لئے توقع کامل ہے کہ ربُّ العالمین دعا کو شرفِ قبولیت بخشے گا اور اُن کو اجتماعی مقاصد میں کامیاب کرے گا۔

اعلائے کلمۃ اللہ اللہ تعالےٰ کا اُمتِ محمدّیہ سے جو یہ مقصد ہے کہ اس کا کلمہ بلند ہو، اسی کا بول بالا رہے اور دینِ اسلام، اور ادیانِ باطلہ پر غالب ہو کر رہے تاکہ سارے انسانوں کو حقیقی امن و راحت میسر ہو تو بلاشبہ اس مقصد کی تکمیل بھی یک گونہ ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی دستوری عبادت ہے جس کو دین سے بڑا گہرا تعلق ہے اور اس طرح یہ عبادت علی الاعلان ادا ہوتی ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ایک شعبہ انجام پذیر ہوتا ہے۔

شیطان کی رسوائی شیطان جو بندۂ مومن کا کھلا ہُوا دشمن ہے اور اُن کے آپس میں تفرقہ ڈال کر اُن کو کمزور کرنا چاہتا ہے اور اُن کو ٹولیوں میں بانٹ کر اپنے قابُو کا متمنی ہوتا ہے اس یکجائی عبادت سے اُس کی بھی رُسوائی ہوتی ہے اور اس طرح اس کا دو پیچ بنا بنایا ختم ہو جاتا ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزہ اشارہ فرمایا تھا :-

مامن ثلثة فی قریة او بدو ولا تقام فیھم الصلاة الا قد استحوذ علیھم الشیطان ۔	کوئی آبادی ہو یا جنگل جس میں تین آدمی رہتے ہوں جب اُس میں نماز قائم نہیں کی جاتی ہے تو شیطان اُن پر قابو پا لیتا ہے ۔

ماحصل یہ تھا کہ جہاں جماعت ہو سکتی ہے وہاں جماعت ہرگز نہ ترک کیجائے کہ اس طرح شیطان کو موقع مل جائے گا اور پھر دین میں سُستی کا دروازہ کُھل جائے گا اور جماعت کا اہتمام جب شد و مد سے باقی رہے گا تو پھر شیطان کی رسوائی ضروری ہے[1]

تزکیہ اور تالیف قلوب ابن العربی مالکیؒ نے مسجد ضرار والی آیت کے ضمن میں لکھا ہے اور جماعت کے ایک پہلو تزکیہ و تصفیہ اور تالیف قلوب پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ ان کے الفاظ چونکہ جچے تُلے ہیں، اس لئے خود اس عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں :-

یعنی انھم کانوا جماعة واحدة فی مسجد واحد فارادوا ان یفرقوا شملھم فی الطاعة وینفردوا عنھم للکفر والمعصیة وھذا یدلک علی ان المقصد الاکثر والغرض الاظھر من وضع الجماعة تالیف القلوب و الکلمة علی الطاعة وعقد الذمام والحرمة بفعل الدیانة حتی یقع	سارے مسلمان ایک جماعت تھے اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، منافقین نے چاہا کہ طاعت میں ان کا شیرازہ منتشر کر دیں اور اُن سے علیحدہ رہ کر کفر و معصیت کو فروغ دیں اس واقعہ سے معلوم ہُوا کہ خدائی نظم جماعت کی غرض و غایت یہ ہے کہ دلوں میں ارتباط، طاعت میں یکجہتی اور شیرازہ بندی قائم رہے تاکہ باہم انس و محبت پیدا ہو اور کینہ و کپٹ لوٹ دنائت سے دل صاف اور

[1] یہ تفصیل حجۃ اللہ البالغہ باب الجماعۃ جلد ثانی سے ماخوذ ہے۔ ۱۲

الانس بالمخالطة وتصفو القلوب
من وضر للاحقاد والخسارة وتفهم
المعنى تفطن مالكؒ حتى انه قال لا
يصلي جماعتان في مسجد واحد لا
بامامين ولا بامام واحد حتى كان
ذالك تشتيتا للكلمة وابطالا لهذه
الحكمة وذريعة ان تقول من اراد
الانفراد عن الجماعة كان له عذر
فيقيم جماعة ويقدم امامه فيقع
الخلاف ويبطل النظام۔

پاک رہے اور اس معنی کو امام مالکؒ نے خوب سمجھا تا
آنکہ انہوں نے یہ فرمایا کہ ایک مسجد میں دو جماعتیں نہیں
پڑھ سکتی ہیں نہ دو امام کے ساتھ اور نہ ایک امام کے
ساتھ کہ یہ کلمہ کے تشتت اور اس کی حکمت بالغہ کے
ابطال کا سبب بن جائے اور تاکہ یہ اس بات کا ذریعہ
ہو جائے کہ ہم جماعت سے علیحدگی کے خواہاں کا اس کو
عذر بنالیں کہ وہ ایک اور جماعت قائم کرے اور ایک
دوسرا امام بنالے اور اس طرح اختلاف کا چشمہ
پھوٹ پڑے اور نظام وحدت درہم برہم ہو جائے
(احکام القرآن ج ۱ صـ ۴۴۳، ۴۱۵)

انتشارِ جماعت کی کراہیت بلا شبہ اس کلام میں جس طرف اشارہ کیا گیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت کے بنیادی مقاصد سے ہے اور کہا جا سکتا ہے جماعت کی روح بڑی حد تک اسی میں پنہاں ہے، یہی وجہ ہے بعض ائمۂ دین نہایت سختی سے اس طرف گئے ہیں کہ اذان و جماعت والی مسجد میں جماعت ثانیہ کراہت سے کسی حال بھی خالی نہیں، اور فضائل صرف جماعتِ اولیٰ ہی کو حاصل ہیں۔

ہم جب نمازِ خوف کا مسئلہ سامنے رکھتے ہیں تو اور بھی مسئلہ جماعت کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ میدانِ کارزار میں جب دو جماعت کا حکم نہیں تو رات دن اپنی پرسکون مسجد میں جماعتِ ثانیہ کی اجازت کیونکر سمجھی جا سکتی ہے، ہاں راستہ کی مسجد ہو تو البتہ اجازت سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں کوئی نظم و ضبط ممکن ہی نہیں، احادیث میں اسی طرح کا واقعہ جہاں آیا ہے اس کی مراد یہی ہے کہ وہ گزرگاہ کی مسجد ہوگی۔ نظمِ جماعت کے سلسلہ میں جو حدیث ہم نقل کر آئے ہیں، اُن میں بھی اس طرف کافی اشارہ موجود ہے کہ جماعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک ہی ہوتی تھی، اور یہی مطلوب بھی تھا۔

دلوں کی نورانیت | جماعت ثانیہ کو جب جماعت کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی، تو پھر قدرتی طور پر جماعتِ اولیٰ میں ہر شخص حاضری کی سعی کرے گا اور وہ سستی جو جماعت ثانیہ کے نام پر پیدا ہو سکتی ہے، راہ نہ پائے گی، اور اس صورت جماعت بڑی سے بڑی ہوگی، پھر ہر ایک قلب روشن ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت و طاعت کا نور، ایک قلب مومن سے دوسرے مومن کے دل پر تو ڈالے گا اور اس طرح ان کی روحوں کی مثال ایسی ہو جائے گی کہ چند صاف شفاف آئینے ایک دوسرے کے آمنے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں اور ان پر سورج کی آزاد کرنیں پڑ رہی ہیں جس طرح اس وقت ان آئینوں کا حال ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو اپنے عکس سے منور کر دیتا ہے یہی حال جماعت میں شریک ہونے والی روحوں کا ہوتا ہے۔

صبح کی جماعت میں تو یہ کیفیت اور بھی پورے شباب پر ہوگی۔ کیونکہ آرام و چین کی نیند دماغ کو سکون بخش دیتی ہے، دل اس وقت نسبتاً بہت زیادہ پُر سکون اور افکار کے گرد و غبار سے پاک ہوتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کی جماعت کا ثواب یہ بتایا گیا ہے کہ پوری رات کی عبادت کے برابر ہے۔

دین سے دنیا کی اصلاح | جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں غور کیجئے کہ ان کیفیتوں کے حصول کے وقت ایک کا دوسرے سے بغل گیر ہونا کس قدر اثر انداز ہو سکتا ہے دنیاوی اعتبار سے بھی اور دینی نقطۂ نظر سے بھی، اتحاد و ارتباط جسمانی اور روحانی دونوں کائنات کے لئے مفید ثابت ہوگا اور ان کیفیات کے استحضار کے ساتھ جو بھی اجتماع ہوگا، کیا ان میں یہ احساس تازہ نہ ہوگا؟ کہ جس طرح ہم ایک گھر میں، ایک ضابطہ کے تحت صرف ایک ذات کی خوشنودی کے لئے جمع ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دنیاوی زندگی میں ہماری لائنیں مختلف ہیں اور جس طرح یہاں ہم مل کر اپنے ایک بڑے دشمن شیطان رجیم کو رسوا کر ڈالتے ہیں اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی متحد ہو کر اپنے دشمنوں پر غالب آسکتے ہیں۔

اسلامی مساوات | صرف یہی نہیں بلکہ ایک امام کی ماتحتی ان کے دلوں پر یہ نقش چھوڑے

گی کہ دنیاوی زندگی میں بھی ہمارا امام ایک ہی ہونا چاہیئے ۔

ایک گھر میں ایک مصلے پر بلا امتیاز ہر ایک کا دوسرے کے بغل گیر ہونا اور ایک سیدھ میں کھڑا ہونا، ان میں مساوات کی وہ روح پیدا کرے گا جو لاکھوں کانفرنسوں سے ممکن نہیں، یہاں شاہ وگدا، امیر وفقیر، منصب دار اور غیر منصب دار، ذات پات، نسل ونسب اور رنگ و روپ کا کوئی سوال نہیں ہوتا، کسی کی کوئی جگہ متعین نہیں، یہاں اگر کسی درجہ میں معیار فضیلت ہے تو زہد وتقویٰ، خدا شناسی اور خدا ترسی، علم وفضل اور اسی طرح کی کوئی اور چیز، بلکہ نظم جماعت میں تو ان چیزوں کو بھی دخل نہیں ہے سوائے علم وفضل کے کہ ان کا بعض امور میں لحاظ ہوتا ہے ۔

بغض وحسد کی روک تھام اور پھر اس نظم جماعت سے خود بخود الفت ومحبت کے رشتے استوار ہوتے ہیں، نفاق وخصومت، حسد وبغض، عداوت ونفرت اور اس طرح کی ساری نقصان دہ اور ضرر رساں باتوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے بھی نماز کے اس وصف کی طرف اشارہ فرمایا ہے :۔ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (روم - ۴)

محبت والفت رات دن کی باہم ملاقاتیں خاص کیفیت کے ساتھ ہوں گی، تو جہاں محبت والفت اور مساوات کا جذبہ راسخ ہو گا وہاں دردمندی وغمخواری بھی اپنی جگہ پیدا کر لے گی، ایک دوسرے کو برے اور پھٹے حال میں جب دیکھے گا تو طبعی طور پر ہمدردی، حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا جذبہ ابھرے گا اور اجتماعی جذبہ اُن کو سب کچھ کرنے پر مجبور کرے گا، یہ اور اس طرح کے بیسیوں فائدے خود بخود مترتب ہوں گے مسجد کے اس نظم جماعت کے مصالح وحکم اگر استقصا سے قلم بند کئے جائیں، تو ایک ضخیم کتاب صرف اسی عنوان پر ترتیب دی جا سکتی ہے ۔

رحمت عالم صلعم کی مسرت بہرحال انہی حکمتوں اور مصلحتوں کا نتیجہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظم جماعت بہت محبوب تھا اور اپنی اخیر ساعت عمر تک اس سے آپ نے والہانہ محبت فرمائی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کو صدیق اکبرؓ امامت کے

فرائض انجام دے رہے تھے اور لوگ صف بستہ پیچھے کھڑے تھے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں کمزوری کی وجہ سے گھر میں آرام فرماتے تھے، آپ اپنے بستر سے اُٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے اور پردہ اُٹھا کر جماعت کو دیکھنے لگے جو مسجد میں مشغول نماز تھی۔ آپ یہ دیکھ کر خوشی سے مُسکرا اُٹھے [1]

جانتے ہیں آپ کی یہ مسرت کیوں تھی؟ محض اس وجہ سے کہ آپ نے صحابہ کرام کو دیکھا، نماز باجماعت ادا کر رہے ہیں، ہر ایک امام کی پوری پوری پیروی کرتا ہے اور اس طرح یہ اپنی شریعت پر قائم، آپس میں متحد اور ان کے دل ملے ہوئے ہیں۔

جامع مسجدوں کا نظام یہ پنج وقتہ جماعتوں کا حال ہے جو محلہ میں اشاعتِ دین، انضباط اتحاد اور بے شمار دینی و سیاسی منافع کا باعث ہوتی ہیں، باقی شہروں اور بڑی آبادی کے مختلف محلوں میں اشاعت دین وغیرہ کا مسئلہ، تو اس کے لئے شریعت نے جامع مسجدوں کا نظام قائم کیا ہے اور اس کو ٹھوس بنیاد پر قائم کر دیا ہے کیونکہ ہر دن تمام محلوں کا یکجا ہونا وقت و پریشانی اور حرج سے خالی نہ تھا اور ہفتہ بھر میں ایک ہی بار اس طرح کا اجتماع اپنی مخصوص خوبیوں کی بناء پر مناسب بھی تھا۔

ہر جگہ جمعہ کی ایک ہی جماعت عہد نبوی اور عہدِ صحابہ میں، چونکہ جامع مسجدوں سے گرانقدر فوائد متعلق ہیں اس لئے شریعت نے اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے کہ ایک شہر یا قصبہ میں ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جانی چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں یہی رائج تھا، ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ صاحب مبسوط جو خود بھی عدمِ جواز تعدد جمعہ کی طرف مائل ہیں لکھتے ہیں:۔

ان فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء بعدہ فتحت	بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بہت سے شہر فتح ہوئے، مگر

[1] مسلم ج ۱ ص۱۹۰ [2] حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنی فتوحات کے زمانہ میں گورنروں اور فوجی افسروں کو لکھا تھا کہ جمعہ کی نماز ایک جگہ جمع ہو کر پڑھی جائے۔ (اصلاح المساجد للقاسمی ص۵۵، ۵۶)

الامصار ولم یتخذ احد منهم فی کل مصرٍ اکثر من مسجد واحد لا قامة الجمعة ولو جاز اقامتها فی موضعین جاز فی اکثر ذالك فیودی الی القول بان یصلی اهل کل مسجد فی مسجدهم واحد لا یقول بذالك وفی تجویز اقامة الجمعة ، فی موضعین فی مصر واحد تقلیل الجماعة واقامة الجمعة من اعلام الدین فلا یجوز القول بما یودی الی تقلیلها ۔

ان میں سے کسی نے بھی ایک شہر میں ایک جامع مسجد سے زیادہ نہ بنائی، اگر اقامت جمعہ ایک شہر میں دو جگہ جائز ہوتا تو دو سے زیادہ جگہوں میں بھی جائز ہوگا اور بالآخر یہ بات یہاں تک پہنچے گی کہ ہر ہر مسجد والے اپنی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے اور ایک شہر میں دو مسجدوں کے اندر نماز جمعہ جائز قرار دینا جماعت کی قلت کا باعث ہوگا۔ حالانکہ اقامت جمعہ دین کی نشانیوں سے ہے، لہٰذا ایسی بات کا قائل ہونا جائز نہ ہوگا۔ جو اس کی تقلیل جماعت کا باعث ہو۔

(مبسوط سرخسی باب الجمعہ ج ۱ صـ۱۲۰)

انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ تعددِ جمعہ کی شکل میں اقامتِ جمعہ کا مقصد اصلی فوت ہو جائے گا، کیونکہ جماعت میں انتشار پیدا ہو کر قلت پیدا ہو جائے گی، حالانکہ یہ دن شریعت نے اس لئے مخصوص کیا ہے کہ ہفتہ میں ایک بڑی جماعت جس میں سارا شہر شریک ہو، شعارِ دین کا عظیم الشان مظاہرہ کرے اور دینی و دنیاوی فوائد سے متمتع ہو۔

خیر القرون بلکہ قرونِ ثلثہ تک تعددِ جمعہ کا پتہ نہیں چلتا[۱]۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو تیسری صدی ہجری کے ہیں، انہوں نے اپنے زمانہ میں تعددِ جمعہ کا انکار فرمایا ہے۔

---

[۱] خطیب نے "تاریخ بغداد" میں لکھا ہے کہ اسلام میں تعددِ جمعہ کی بدعت کا موجد اول معتضد ہے، اسی کے زمانہ میں پہلے پہل قدیم جامع مسجد کے علاوہ ایک دوسرا جمعہ دار الخلافت میں قائم کیا گیا، مگر یہ جمعہ بغیر مسجد بنائے ادا کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۸۰ھ کا ہے۔ باضابطہ مسجد تعددِ جمعہ کے لئے مکتفی کے زمانہ میں بنی۔

(اصلاح المساجد للقاسمی صـ۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ تعدد جمعہ میں نقل کیا ہے :-

ذکر الاثرم من احمد انہ قال لا اعلم بلد ا من بلاد المسلمین اقیمت فیہ الجمعتان اذا تقرر ھذا و احد من القرن الثالث ظھر ان خیر القرون لم یقع فی زمانھم التعدد (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد ثانی ص۱۴۱)	اثرم نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا " میں نہیں جانتا کہ مسلمانی شہروں میں سے کسی شہر میں بھی دو جمعے قائم کئے گئے ہوں " یہ جب ثابت ہو چکا اور یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمدؒ تیسری صدی کے ہیں پس معلوم ہوا کہ خیرالقرون میں تعدد جمعہ واقع نہیں ہوا۔

ائمہ اربعہ عدم تعددِ جمعہ کے حق میں اکثر علماء احناف اور دوسرے ائمہ کا قول بھی اسی کی تائید میں ہے کہ تعددِ جمعہ نہ ہونا چاہیئے، بعض تو بالکل ناجائز کہتے ہیں اور بعض اولیٰ اور احوط کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت جواز کی اور دوسری عدم جواز کی ہے۔ عدم جواز والی ہی روایت کو علمائے احناف میں امام طحاوی تمرتاشی اور صاحب مختار نے راجح قرار دیا ہے، ائمہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عدم تعدد کے قائل ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو راجح قرار دیتے ہیں۔ سُبکی شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کسی بھی صحابی یا تابعی سے ایک شہر میں تعددِ جمعہ ثابت نہیں[1]

مروجہ تعدد جمعہ تمام روایتوں پر پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ایک شہر میں (اگر اس میں دریا یا بڑی نہر نہیں ہے تو) صرف ایک ہی مسجد میں جمعہ بڑی حد تک ضروری ہے اور اگر ایسا دریا شہر میں ہے جو ادھر سے اُدھر ہونے میں مانع ہے یا اتنی بڑی آبادی ہے جہاں ایک مسجد میں نہ گنجائش ہو سکتی ہے اور نہ آنا آسان

ع انہی (سُبکی) کا بیان ہے کہ تعددِ جمعہ کی بدعت مصر و شام میں بہت بعد میں آئی ہے۔ قاہرہ میں دوسرا جمعہ ملک ظاہر کے زمانہ میں قائم ہوا ہے جس کی مخالفت اس وقت قاضی القضاۃ تاج الدین نے کی تھی اس سے پہلے ایک ہی جگہ جمعہ کی تمازت ہوتی تھی اور شہر دمشق میں تو فتح عمرؓ سے لے کر رمضان ۵۶۲ھ تک ایک ہی جمعہ ہوتا رہا ہے۔

(اصلاح المساجد للقاسمی ص۹۴)

[1] فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص۱۴۱ و درالمنار جلد اول ۱۲

ہے تو دو جگہ نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے، باقی آج کل جیسا تعدد جمعہ مروج ہے وہ کسی درجہ میں بھی اصول شریعت کے قریب نہیں، مروجہ تعدد جمعہ کے جواز کی بحث میں دخل انداز ہونے کی چاہے گنجائش نہ ہو مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ طریقہ اقامت جمعہ کے بنیادی منشا اور اس کی روح کے خلاف ہے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جمعہ کے دن معذورین (مسافر، مریض وغیرہ) کا مصر میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، اس کی وجہ علماء نے جو لکھی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت جمعہ میں اختلال کا اندیشہ ہے۔ مولانا بحر العلوم جو خود تعدد جمعہ کے قائل ہیں مگر یہ بھی معذورین کی جماعت ظہر کو غیر دیہات میں مکروہ لکھتے ہیں اور وجہ کراہت جو بتاتے ہیں وہ یہ ہے:-

لان الجمعة جامعة للجماعات	نماز جمعہ ایک شہر کی مختلف جماعتوں کو یک جا
فی المصر ولو صلی المعذورون	کرنے والی ہے اور معذورین باجماعت نماز پڑھیں
بالجماعة عسیٰ ان یدخل غیرهم	گے تو ممکن ہے غیر معذور بھی ان کے شریک ہو جائیں
فیختل جماعة الجمعة (ارکان ص۱۱۰)	پس اس طرح جماعت جمعہ میں اختلال پیدا ہو جائیگا

سوال یہ ہے کہ جب جماعت جمعہ کا اس قدر لحاظ ہے تو پھر خود جمعہ کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کیونکر قرین اصول ہو سکتا ہے۔

قیامت کی یاد جب اتنی بات سمجھ میں آگئی تو اب جامع مسجدوں کے نظام پر غور فرمائیں کہ کیونکر ہفتہ میں ایک مخصوص دن، ایک وقت میں ہر ہر جگہ کے مسلمان اپنی اپنی جامع مسجد میں یکجا ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی پوری شان و شکوہ کے ساتھ ادا کریں گے اور پھر اس اجتماع کو کیا حیثیت حاصل ہو گی۔

علامہ ابن القیمؒ اجتماع جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"بلاشبہ جمعہ لوگوں کے جمع ہونے اور ان کو مبدا و معاد یاد دلانے کا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے ہفتہ میں ایک دن بنایا ہے جس میں وہ عبادت کے لئے ہر کام سے علیحدہ ہوتے ہیں اور جمع ہو کر مبدا و معاد اور ثواب و عقاب

کو یاد کرتے ہیں اور اس اجتماع سے اس بڑے اجتماع کی یاد تازہ کرتے ہیں جو پروردگارِ عالم کے روبرو ہوگا اور یہ مسلّم ہے کہ اس مقصد کے لئے دنوں میں وہ دن مناسب تھا جس میں ساری مخلوق جمع کی جائے گی اور وہ جمعہ کا دن ہے لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اس دن کی فضیلت و شرافت کے پیشِ نظر اس اُمت کے لئے اسی دن کو یہ فخر عطا کیا اور اپنی بندگی کے لئے اس دن میں ان کا اجتماع مشروع فرمایا اور اسی کو اس کی شرافت کی وجہ سے مقدر فرمایا، پس یہ دن شرعی طور پر دنیا میں جمع ہونے کا دن ہے اور قدر و منزلت کے لحاظ سے آخرت میں۔ (زادالمعاد باب الجمعۃ)

قیامت کے دن حشر میں جو اجتماع ہوگا وُہ بھی جمعہ ہی کا دن ہوگا، اسی لئے یقینی طور پر مردِ مومن کا ذہن جمعہ کے اجتماع سے بڑے دن کے اجتماع کی طرف جائیگا اور پھر ساتھ ہی وہ سارے حالات جو میدانِ حشر میں پیش آنے والے ہیں ایک ایک یاد آئیں گے اور اپنے اعمال و اخلاق کا نقشہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھوں میں پھر جائے گا اور اس سے یقینی طور پر قلبِ مومن متاثر ہوگا۔

پند و نصیحت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم شاید اسی وجہ سے کبھی کبھی نمازِ جمعہ میں سورۂ جمعہ تلاوت فرماتے تھے جس میں نمازِ جمعہ کے لئے تاکیدی حکم ہے، سعی الی الجمعہ کا وجوب ہے اور ان تمام امور کے ترک کا حکم ہے جو نمازِ جمعہ اور اجتماعِ جمعہ کی شرکت سے مانع ہو سکتے ہیں پھر ذکر اللہ کی کثرت پر بھی زور دیا گیا ہے، تاکہ یہ صلاح و فلاح دارین کا ذریعہ بن سکے اور کامیابی سے ہمکنار کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونا باعثِ ہلاکت ہے اور آپ دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھتے تھے جس سے غالباً آپ کا منشا یہ تھا کہ اُمت کو نفاق سے ڈرائیں جو دینی و دنیاوی تباہی بربادی کا سرچشمہ ہے۔ نیز اُمت کو اس بات پر متنبہ کرنا مقصود تھا کہ مال، اولاد، اور دنیا کا لالچ تم کو نمازِ جمعہ اور اللہ کی یاد سے خبردار کہیں روک نہ دے، اور آخر میں موت کی یاد تازہ کراکے اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے موانع سے

ہشیار کرنا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے یہیں کر لو، وہاں اس کا موقع نہیں ہے، بعد موت ساری تمنّا اور آرزو بے سود ہو گی۔[1]

پورا شہر ایک امام کے پیچھے | پھر اس ہفتہ وار اجتماع میں پنج وقتہ جماعت کے فائدوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ چند مسجدوں کی جماعتیں ایک مسجد میں سمٹ آتی ہیں اور سب کے سب صرف ایک امام کی پیروی کرتے ہیں گویا یہ امام پورے شہر کا امام ہوتا ہے اور آج اس کی ہر حرکت و سکون کی پوری پوری مطابقت کی جاتی ہے، یہ امام اس دن ایک بلیغ خطبہ دیتا ہے جس میں حمد و ثنا کے بعد قرآن و احادیث پاک روشنی میں فرائض اور ذمہ داریوں کی یاد دہانی کی جاتی ہے۔ امام شہر کی سیاسی و دینی رہنمائی کرتا ہے اور ہفتہ بھر کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تذکرہ کرتا ہے اور خیر القرون کی یاد تازہ کراتا ہے اور اس طرح اس دور کے احیائے کے لئے اُبھارتا ہے۔

تبلیغ و اشاعت کی اہمیت | یہی وجہ ہے کہ خطبہ کا سُننا واجب قرار دیا گیا ہے امام جہاں خطبہ دینے کی نیت سے نکلا، دنیا کی ساری باتیں باعثِ گناہ ہو گئیں، جن امُور کی اجازت تھی وُہ بھی شرعی طور پر اب باقی نہیں رہی، کوئی بھی کچھ بول نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ نفل و سنّت پڑھنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت	اگر امام کے خطبہ دیتے وقت تونے اپنے کسی بھائی سے یہ کہا کہ چُپ رہو تو یہ بھی تُونے ایک لغو کام کیا۔
(بخاری باب الانصات یوم الجمعۃ)	

اندازِ خطابت | گویا امام کے سوا کسی اور کو یہ حق نہیں کہ کچھ بولے، یا امر بالمعروف کرے، یہ ساری چیزیں صرف امام ہی کے لئے اس وقت مخصوص ہوتی ہیں۔ خطیب، قوم کا بہتر بن شخص ہو گا۔ اس پر اثنائے خطبہ میں ایسی کیفیت طاری ہو کہ اُس کی زبان سے جو بات نکلے، اثر میں ڈوبی ہوئی ہو، تاکہ قوم کے قلب و جگر پر تیر کی طرح وہ

[1] زاد المعاد، جلد اول ص۱۱۸

بات لگتی چلی جائے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ خطابت اس دن اسی انداز کا ہوتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلی صوتہ واشتد غضبہ حتیٰ کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم ویقول بعثت انا والساعۃ کھاتین ویقرن اصبعیہ السبابۃ والوسطیٰ (مسلم کتاب الجمعۃ ج ۱ ص ۲۸۴)	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند اور لب و لہجہ میں شدت پیدا ہو جاتی، معلوم ہوتا، آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ وہ لشکر اب صبح و شام میں ٹوٹ پڑنے والا اور فرماتے کہ قیامت اور میرے درمیان بس اتنا فرق ہے جتنا شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان ۔

امام کی ظاہری ہیئت اس دن امام کی ظاہری ہیئت بھی ذرا عمدہ اور نمایاں ہونی چاہیئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتبِ حدیث میں اس طرح کی باتیں ملتی ہیں حضرت عمرو بن حریث کا بیان ہے :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ یوم الجمعۃ (مسلم)	جمعہ کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ ارشاد فرماتے جس کے دونوں کنارے آپ کے شانوں کے درمیان لٹکتے ہوتے۔

سامعین کا لحاظ جمعہ کے دن جو مستحباب و مسنونات ہیں، اُن کو سامنے رکھ لیجئے تو اجتماع کی شان و شوکت اور بھی نمایاں ہو گی۔ غسل، مسواک، خوشبو حتی المقدور، اچھا لباس وغیرہ وغیرہ۔ پھر امام کو ہدایت ہے کہ خطبہ ایسا دے کہ سامعین پورے کیف و نشاط کے ساتھ سُنیں، ان کے جوش و انبساط میں کوئی فرق نہ آئے، ارشادِ نبوی ہے :-

ان اطول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ منبۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ و اقصروا الخطبۃ وان من البیان	مرد مومن کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے پس نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر اور بلا شبہ بعض

سحرا (مسلم کتاب الجمعۃ ج ا ص ۲۸۶) بیان جادو ہے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ضرورت کے وقت بھی اختصار سے کام لیا جائے جس سے ضرورت پوری نہ ہوسکے۔ بلکہ امام کو ضرورت کے وقت اس کا اختیار ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی تھا، کبھی خطبہ کو طول دیتے اور کبھی اختصار سے کام لیتے۔ جیسی ضرورت محسوس فرماتے۔ علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:۔

وکان یقصر خطبتہ احیانا و یطیلھا احیانا بحسب حاجۃ الناس (زاد المعاد ج ا ص ۴۷)

جیسی لوگوں کی ضرورت ہوتی اُسی کے مطابق آپؐ خطبہ دیتے کبھی مختصر اور کبھی لمبا۔

امام کی توجہ خطبہ میں اس کا بھی لحاظ رہے کہ امام خطبہ دیتے ہوئے کھڑا رہے، اور اس کا رُخ قوم کی طرف ہوتا، تاکہ امام کی طرف قوم کا رجحان باقی رہے اور اُس کی باتیں قوم کو متاثر کرسکیں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

وکان یخطب قائما و اذا صعد المنبر اقبل بوجھہ علی الناس (زاد المعاد ج ا ص ۴۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور منبر پر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔

اس طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ امام (خطیب) محض اپنے جسم ہی سے قوم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو دلی اور روحانی توجہ بھی قوم پر رکھنی چاہیئے۔

قبولیتِ دعا کی گھڑی جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعائیں خصوصیت سے مقبول بارگاہ ہوتی ہیں، حدیث کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے اُس گھڑی میں مومن کی دُعا رد نہیں کی جاتی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم وھو یصلی یسأل اللہ شیئا الا عطاہ اشار بیدہ یقللھا۔ (مسلم کتاب الجمعۃ ج ا ص ۲۸۱)

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں مرد مسلمان نماز پڑھے اور اپنے اللہ سے کسی چیز کی درخواست کرے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز اُسے عطا کرے گا، مگر وہ گھڑی مختصر ہوتی ہے۔

یہ ساعت استجابت باقی ہے یا اُٹھا لی گئی ؟ ہر جمعہ میں یہ ساعت آتی ہے یا کسی خاص میں۔ اس باب میں مختلف اقوال ہیں مگر جو صحیح مذہب ہے وُہ یہ ہے کہ یہ ساعت استجابت (قبولیت کی گھڑی) باقی ہے اور ہر جمعہ میں آتی ہے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ وُہ کون سی گھڑی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس باب میں، بیالیس اقوال نقل کئے ہیں اور پھر ہر ایک قول کا ماخذ اور اس کی دلیل بھی لکھی ہے مگر راجح یہی ہے کہ اس قبولیت کی گھڑی کو چھپا لیا گیا ہے، کوئی خاص گھڑی متعین نہیں ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اس گھڑی کی تلاش و جستجو میں ہمیشہ ہر جمعہ کو پورے دن رغبت سے عبادت میں مصروف رہے۔

نماز جمعہ کی تاکید انہی خصوصیات کی وجہ سے نماز جمعہ کی سخت تاکید ہے اور با جماعت نماز کا حکم ہے جمعہ کی انفرادی نماز سرے سے جائز ہی نہیں ہے البتہ جو لوگ معذور و مجبور ہیں وُہ بجائے جمعہ ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں، قرآن میں اس نام سے ایک مستقل سورہ موجود ہے اس میں یہ آیت بھی آئی ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ (جمعہ ۲)	اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب اس کی نماز کے لئے تم کو پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

حدیث میں مختلف پیرایہ سے اس کی اہمیت ذہن نشین کی گئی ہے یہاں صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں :۔

الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الّا علی عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض (ابوداؤد)	ہر مسلمان مرد پر جمعہ کی جماعت ایک ضروری حق ہے۔ البتہ چار پر نہیں۔ غلام، عورت، بچہ اور بیمار۔

ترکِ جمعہ و جماعت کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :۔

سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر

يقول على اعواد منبره لينتهين اقوام
من ودعهم الجمعات او ليختمن الله
على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين
(مسلم کتاب الجمعۃ ج ۱ ص ۲۸۴)

فرماتے ہوئے سُنا کہ یا تو لوگ جمعوں کے
ترک سے باز آئیں گے یا پھر اللہ تعالے
اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر البتہ
وُہ غافلوں میں ہو جائیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے جو ابو داؤد میں ہے کہ جو شخص سستی کی وجہ سے تین جمعہ ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے، مسلم شریف کی ایک حدیث میں آیا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز میں نہیں آتے جی چاہتا ہے اُن کو پھونک ڈالوں[1] علامہ ابن القیم نے انہی حدیثوں کے پیشِ نظر لکھا ہے کہ "جمعہ کی نماز فرائضِ اسلام میں موکد تر ہے اور اس کا اجتماع عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے، اتنا عظیم الشان کہ عرفہ کے بعد فرض اجتماع یہ ہی ہے جو اس کی شرکت محض اپنی سستی و دنیا طلبی کی وجہ سے ترک کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر غفلت کی مہر لگا دیں گے، اُس کا رتبہ اعلیٰ ہے اور اتنا اعلیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی قربت اور سب سے اوّل اس کا دیدار ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو جمعہ کے دن امام کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور سویرے جامع مسجد حاضر ہوتے ہیں[2]

یہ سب تاکید اسی لئے ہے کہ جامع مسجدوں کا قدرتی نظام ہمیشہ مضبوط بنیاد پر قائم رہے اور ان کے اجتماعوں سے جو بھی دینی و دنیاوی فائدے ہو سکتے ہیں۔ فرزندانِ توحید اس سے پورے طور پر مستفید ہوتے رہیں اور غفلت، کاہلی اور بے رغبتی وغیرہ ان میں اثر پذیر نہ ہو سکے۔

ایک عام فائدہ شروع میں عرض کر آیا ہوں کہ جمعہ کے اجتماع میں شہر کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں، علماء و صوفیاء، رؤسا، تجار، غرباء، فقراء مختصر یہ کہ ہر شعبۂ زندگی کے تقریباً ماہرین ہوتے ہیں، ہر ایک دوسرے کو عبرت و بصیرت کی نظر سے دیکھیں گے، کسی کو تعلیم اور علوم و فنون کی اشاعت کی فکر ہو گی، کسی کو تزکیۂ

[1] مسلم باب التلوٰۃ الجماعۃ ج ۱ ص ۲۳۲ [2] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۲

قلوب اور روحانی اصلاح کی ضرورت محسوس ہو گی۔ کوئی مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی کا جائزہ لے گا، کوئی پست خیال افراد کی ترقی کی اسکیم بنائے گا اور کچھ لوگوں میں کسب حلال کی اُمنگ پیدا ہو گی، گویا یہ سارے طبقے مل کر ہر ہفتہ اور کچھ نہیں تو مسلمانوں کی اصلاح کا احساس تو ضرور ہی اپنے اندر پیدا کر دیں گے اور ہر قلب پر ایک چوٹ سی لگے گی۔

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے نام سے

اس ہفتہ وار اجتماع کے علاوہ سال میں دو مخصوص اجتماع اور بھی ہُوا کرتے ہیں۔ ایک کو عید الفطر کہتے ہیں اور دوسرا عید الاضحیٰ کے نام سے موسوم ہے، اُن کا نظام "عیدگاہ" کے نام سے قائم ہے اس کو مسجدوں سے بڑا گہرا تعلق ہے اور یہ مسجدوں کے نظام سے الگ نہیں کہا جا سکتا، عیدگاہ بہت سے شرعی احکام میں مسجد کے تابع ہے اور اس سے بڑھ کر کہ عموماً یہ اجتماع مسجد میں بھی ہوتا رہتا ہے، فرق یہ ہے کہ یہ پنج وقتہ نمازوں میں داخل نہیں بلکہ علیحدہ ہے اور سال میں یہ دو نمازیں روزانہ نماز سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں۔ شریعت میں ان نمازوں کو وجوب کا درجہ حاصل ہے، اسی وجہ سے اس کے لئے نہ اذان ہوتی ہے نہ تکبیر بقیہ شرائط تقریباً وہی ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں۔

یہ اجتماع ہفتہ وار اجتماع کی نسبت سے ذرا شاندار ہوتا ہے، اس میں اہتمام کچھ زیادہ ہوتا ہے اور عموماً اس کی ادائیگی بجائے مسجد کے باہر میدان میں ہوتی ہے۔ ایک میں صدقہ فطر کا حکم ہے اور دوسرے میں "قربانی" کا جس سے غربا رفقرا کی تھوڑی بہت امداد ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ بھی اس مسرت میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔

ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر جب غور کیجئے تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس موقع سے جہاں اور بہت سے فائدے اور مصالح مقصود ہیں وہاں شکوہ اسلام اور شوکت مسلمین کا اظہار بھی ہے اور غالباً اسی وجہ سے حکم ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور واپسی دوسرے راستہ سے ہو، بلکہ ایک میں تو بآواز بلند تکبیر کا بھی حکم ہے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی مندرج ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر عورتوں کے اجتماع کا بھی حکم دیا ہے حتیٰ کہ ان عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم ہے جو نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ اس کی وجہ بعض علماء یہی بتاتے ہیں کہ شوکتِ اسلام میں اس سے بڑی حد تک اظہارِ شان و شکوہ تھا اور اب چونکہ یہ ضرورت اس پیمانہ پر باقی نہیں رہی اس لئے عورتوں کا اجتماع ناپسند کیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ تو اب بھی اس موقع پر خروجِ نساء کے قائل ہیں۔ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اجتماعِ عیدین کی اہمیت ان اجتماعِ عیدین سے بھی خیر القرون میں کام لیا گیا ہے اور آج بھی ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم دین کی ان حکمتوں سے واقف نہیں اور یہ کہ اس اجتماع سے کام لینا چھوڑ دیا، آج بھی اگر اربابِ فضل و کمال اس طرف توجہ کریں تو ان اجتماع سے ایک بڑی کانفرنس کا کام لیا جا سکتا ہے، دین کی باتوں کی اشاعت بسہولت ہو سکتی ہے، بہت سے ان مسلمانوں کو جو دین سے ناآشنا ہیں، انہیں دین کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

بہرحال آج ہم اپنی غفلتوں کی وجہ سے جو بھی کریں مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجتماعِ دینی سے بڑا کام لیا۔ تبلیغ و اشاعت میں اُن سے آپ کو بڑی مدد ملی ہے، جہاد جیسا اہم کام بھی اس موقع سے آپ نے انجام دیا ہے، بلکہ حدیث میں اس کا کچھ خصوصیت سے ذکر ملتا ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:-

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شئ یبدأ بہ الصلوٰۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم ویأمرھم و

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عیدگاہ تشریف لاتے، سب سے پہلے نماز ادا فرماتے، پھر فارغ ہو کر لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور لوگ اپنی جگہ بیٹھے ہوتے ان کو نصیحت فرماتے اور تاکیدی حکم دیتے اگر لشکرِ اسلام کی روانگی کا ارادہ ہوتا تو اس کو روانہ فرماتے، یا کسی ضروری

ان کان یرید ان یقطع بعثاً قطعہ او یامر بشیئ امر بہ ثم ینصرف	کام کا انجام دینا ضروری ہوتا تو اس کے متعلق حکم نافذ فرماتے، پھر واپس ہوتے۔

(بخاری باب الخروج الی المصلی)

ملکی اور دینی کام یہ حدیث کتنی واضح ہے، الفاظِ حدیث میں اس اجتماع کے مہتم بالشان ہونے پر کس قدر زور معلوم ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا عظیم الشان مصرف لیا، مجاہدین کی روانگی کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے، کاش اس سے ہم سبق حاصل کریں اور ملکی یا دینی جس طرح کا کام درپیش آئے اس سے مدد لیں، اسوجہ سے اور بھی کہ اس طرح کا اجتماع آج کل آسان کام نہیں اور غالباً اسی حکمت کے پیش نظر عید کا خطبہ نماز کے بعد رکھا گیا ہے کہ باطمینان تبلیغ و اشاعت دین کا کام انجام پا سکے، بخلاف جمعہ کے کہ وہ نسبتہً جلد جلد ہوتا ہے۔ خطبہ نماز سے پہلے رکھا گیا ہے بلاشبہ یہ بھی بات ہے کہ جمعہ بعد نوافل و سنن ہیں جو عید بعد نہیں ہیں۔

عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکرؓ و عمرؓ یصلون العیدین قبل الخطبۃ	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ادا فرماتے۔

(بخاری باب الخطبہ بعد العید)

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بھی نصیحت فرماتے اور انہیں بھی اُن کے فرائض یاد دلاتے تھے۔ حدیث میں یہ واقعہ مصرح ہے ملاحظہ ہو۔

ثم اتی النساء فوعظهن و ذکرهن و امرهن بالصدقۃ فرأیتهن یهوین الی آذانهن و حلوقهن یدفعن الی بلال ثم ارتفع هو و بلال الی بیتہ (مشکوٰۃ [illegible])	(مردوں سے فارغ ہو کر) آپ عورتوں کے مجمع میں تشریف لاتے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور صدقہ دینے کی تلقین فرماتے راوی کا بیان ہے کہ میں عورتوں کو دیکھتا تھا کہ اپنے کانوں اور گردنوں کے زیورات پر جھک پڑتی تھیں اور حضرت بلالؓ کے حوالے کرتی تھیں۔ پھر آپ حضرت بلالؓ کے گھر تشریف لے گئے

مسجد حرام کا اجتماع عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر دنیائے اسلام کا عظیم الشان اور بے مثال اجتماع ہوتا ہے اور وہاں ہوتا ہے جو آنحضرت کا مولد ہے۔ جو مقام ابتدائے بنی آدم سے مرجع خاص و عام ہے جو عرش الٰہی کا سایہ اور اس کی رحمتوں کا قدیم مرکز ہے اور جس کو "سرۃ الارض" (ناف زمین) کی حیثیت حاصل ہے، یہ دنیائے اسلام کا شیرازہ ہے جس میں سارے فرزندانِ توحید بندھے ہوئے ہیں، چاہے وہ کسی گوشہ زمین کا باشندہ ہو اور جس نسل وخاندان سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اس نشاندہی سے بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ میری مراد مکہ معظمہ یا دوسرے لفظ میں مسجد حرام سے ہے جو روئے زمین کی پہلی مسجد ہے "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ"

اسلامی عالمگیر کانفرنس اسی مسجد حرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اول یوم سے یہ انسانوں کا مرجعِ عام رہی اور جب سے عالم میں اسلام کی نورانی کرنیں پھیلیں ہر سال یہاں دو اسلامی عالمگیر کانفرنس" ہوتی ہے جسمیں پورب سے لیکر پچھم اور اُترت لیکر دکھن تک کے اسلامی نمائندے شریک ہوتے ہیں اور ایک مقام اور ایک تاریخ میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں اور جمع بھی ہوتے ہیں، کس شان سے ہ کہ ان سب کی سرکاری زبان ایک ہوتی ہے، سب کی ظاہری ہیئت ایک سی ہوتی ہے، سب کی آواز اور پکار بھی تقریباً ایک ہی ہوتی ہے، یہاں ملک و قوم کا سوال مٹ جاتا ہے، نسب و نسل کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے، ایک رشتہ سارے رشتوں پر غالب ہو جاتا ہے مختصر یہ کہ سب ایک خاندان کے افراد بن کر جمع ہوتے ہیں۔

کون سا ایسا کام ہے جو اس عظیم الشان تاریخی اجتماع سے انجام نہ پا سکے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالمی مجلس سے بڑا کام لیا ہے، مکی زندگی میں بھی اور مدنی دورِ حیات میں بھی، اسی اجتماع کی برکت سے اول اول اسلام مدینہ منورہ پہنچا تھا، اور وہاں پہنچ کر پورے عالم پر چھا یا تھا۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس عالمی اجتماع سے کام لیا، سیاسی بھی اور دینی بھی اور صحابہ کرام کے بعد بھی ہر دور میں محدثین اور علما نے اس اجتماع سے فائدہ اُٹھایا جس کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے۔

اشاعت و تبلیغ کا موقعہ | آج بھی ہم اس اجتماع سے دینی اور دنیاوی فائدے حاصل کرسکتے ہیں، یہاں اشاعتِ دین کا بڑا اچھا موقع ہے۔ لوگ سب سے علیحدہ ہوکر صرف دین کے لئے جمع ہوتے ہیں اور سب سے کٹ کر ایک مقصد کے لئے دور دراز سے چل کر آتے ہیں، خدا کرے مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور "نظامِ مساجد" کے ان اہم شعبوں پر غور و فکر کرے۔ اسی مسجدِ حرام کے باب میں قرآن کا اعلان ہے "وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا" (بقرہ ۔ ۵) اور اسی کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشادِ ربانی ہوا تھا "وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ" (حج ۔ ۳)

دعوتِ اجتماع

اب تک جو لکھا گیا وہ نظامِ اجتماع اور نظمِ جماعت یا ان کی افادیت پر ہے، یہاں یہ بتانا ہے کہ اس قدرتی اجتماع کے لئے دعوت کیسے دی جاتی ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کے لئے بھی کس قدر دلنشین طریقہ مقرر کیا ہے، یہ نظامِ دعوت بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے اور یہ اپنے بیشمار فائدے کے پیش نظر تفصیل بحث کا متقاضی ہے۔

ضرورتِ اذان | نظامِ اجتماع میں یہ بات ہم ثابت کرچکے ہیں کہ جماعت کی نماز ہی کامل نماز کہی جاتی ہے اور قرآن پاک نے اسی نماز کا ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ بلاشبہ نماز کے وقت مقرر و متعین ہیں مگر وقت اتنا محدود نہیں کہ صرف اس میں وہی نماز ادا کی گئی اور وقت ختم ہوگیا، بلکہ ہر ایک نماز کا وقت کچھ نہ کچھ وسیع ہے، اس لئے اس کی ضرورت پڑی کہ کوئی ایسا ہو جو اس متعین وقت کے اس حصّہ کی خبر دے جس میں جماعت ہو گی اور اس طرح دے کہ محلہ بھر میں خبر پہنچ جائے۔

اذان کی ابتداء | چنانچہ اس مسئلہ پر پہلے پہل عہدِ رسالت میں مشورہ ہوا جس مجلس مشاورت میں صحابۂ کرام کے علاوہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی، کسی نے کہا کہ آگ روشن کر دی جائے، کسی نے نرسنگھا پھونکنے

کی تجویز پیش کی اور کسی نے ناقوس کا مشورہ دیا، آپ نے ان مشوروں میں سے کسی کو منظور نہیں فرمایا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک غیر کے طریقہ کی پیروی تھی۔ مجوس آگ جلاتے ہیں یہود نرسنگھا پھونکتے ہیں اور عیسائی ناقوس بجاتے ہیں، گویا اس مجلس میں کوئی بات طے نہ پا سکی[1] لوگ منتشر ہو گئے۔

اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے بھی نقل کیا ہے جس کے راوی عبداللہ بن عمرؓ ہیں لکھا ہے کہ مدینہ میں پہنچکر یہ مسئلہ زیر بحث آیا، لوگوں نے وہی تجویزیں پیش کیں جو گزریں، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ	کیوں نہیں بھیجدیتے کسی کو کہ نماز کے لئے
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	پکار دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ (مشکوٰۃ باب الاذان)	بلالؓ سے فرمایا، جاؤ نماز کے لئے آواز دے دو۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے ایک خواب دیکھا جس میں ان کو کلمات اذان و اقامت سکھلائے گئے، انہوں نے اپنا یہ خواب آنحضرت صلعم کی خدمت میں بیان کیا، آپ نے اس خواب کی تصدیق فرمائی، خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔ ناقوس فروخت کروگے، ناقوس والے نے مقصد دریافت کیا، انہوں نے کہا۔ نمازیوں کو بلاؤں گا اس نے کہا تم کہو تو اس کام کے لئے اس سے اچھی شکل بتا دوں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں ہے سکھا دو۔ اس مرد خدا نے اذان و اقامت کے کلمات مرتب طور پر بتا دیئے۔ یہ جب نیند سے بیدار ہوئے، آپ کی خدمت میں آئے، واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا "انہا لرویا حق ان شاء اللہ" خدا نے چاہا تو یہ خواب حق ہے۔ جاؤ بلالؓ کو جو تم سے اونچی آواز میں ان کو بتلاؤ اور وہ ان کلمات کو پکاریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرؓ اس آواز کو جب سنا اپنی چادر کھینچتے ہوئے حاضر ہوئے اور فرمانے لگے۔

یا رسول اللہ والذی بعثک بالحق	یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الاذان ص ۲ ج ۱ ص ۱۹

لقد رایت مثل ما اُری فقال	حق دے کر بھیجا، میں نے بھی وہی دیکھا جو ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کو دکھلایا گیا، یہ سُن کر آپ نے اللہ کا شکر ادا
فللّٰہ الحمد (مشکوٰۃ باب الاذان)	کیا۔

کلماتِ اذان کی حیثیت اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

> یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہُوا کہ اذان صرف اعلام اور آگاہی ہی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعائر دین میں ایک مستقل شعار بھی ہو، اس طرح سے جو لوگ غافل ہوں یا خبردار لیکن مسجد سے دُور رہتے ہیں، اُن کے سروں پر پکار دی جائے اور اس شعائر دین کی عزت و توقیر کی جائے اور جو جماعت اسے قبول کرے، اس کے متعلق یہ علامت قرار پا جائے کہ یہ دینِ الٰہی کے تابع اور اس کے منقاد ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ کلمات اذان ذکر اللہ اور شہادتین سے مرتّب ہیں اور ان میں ایسے کلمات بھی ہیں جن میں صراحتاً نماز کی طرف دعوت پائی جاتی ہے[1]

اذان کی تاریخ اذان کی ابتدا کب ہوئی؟ اس میں محققین علماء حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ دارالہجرت مدینہ منورہ میں ہُوئی، جیسا کہ اس طرف اشارہ اُوپر کی روایت میں گذر چکا ہے، قرآن کی جن آیتوں میں اذان کا ذکر ہے وُہ بھی مدنی ہی ہیں:-

وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ	اور تم جب نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وُہ
اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ	لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں اس
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ؕ	وجہ سے کہ وُہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں
(مائدہ ۔ ۹)	رکھتے۔

مفسرین نے شانِ نزول جو بیان کیا ہے اُس میں نصرانی یا یہودی کا نام لیا ہے

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۔ الاذان ج ۱ ص ۱۴۷ ؎[2] فتح الباری باب بدء الاذان۔

کہ وہ تمسخر کیا کرتے تھے۔ مدینہ کا جو نصرانی "اشہد ان محمدًا رسول اللہ" پر "قد حرق الکاذب" (جھوٹا جل جائے) کہتا تھا اس کا پورا گھر جل کر ہی مرا[1]

دوسری آیت یہ ہے اور یہ بھی مدنی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ الخ (جمعہ-۲)	اے ایمان والو! نماز کے لئے جب اذان پکاری جائے۔

اس کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، یہ بات البتہ تحقیق طلب ہے کہ اذان کی مشروعیت کیا صرف عبداللہ بن زیدؓ کے خواب ہی پر ہوئی؟ یا اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی بھی آئی۔ جواب یہ ہے کہ آپ کے پاس وحی بھی آئی اور وحی پیشتر آئی[2]

اذان کی عظمت اذان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شعارِ دین ہے جس کی وجہ سے دار، دار الاسلام کے حکم میں ہو جاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں اذان سُن لیا کرتے، رُک جاتے، حملہ نہیں کرتے، دوسرے یہ کہ یہ اذان شعبہائے نبوت سے ایک شعبہ ہے، اس لئے کہ اس میں ایک عظیم الشان عبادت اور ایک مہتم بالشان رکن کی طرف ترغیب پائی جاتی ہے، خیر متعدی اور اعلاء کلمۂ حق میں اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی ہے کسی اور چیز میں نہیں، اس میں شیطان کی سوزش بھی خوب ہے، اسی طرح حدیث میں اشارہ ہے کہ "ایک فقیہ شیطان کے حق میں ہزار عبادت گزار سے سخت ہے" اور جب نماز کے لئے اذان پکاری جاتی ہے تو شیطان بے تحاشا بھاگتا ہے[3]

اذان کو مسجد کے اجتماع میں بڑا دخل ہے اسی وجہ سے اس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعارِ دین میں داخل فرمایا ہے، حضرت انسؓ کا بیان ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُغیر اذا طلع الفجر وکان یستمع	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہوتی تو چھاپہ مارتے اور کان لگا کر اذان

[1] بیان القرآن ج ۳ ص ۴ بحوالہ ابن جریر وغیرہ [2] فتح الباری باب بدء الاذان [3] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹۱

الاذان فان سمع اذا نا امسك والا اغار رواه المسلم۔

سنتے ، اگر اذان سُن لیتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرتے۔ (مشکوٰۃ باب فضل الاذان)

انہی حضرت انسؓ کا ایک اور بیان ہے :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا غزا بنا قوما لم یکن یغزو بنا حتی یصبح وینظر الیھم فان سمع اذا نا کف عنھم وان لم یسمع اذا نا اغار علیھم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو لے کر غزوہ کے لئے نکلتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی اور اُن کو دیکھ نہ لیتے حملہ نہ کرتے ، اذان سُنتے تو رک جاتے اور نہیں سُنتے تو حملہ آور ہوتے (مشکوٰۃ باب الکتاب الی الکفار)

اذان شیطان کے لئے اذان چونکہ نمازیوں کے لئے مسجد آنے کی دعوت ہے اور شیطان اس کارِ خیر کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کو کوئی ادا نہ کرے اور وہ ہمیشہ وسوسہ کی فکر میں رہتا ہے ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اذان میں ایسی تاثیر رکھی ہے جس سے شیطان پناہ مانگتا ہے ، یہ اس پر بجلی کا اثر رکھتی ہے ، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں :۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الشیطان اذا سمع الندا ء بالصلوٰۃ ذھب حتی یکون مکان الروحاء (مشکوٰۃ فضل الاذان)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ، نماز کی اذان جب شیطان سنتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے تا آنکہ مکان روحا پر رُکتا ہے ۔

راوی نے اس روایت میں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مقام روحا۔ مدینہ سے چھتیس میل کی دُوری پر واقع ہے ، ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ اذان سُنتے ہی وہ پریشان اور گھبرا کر چلتا بنتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اذان نہ سُن سکے ، اذان جب ختم ہوتی ہے تو پھر پلٹ کر آتا ہے ، تکبیر کے وقت پھر چلتا بنتا ہے ، اس کے بعد آکر وسوسہ پیدا کرتا ہے اور بھولی ہوئی بات یاد کراتا ہے تا آنکہ تعداد رکعت میں نمازی احتمال میں پڑ جاتا ہے کہ کتنی رکعت ہوئیں [1]

[1] مشکوٰۃ باب الاذان

علمی بحث اور اس کا جواب اس حدیث کو نقل کر کے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک اعتراض کیا ہے اور خود ہی جواب دیا ہے۔ اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ شیطان اذان سے تو بھاگتا ہے مگر کیا وجہ ہے تلاوتِ قرآن اور نماز سے نہیں بھاگتا۔ حالانکہ ان دونوں کا درجہ نسبتاً بڑھا ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کلماتِ اذان میں ایک ایسی عظمت اور ہیبت رکھی ہے جو اس کو خوف زدہ اور مرعوب کر دیتی ہے، پھر اذان نماز سے کوئی علیحدہ چیز نہیں، بلکہ نماز کا مقدمہ ہے، ہاں اتنی بات البتہ ہے کہ اس میں عُجب و ریا نہیں بخلاف نماز و تلاوت قرآن کے کہ یہ دونوں اپنی غایت فضیلت کی وجہ سے آدمی کو عُجب و ریا میں ڈال دیتی ہیں جس سے شیطان کو وسوسہ کا راستہ مل جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اذان میں خاصیت رکھی گئی ہے[1]

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس سلسلہ میں مختلف جواب نقل کئے ہیں، چنانچہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیطان اس لئے اذان سے بھاگتا ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی نہ دینی پڑے، کیونکہ جو بھی مؤذن کی آواز سنتا ہے جن ہو یا آدمی مگر اس کو گواہی دینی پڑتی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اذان سے متنفر ہو کر بھاگتا ہے[2]

مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک مجرم جتنا تھانیدار یا سپاہیوں سے ڈرتا ہے، منصف اور جج سے نہیں ڈرتا۔ جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چور یا جو بھی مجرم ہوتا ہے وُہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہاں ذرا بات بگڑی پٹائی شروع ہو جائے گی، مگر کمرۂ عدالت میں یہ بات نہیں ہے وُہ قانون کے تحت میں فیصلہ کرے گا اور پھر اس پر عمل ہوگا، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اپنے عہدہ میں منصف اور جج تھانیدار اور سپاہی سے بہت اونچے عہدہ کا مالک ہے۔

اذان شعارِ دین ہے اذان اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے دین کا شعار قرار پائی اور ایسا شعارِ دین کہ اگر کوئی آبادی اُسے ترک کر ڈالے تو اس سے قتال اور جہاد کا شریعت حکم دیتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

---

[1] تعلیق اللمعات قلمی ج ۱ صہ [2] فتح الباری ج ۲ صہ ۵۸

ان الاذان شعائر الاسلام وانہ لا یجوز ترکہ وان اھل البلد اجتمعوا علی ترکہ کان للسلطان قتالھم علیہ (فتح الباری ج ۲ ص ۶)	بلاشبہ اذان شعار اسلام ہے اور اس کا ترک جائز نہیں ہے اور اگر اہل شہر اس کے ترک پر اجماع کرلیں، تو سلطان ان سے لازمی طور پر قتال کرے گا۔

ترکِ اذان پر قتال کا حکم بے وجہ نہیں ہے۔ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں:-

لما یلزم الاجتماع علی ترکہ من استخفافھم بالدین بخفض اعلامہ لان الاذان من اعلام الدین (فتح القدیر ج ۱ ص ۹۳)	ترکِ اذان پر اتفاق چونکہ اُن کی طرف سے دین کا استخفاف ہے اور دین کے عَلَم کو گرانا ہے، اس لئے کہ اذان دین کی نشانیوں میں ہے۔

ترکِ اذان باعثِ قتال ہے اور کھلی بات ہے جو دین کی نشانی کو مٹائے اور دین کی خست پر اُتر آئے اس کو دین سے تعلق اب باقی نہ رہا، لہٰذا وہ اسی قابل ہے کہ اُس پر اسلامی فوج ٹوٹ پڑے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اذان چھوڑنے کی صورت میں پہلے اہل شہر کو زدوکوب کیا جائے گا اور قید۔ اور ابھی جو نقل کیا گیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس پر اسلامی فوج بھیجی جائے گی۔ مطلب یہ ہے اگر وہ قبضہ میں ہوں اور دباؤ قبول کریں تو پہلے ضرب و حبس کو عمل میں لایا جائے گا اور خدانخواستہ اس پر بھی سرکشی پر قائم رہیں اور اذان کے حکم کو قبول نہ کریں تو پھر جہاد کرکے اس کو قبضہ میں لانے کی سعی کی جائے گی اور سزا دی جائے گی۔

فان المقاتلۃ انما تکون عند الامتناع وعدم القھر والضرب والحبس انما یکون عند قھرھم فجاز ان یقاتلوا اذا امتنعوا عن قبول الامر بالاذان ولم یسلموا انفسھم فاذا قوتلوا	مقاتلہ اس وقت ہے جب وہ حکم نہ قبول کریں دباؤ سے باہر ہوں اور دباؤ میں جب ہوں تو مار پیٹ اور قید کرنا ہے اور جب بات کے ماننے اور اذان کے دینے سے انکار کریں اور ماتحتی قبول نہ کریں تو قتال جائز ہے

02076

فظهر عليهم ضربوا وحبسوا	تنازل کے بعد سب غلبہ حاصل ہو گا، تو ان کو
(فتح القدیر ج ۱ ص۱۳۹)	پیٹا جائے گا اور قید کیا جائے گا۔

معلوم ہوا، اس شعارِ دین کو جو اگرچہ سنت مؤکدہ ہے، قائم و دائم رکھنا نہایت ضروری ہے اور اس کا ترک اجتماعی طور پر کسی وقت بھی جائز نہیں ہے۔

مؤذن کی حیثیت | جس شعارِ اسلام کی اہمیت کا یہ عالم ہے بلاشبہ جو ان کلمات کو رات دن ادا کرے گا اُس کا رتبہ بھی بلند ہو گا۔ بلال حبشیؓ کو تاریخ اسلام میں جو مرتبہ حاصل ہے اُس سے کون واقف نہیں، مگر یہ معلوم ہے وُہ کون تھے ؟ مسجد نبوی کے خاص مؤذن تھے۔ یہ جب کلماتِ اذان پکارتے تو آوازیں غضب کی تاثیر ہوتی، جو دلوں پر بجلی کا کام کرتی تھی، صحابۂ کرامؓ کی جماعت میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، مؤذن کی حیثیت ان حدیثوں میں ملاحظہ کیجیے :۔

المؤذن اطول الناس اعناقا يوم القيامة (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)	مؤذن قیامت کے دن لوگوں میں بلند گردن ہو گا۔
لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا انس ولا شئ الا شهد له يوم القيامة (بخاری)	جو بھی جہاں اذان کی آواز سنتا ہے جن ہو یا انسان یا کچھ اور مگر وُہ قیامت کے دن مؤذن کے لئے گواہی دے گا
المؤذن يغفر له مدى صوته و يشهد له كل رطب و يابس و له اجر مثل من صلى۔ (مشکوٰۃ)	جہاں تک آواز جاتی ہے مؤذن کے لئے وُہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ہر تر و خشک اس کی گواہی دیں گے اور اس کو نمازی کے برابر اجر ملے گا (جو اسکی آواز پر آئے ہیں)

مؤذن جس طرح اذان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کا ترانہ گاتا ہے، اسی طرح کا اس کو اجر بھی ربّ العزت مرحمت فرمائیں گے کہ قیامت کے دن یہ تمام پر بلند ہو گا، اس کو امتیازی شان حاصل ہو گی، اور وُہ ساری کائنات جس نے اُس کی آواز سن لی ہے، اس کے حق میں گواہی دے گی، یہ وُہ اجر ہے

جو حدیثوں میں مذکور ہے اور شاید اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ بھی عظیم الشان بدلہ عطا کرے گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لو یعلم الناس ما فی النداء	صفِ اوّل اور اذان دینے کی فضیلت
والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان	لوگوں کو معلوم ہو جائے تو قرعہ کی نوبت
یستھموا علیہ لاستھموا (رواہ البخاری ومسلم ومشکوٰۃ)	آئے تو بھی حاصل کریں ۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر مؤذن نے حسبۃً للہ خوشنودیِ الٰہی کی خاطر کچھ دنوں مسلسل اذان دی تو اس کو دوزخ کی آگ سے خلاصی مل جائے گی ۔

من اذن سبع سنین محتسباً کتب	حسبۃً للہ جو شخص سات سال اذان دے گا
لہ براءۃ من النار (مشکوٰۃ)	اس کیلئے دوزخ سے برأت لکھ دی جائے گی ۔

اذان پر اُجرت اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اذان پر اُجرت قبول نہ کرنی چاہیئے حدیث میں صراحتہً بھی آیا ہے کہ مؤذن اُس کو رکھو جو اذان پر اُجرت نہ لے[1]

یہیں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اذان کی اُجرت کے متعلق فقہاء اور علماء کا کیا فیصلہ ہے اور اسی کے ضمن میں امام کے مشاہرہ کے متعلق بھی بات طے ہو جائے۔

مؤذن کے متعلق ابھی گذرا کہ ایسا ہو جو اپنا بدلہ خدا سے چاہتا ہو، آدمی سے نہ وصول کرے اور اسی پر آگ سے برأت کی خوشخبری ہے ۔

متقدمین نے عبادات پر اُجرت کی اجازت نہیں دی ہے اور متاخرین نے حالات کے پیشِ نظر اجازت دی ہے، دونوں جماعتیں اپنے زمانہ کے حالات و واقعات سے متاثر ہیں، کوئی شبہ نہیں کہ متقدمین کا فیصلہ مشکوٰۃِ نبوت کی روشنی میں زیادہ انسب ہے مگر دین سے جب بے رغبتی بڑھ گئی اور علماء نے دیکھا کہ اُجرت کی اجازت نہیں دی جاتی تو رہا سہا دین بھی جاتا رہے گا۔ دوسرے معاوضہ کی شکل بڑی حد تک جواز کے حدود میں آتی ہے، تو اجازت دے دی ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے اس پر

[1] ابو داؤد باب اخذ الاجر علی التاذین ۱۲

ایک جامع تحریر لکھی ہے، فرماتے ہیں :-

"امامت، اذان اور خطبہ دینے پر اُجرت قبول کرنے میں علما کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے یہ سب امور عبادات میں داخل ہیں اور عبادات پر معاوضہ ثواب کے لئے مُبطِل (ضائع کردینے والا ہے) لہٰذا جائز نہیں ہو سکتا، دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ان خاص عبادات (نفسِ عبادت) پر اُجرت نہیں لی جاتی ہے بلکہ یہ اُجرت تو اس لئے ہے کہ ان کو مخصوص مقام اور متعین وقت میں بہ پابندی ادا کرایا جاتا ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ جگہ اور وقت کی خصوصیت عبادت نہیں ہے اور نہ یہ شرطِ عبادت میں داخل بلکہ یہ بالکل خارج چیز ہے۔ لہٰذا اُجرت اس پابندی پر جائز ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سابق زمانہ میں ائمہ، مؤذنین اور خطیب ان کاموں کو حسبۃً للہ انجام دیتے تھے، چنانچہ یہ کام قاضی، مفتی، محتسب اور عامل بھی کرتے تھے اور لوجہ اللہ کرتے تھے۔ خلفائے راشدین اور منصف سلاطین نے دیکھا کہ ایک جماعت نے اپنی خدمت ان عبادات کے لئے وقف کر رکھی ہے تو ان کے لئے بقدر معاش بیت المال سے وظیفہ جاری کر دیا، جو بطور امداد و اعانت جاری ہوا معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہ ہوا تھا، لیکن بتدریج یہ شعبہ بھی شعبۂ معاش بن گیا اور امداد و اعانت معاوضہ اور اُجرت میں تبدیل ہو گئی، اسی وجہ سے یہ ذریعہ معاش اس موجودہ دَور میں مشکوک بلکہ قریب بہ حرمت ہے، حتی المقدور اس سے احتراز لازم ہے"[1]

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات لکھی ہے اس کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اب بھی معاوضہ اور اُجرت کے نقطۂ نظر سے نہ دے بلکہ امداد و اعانت کے طور پر دیا جائے تو جائز ہے مگر حالات کے پیشِ نظر احتراز اولیٰ ہے۔

علامہ ابن عابدین رد المحتار میں لکھتے ہیں :-

---

[1] تفسیر عزیزی (فتح العزیز) پارہ اوّل صہ۲۹

"اگر اذان و امامت وغیرہ کی وجہ سے امام و مؤذن وغیرہ دوسرے ذریعہ معاش سے محروم ہے تب تو اس کو بقدر ضرورت لینا جائز ہے اور اگر یہ ذمہ داریاں دوسرے ذریعہ معاش میں حارج نہیں ہیں تو مشاہرہ قبول نہ کرنا چاہیئے"[1]

موجودہ دور میں اذان اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ مؤذن کو حتی الوسع اُجرت سے بچنا چاہیئے، مگر کیا کیا جائے ہمارے زمانہ میں اذان دینا کسرِ شان ہے، بڑے لوگ اذان دینے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو بامشاہرہ موذن کی نوبت ہی نہ آتی، خوش حال لوگوں نے دین غریبوں کو بخش دیا ہے اور خود بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں، جس اذان اور اذان دینے والے کی اتنی عظمت ہو، دین کے ماننے والے اس کو عار سمجھیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حالانکہ یہ وُہ مرتبہ ہے جو پہلے زمانہ میں بڑے بڑے علما اور ذی ثروت اصحاب نے بخوشی قبول کیا ہے اور اسی میں اپنی پوری زندگی گذا دی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بحث ہے کہ اذان دی یا نہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ نے خود بھی اذان دی ہے اور ترمذی کی روایت اس کی شہادت میں پیش کرتے ہیں، اس جماعت میں نووی اور سُہیلی جیسے بزرگ ہیں۔ اگرچہ صحیح یہی ہے کہ آپ نے بذاتِ خود اذان نہیں دی ہے۔ ترمذی کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے حکم سے بلالؓ نے اذان دی، مسندِ احمد میں یہ واقعہ مُصَرّح ہے[2]۔ پھر بھی یہ بات تو نہیں ہے کہ آپ نے مؤذن کے لئے فضائل نہ بیان کئے ہوں، بلکہ دُعا فرمائی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ　　اے اللہ امام کو رشد و ہدایت عطا فرما اور مؤذن کو بخش دے۔

(ابوداؤد باب مایجب علی المؤذن)

اور موذن کے رتبہ کا بیان خود آپ کی زبان مبارک سے پہلے گذر چکا۔

اذان کا جواب اس مرتبہ کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام نے یہ پسند نہ کیا کہ کوئی اس سے محروم رہے بلکہ سب اس کا ثواب حاصل کرلیں اور اپنی زبان سے دہرا کر ہدایت الٰہی کے

[1] ردالمحتار ج ۵ ۔ [2] شرح سفر السعادت ص۲۴ و اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۱۲۷

قبول کرنے کا اقرار کر لیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات کو دہرانے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو دل سے ان کلمات کو دہرائے گا جنت میں داخل ہو گا[1]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت بلالؓ نے کھڑے ہو کر اذان پکاری، جب اذان ہو چکی تو آپ نے فرمایا

من قال مثل هٰذا يقيناً دخل الجنّة (مشکوٰۃ باب الاذان) — جو یقین کے ساتھ اس طرح کہے جنت میں داخل ہو گا۔

اذان کے بعد دعا اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو اذان سن کر دہرائے پھر اس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھے اس کیلئے بڑا درجہ ہے اور امید ہے کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا[2]

اذان کے تمام کلمات تو ہو بہو وہی کہے جا دیں گے، صرف حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے گا اور صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں سننے والا "صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ" کہے گا۔

یہ جواب ہر وہ شخص دے گا جس کے لئے کوئی مانع شرعی نہ ہو جیسے پاخانہ میں نہ ہو، جماع نہ کرتا ہو، پیشاب کرتا نہ ہو اور اسی طرح نماز میں نہ ہو، وغیرہ وغیرہ جب اس سے فارغ ہو کر پاک ہوئے تو کہہ سکتا ہے۔ معذورین میں خطبہ سننے والا، تعلیم و تعلم میں مشغول، کھانا کھانے والا، حیض و نفاس میں مبتلا عورت بھی داخل ہے، ان پر جواب واجب نہیں۔

کلمات اذان کی طرح اقامت (تکبیر کے کلمات) بھی دہرائے جا سکتے ہیں، وہاں قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں کہا جائے گا۔ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا[3]

آپ نے دیکھا کلماتِ اذان و اقامت کی کتنی فضیلت ہے اور ان کلمات پر غور کیجئے تو ان کی عظمت کا اور بھی یقین راسخ ہوتا چلا جائے۔

[1] مسلم و ابوداؤد باب ما یقول اذا سمع المؤذن۔ [2] مسلم شریف۔ [3] سنن ابوداؤد باب ما یقول اذا سمع الاقامۃ

آداب اذان اس دعوت اجتماع میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ غور سے پڑھنے کے لائق ہے اب کچھ آداب بھی لکھے جاتے ہیں، جن سے اس کی اہمیت پر روشنی پڑے گی۔

(۱) کلمات اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے جاویں گے اور کلمات اقامت جلد جلد، مگر جملوں کی ادائیگی میں ایسی جلدی نہ ہو کہ تلفظ بگڑ جائے (۲) مؤذن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کے مستحب اوقات اور سمت قبلہ سے واقف ہو (۳) اذان پکارنے میں اتنا نہ چیخے کہ حلق کو نقصان پہنچے (۴) اگر کوئی اس کی عدم موجودگی میں اذان پکار دے تو غصہ نہ ہو (۵) اذان خوش آوازی سے پکارے مگر لحن کی حد کو نہ پہنچے (۶) اذان حسبتہً للہ دے، کسی پر احسان نہ جتلائے نہ معاوضہ لے (۷) نیکی اور بھلی بات کا حکم دے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے اور کلمہ حق کے کہنے میں امیر و غریب کی امتیاز نہ کرے (۸) امام کا اس قدر انتظار کرے جو قوم کے لئے گراں نہ ہو (یعنی وقت مقررہ کے بعد) (۹) مسجد میں کوئی اس کی جگہ پر بیٹھ جائے تو غصہ نہ ہو (۱۰) اذان و تکبیر کے درمیان اتنی لمبی نماز نہ پڑھے کہ نمازی گھبرا جائیں (۱۱) مسجد کی ہر طرح حفاظت کرے (۱۲) مؤذن مرد ہو، عاقل ہو اور مسائل ضروریہ سے واقف ہو (۱۳) متقی اور دیندار ہو (۱۴) لوگوں کے حالات سے واقف ہو اور جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کو تنبیہہ کر سکے مگر اس وقت جب کہ اذیت کا خوف نہ ہو (۱۵) بلند آواز ہو (۱۶) اذان پابندی سے دے (۱۷) اذان اونچی جگہ سے پکاری جائے تاکہ آواز دور تک جا سکے (۱۸) مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ماذنہ ہو تو اس پر چڑھ کر، ورنہ خارج مسجد سے (۱۹) اذان الفاظ ماثورہ کے ساتھ عربی زبان میں دی جائے۔ کوئی لفظ بڑھنے نہ پائے (۲۰) غیر عربی میں اذان نہیں دی جا سکتی (۲۱) اذان اور تکبیر میں منہ قبلہ کی جانب ہو، ترک قبلہ مکروہ ہے (۲۲) حی علی الصلوٰۃ پر دائیں اور حی علی الفلاح پر بائیں طرف چہرہ پھیرے، مگر اس طرح کہ قدم اپنی جگہ جمے رہیں (۲۳) دونوں کانوں میں دونوں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ڈالے (۲۴) اذان اور تکبیر میں فصل نہ کرنا مکروہ ہے (۲۵) ان دونوں کے درمیان کم از کم دو رکعت یا چار رکعت کی مقدار فصل کرنا چاہیئے، اور ہر رکعت

کی مقدار اتنی ہو کہ دس آیتیں پڑھی جا سکیں (۲۶) اذان میں بات چیت نہ کرے ورنہ پھر سرے سے کہنی ہوگی (۲۷) اذان نماز کے اوّل وقت میں پکاری جائے تاکہ نمازی آسانی سے مسجد آسکیں (۲۸) اذان کے بعد نمازیوں کا انتظار کیا جائے مگر محلہ کے باثروت اور رئیسوں کا انتظار نہ کیا جائے گا (۲۹) اذان پنج وقتہ فرائض اور جمعہ کی نماز کے لئے دی جائے گی۔ نوافل، سنن، واجبات اور دوسری نمازوں کے لئے اذان نہیں ہے، (۳۰) کھڑے ہو کر اذان پکاری جائے، بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے (۳۱) سوار کی اذان مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ مسافر ہو (۳۲) ایک مؤذن ایک ہی مسجد میں اذان دے ایک کا متعدد مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے (۳۳) مغرب کی اذان کے بعد تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت کے مقدار ٹھہرا جائے (۳۴) اذان کے کلمات میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو ترتیب ٹھیک کر لی جائے گی[1] (۳۵) مشہور ہے کہ اذان نماز کے لئے مسجد میں بائیں جانب سے ہو اور اقامت (تکبیر) داہنی طرف سے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں (۳۶) بعض لوگ اذان کے سامنے سے یا دعا کے سامنے سے نکلنا ناجائز سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں (۳۷) شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں ڈالنے کی جگہ صرف کان کے اوپر رکھ لینا کافی نہیں[2]

قدرتی نظامِ وحدت

نظم جماعت کا نفع تشنۂ تکمیل رہ جاتا اگر اس کی شیرازہ بندی عمل میں نہ آتی مگر حضرت حق جل مجدہ کی حکمت بالغہ ایسا کیونکر کر سکتی تھی، چنانچہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل جیسی چاہیئے تھی رب العزت نے فرما دی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس کے ایک ایک شعبہ کو اجاگر اور مستحکم فرما دیا اور اس طرح امامت صغریٰ کے سلک گہر میں نظم جماعت کو منظم و منضبط کر کے امامت کبریٰ

[1] تنبیہ الغافلین لفقیہہ ابی اللیث و عالمگیری باب الاذان و فتح القدیر لابن الہمام باب الاذان سے ماخوذ ۱۲

[2] اغلاط العوام مصنفہ مولانا تھانوی کے الفاظ ہیں ۱۲۔

کی شاہراہ قائم فرما گئے تاکہ دینی نظام سے دن رات دنیاوی نظام حیات کا سبق تازہ ہوتا رہے اور منتشر اور پراگندہ افراد کو اجتماعی زندگی کی پوری مشق ہو جائے۔

نظام وحدت اور یکجہتی کی جو مثال مسجدوں کے اس دینی نظام میں ملحوظ رکھی گئی ہے کہیں اور نہیں مل سکتی۔ توحید کا نظارہ اور اس کی نورانی شعائیں جو یہاں پائی جاتی ہیں وُہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہو سکیں گی۔

امامت و اجتماعیت مسجدوں کے اس قدرتی نظام میں جو مضبوطی اور استحکام ہے، اور انفرادی زندگی کو جس طرح عمل سے روکا گیا ہے وُہ اپنی آپ مثال ہے، کوئی ایسا سوراخ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے جہاں سے متفردانہ زندگی کا چشمہ پھُوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نافذ فرما دیا ہے کہ کہیں تین یا دو شخص بھی ہوں تو بھی اُن میں سے ایک کو اپنا امام منتخب کر لیا جائے۔

إذا كانوا ثلثة فليؤمهم احدهم واحقهم بالامامة اقرأهم	تین ہوں تو بھی ان میں سے ایک کو امامت کرنی چاہیئے اور حق امامت بڑے عالم کو ہے۔
(مسلم باب من احق بالامامۃ ج ۱ ص ۲۳۶)	

تین کی قید اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ ہوں تو لوگوں کو چاہیئے کہ ایک کو پیشوا منتخب کر لیں اور اس کو منتخب کریں جو قرآن اور دین کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ سفر کے تذکرہ پر آپ نے ان کو حکم فرمایا۔

اذا سافرتما فاذّنا واقيما وليؤمكما اكبركما (بخاری)	تم دونوں جب سفر کرو تو سفر میں نماز کیلئے اذان کو پکارو، اقامت کہو اور جو بڑا ہو امامت

نظام وحدت کا استحکام پیشوا بنایا جائے تو اس طرح کہ اس کی ہر حرکت و سکون کی پیروی کی جائے وُہ جب مالک حقیقی کے روبرو مناجات کرے تو سب کے سب خاموشی سے ہمہ تن گوش ہو کر سنیں اور باادب سیدھے کھڑے رہیں، وُہ جب اس کی عظمت ربوبیت کے آگے جُھکے تو بے چون وچرا سب جُھک جائیں اور اس کی عظمت و ربوبیت

کا بار بار اقرار کریں اور وہ جب پھر سر اٹھا کر سجدے میں گر جائے، تو بلا پس و پیش ایک ایک فرد اپنی اپنی اونچی پیشانی اس کے آگے ڈال دے اور اپنی عاجزی اور اس کی صفتِ علو کا عملی طور پر اعلان کرے۔ مختصر یہ کہ باضابطہ اس کی پیروی کی جائے کیونکہ ارشادِ نبوی ہے :۔

انما جعل الامام لیوتم بہ	امام تو بس اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس
(بخاری باب انما جعل الامام الخ)	کی پیروی کی جائے۔

پیروی اور اقتدا نام ہی اس کا ہے کہ امام جو بھی کرے، ہو بہو اس کی پیروی میں وہی مقتدی اور پیروکار بھی کرے اپنے امام سے پہلے کوئی بھی مقتدی جنبش نہیں کر سکتا اور نہ کسی حرکت و سکون میں اس کی مخالفت کی اس کو گنجائش ہے۔

لاتبادروا الامام اذا کبر فکبروا	امام پر سبقت نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر
اذا قال ولا الضالین فقولوا آمین	کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو آمین کہو،
واذا رکع فارکعوا و اذا قال سمع	اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، اور
اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک	جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک
الحمد (مسلم باب ائتمام الماموم بالامام ج ۱ ص۱۷۷)	الحمد کہو۔

نظامِ وحدت کی مخالفت خدانخواستہ کسی نے اگر امام کی کسی حرکت و جنبش میں مخالفت کی، یا اس پر کسی رکن وغیرہ کی ادائیگی میں سبقت کی تو پھر وہ اصولاً متبعین اور مقتدیوں کی جماعت سے کٹ گیا، اور اپنی اس بیباکانہ روش سے خطرے میں گھر گیا اور عذابِ الٰہی کو اس نے اپنی طرف متوجہ کر لیا، کسی اور کا نہیں بلکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل	جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیوں وہ
الامام ان یحول راسہ حمار	اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا سر گدھے کے سر
(مسلم باب تحریم سبق الامام الخ ج ۱ ص۱۸۱)	میں تبدیل کر دیا جائے۔

جرم بظاہر اتنا معمولی مگر سزا اتنی بڑی ؟ بلاشبہ اس نے احترامِ قانون پس پشت ڈال دیا اور یکجہتی اور نظامِ وحدت میں خلل انداز ہو گیا جو اپنی نوعیت میں معمولی ہونے

کے باوجود بڑا جرم ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنی پیشانی رب العزت کے قانون سے نکال کر شیطان کے ہاتھوں میں دیدی۔

الذی یرفع راسه او یخفضه قبل الامام فانما ناصیته بید الشیطان رواہ مالک (مشکوٰۃ)	جو مقتدی اپنا سر امام سے پہلے اُٹھاتا یا جھکاتا ہے تو بلاشبہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

اس عنوانِ قباحت سے بڑھ کر اور کیا روک تھام کی کوشش ہو سکتی ہے اس قباحت و شناعت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نظام وحدت کی اہمیت کا احساس خوب ذہن نشین ہو جائے، تاکہ اس کا فائدہ ظاہراً باطناً ہر طرح نمایاں ہو سکے۔ کیونکہ بہت سے فوائد کا دارو مدار محض اس یکجہتی اور امام کی کامل اقتدار میں مضمر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں اس کی پوری نگرانی فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ نے ایک دن ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز جب ختم ہو چکی تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! رکوع، سجدہ، قیام اور انصراف میں سبقت (پہل) نہ کرو، میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں، جس طرح سے سامنے سے [1]

اس تاکید کی انتہا ہے کہ حالت نماز میں بھی مقتدیوں کی چوک سے غافل نہیں رہتے اور پھر ان پر اس راز کو منکشف فرما کر حقوق نماز اور فرائض اقتدا کی تاکید فرماتے ہیں۔ کیوں بغیر کسی شرعی رمز کے یہ سب کچھ تاکیدیں ہو رہی ہیں، نبی کی نگاہ سے بڑھ کر دور بین انسانوں میں اور کس کی نگاہ ہو سکتی ہے اور بالخصوص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بس یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس شرعی اقتدار میں بے انتہا دینی اور دنیوی فائدے ہیں۔

امام پر سبقت اور اس کی ممانعت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ان ارشادات اور ان کی حکمتوں کو خوب سمجھا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُنہوں نے اس ہدایت پہ پورا پورا عمل کیا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ جب "سمع اللہ لمن حمدہ" رکوع سے اُٹھتے ہوئے

---

[1] مسلم باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود و نحوہما ج ۱ (صفحہ ۱۸۰)

فرماتے، تو ہم سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک اپنی پیٹھ سجدہ کے لئے نہیں جھکاتے جب تک آپ اپنی پیشانی زمین پر رکھ نہ لیتے[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے امام پر پہل کی، یہ دیکھ کر اس سے فرمایا تو نے نہ تنہا نماز پڑھی نہ امام کے ساتھ، پھر آپ نے اُس کو سزا دی اور فرمایا نماز لوٹا لو[2]

رحمت عالم صلعم کی پیشین گوئی

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وُہ نماز پڑھیں گے مگر اُن کی نماز نماز نہ ہو گی" اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں :-

"مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وُہ زمانہ میرا زمانہ نہ ہو، میں نے سینکڑوں مسجدوں میں نماز پڑھی ہو گی مگر کہیں بھی نہیں دیکھا، کہ اہل مسجد نماز اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں یا نماز میں وُہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام سے ثابت ہیں۔ پس اے نمازیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنی نماز خوب سنبھل کر پڑھو اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں کی نماز کا خیال رکھو کہ ان کی نماز مع حقوق ادا ہو سکے، سن لو! اگر کوئی خود خوب اچھی نماز پڑھتا ہے اور اس کے سارے حقوق کا لحاظ بھی رکھتا ہے مگر وُہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرا شخص اپنی نماز پورے حقوق کے ساتھ نہیں ادا کرتا وُہ اپنے امام پر حرکت و سکون میں پہل کرتا ہے پھر بھی وُہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے، اس کو اس کی غلط روی پر نہ ٹوکتا ہے نہ اس کی غلط روی کی قباحت بیان کرتا ہے اور نہ وہ اُس کی اصلاح کی سعی کرتا ہے تو وُہ بھی بلا شبہ اس کے اس گناہ میں شریک سمجھا جائے گا، اور اپنی نماز حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود دوسرے کی نماز میں قصور وار ہو گا[3]

---

[1] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم [2] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد ص [3] کتاب الصلوٰۃ وما یلزم فیہا للامام احمد

امام صاحبؒ کے اس بیان کے لب و لہجہ پر بار بار غور کیا جائے اور جس شدّ و مد سے اس کی اہمیت ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اصلاح اُمت بلاشبہ ہر مسلمان پر اپنی ذمہ داری کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس اُمت مرحومہ کا طغرائے امتیاز ہی یہ بیان کیا ہے کہ ہر بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور ہر ناپسندیدہ کام سے باز رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران - ۱۲)	تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو، کہ تم نیک کاموں کا حکم کرو اور بُرے کاموں سے روکو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس کا زندہ ثبوت ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب واقف کار کسی غلط روی اور ناجائز امُور پر چشم پوشی کرتا ہے تو وہ غلط روی اور ناجائز امُور وبا کی طرح پھیل پڑتے ہیں اور اس کا ضرر عام ہو جاتا ہے، جس میں بکثرت لوگ مبتلا ہونے لگتے ہیں۔

پھر یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس کا مواخذہ ہر ایک باخبر سے ہوگا، اُس نے دیکھ کر بھی اصلاح کی کوشش کیوں نہیں کی، خاموشی کو کیوں راہ دی، یہ ذمہ داری صرف اصطلاحی عالم پر ہی نہیں عائد ہوتی ہے بلکہ جو مسلمان جتنا بھی جانتا ہے اس پر اسی قدر ذمہ داری آتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں دین کی تبلیغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی جذبہ کے احساس کے ساتھ کی۔ ضرورت ہے کہ یہ سنت پھر زندہ کی جائے اور وُہ بروئے کار لائی جائے، عوام کی نماز میں جو خامی چلی آرہی ہے، اُسے ان پر ظاہر کیا جائے اور اس کی شرعی اصلاح کی جائے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر قدرے بسط و تفصیل سے (احیاء العلوم میں) بحث کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں اس مسئلہ کو کھول کر لکھا ہے۔

جماعت کی ظاہری ہیئت مختصر یہ کہ امام کی اقتدا بہر نوع کامل ہونی چاہیئے۔ اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ ہر مقتدی پر امام کی متابعت اس حد تک

ضروری ہے کہ وہ اس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے یہ حکم ہے کہ مقتدی جب دو یا اس سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھا دیں اور خود پیچھے ایک سیدھ میں کھڑے ہو جائیں اور اس طرح کہ شانہ سے شانہ ملا ہُوا ہو، نگاہیں سجدہ گاہ پر جمی ہوئی ہوں، سب کے سب ایک طرح ہاتھ باندھے ہوں، سب کا رُخ قبلہ کی جانب ہو صفیں سیدھی اور ہموار ہوں کہ اگر کوئی صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک خطِ مستقیم کھینچنا چاہے تو اس میں ذرا بھی کجی نہ آنے پائے۔

اس ظاہری ہیئت کے ساتھ باطنی ہیئت بھی اچھی سے اچھی ہو، دل پر خشیت و محبت کا پرتو نمایاں ہو اور یہ محسوس کر رہا ہو کہ گو ہم اپنے آقا کو نہیں دیکھ رہے ہیں لیکن وُہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

عہد نبوی میں صفوں کی درستی کا اہتمام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید برابر رکھی اور کبھی بھی صف کی ناہمواری برداشت نہیں فرمائی، بلکہ بذاتِ خود آپ نے صفوں کی درستی کا کام انجام دیا ہے۔ آپ کا دستور تھا کہ پہلے صفوں کی ہمواری ملاحظہ فرما لیتے، پھر نماز شروع فرماتے، جس کو صف میں ناہمواری کرتے دیکھ لیتے اس پر خفگی کا اظہار فرماتے، چنانچہ ایک دن ایسا ہُوا کہ آپ نماز کے لئے اور مصلے پر کھڑے بھی ہو گئے، تکبیر تحریمہ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ایک شخص پر نظر پڑ گئی، جس کا سینہ صف سے نکلا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:۔

عباد اللہ لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم	اے بندگانِ خدا! یا تو تم اپنی صفوں کو برابر کرو یا پھر اللہ تعالےٰ تمہارے اندر مخالفت ڈال دیں گے۔
(مسلم ج ۱ صہ ۱۸۲)	

جس ظاہری اختلاف سے روکا گیا ہے اگر اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو وہی اختلاف اور بعض کا بعض پر تاخر و تقدم، باطنی اور واقعی تنافرِ قلوب، حدوثِ کینہ اور وحشت و عداوت کا موجب بن جاتا ہے جس کا اثر بڑھ کر شوکتِ اسلام اور نظامِ حیات پر پڑتا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک قانون شرعی کی نافرمانی ہوتی ہے تو وہ دلوں کی

تاریکی و کدورت کا باعث بن جاتی ہے۔

صفوں کی درستی کے فائدے | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی صفوں کی درستی کو نظر انداز نہیں فرمایا، آپ کا ارشاد تھا کہ تسویۂ صف نماز کے کمال سے ہے، صفیں جس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی ہیں اور نمازی جتنا مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں، اسی قدر نماز میں کیف و نشاط پیدا ہوتا ہے اور دلوں میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔

سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من تمام الصلوٰة۔	صفیں درست اور برابر کرو کہ یہ چیز کمال نماز سے ہے۔ (مسلم ج ۱ صفحہ ۱۸۲)

ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی کہ آپ اپنے چہرۂ انور سے صفوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :-

اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظھری۔ (بخاری)	تم اپنی صفیں ان کے حقوق کے ساتھ کھڑی کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

اس قدرتی نظام میں اس کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ مقتدی ایک منظم فوج کی طرح اپنے امام کی ماتحتی میں کھڑے ہوں، جو امام کے ایک ایک اشارہ کی پابندی کریں، ساتھ ہی اس دینی فوج میں جو احکم الحاکمین کی اطاعت میں صف بستہ ہے کوئی انتشار، پراگندگی، شور و ہنگامہ اور نظم و ضبط کے خلاف معمولی بات بھی پائی نہ جائے تاکہ شیطان کو خوشی اور حملہ کا کوئی رخنہ نظر نہ آئے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (صف-۱)	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

کہیں سے بھی یہ نظر نہ آئے کہ اس سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں کوئی نقص ہے اور ان کا کوئی فرد اپنے امیر اور کمانڈر کے حکم کے ذرہ برابر خلاف ہے تاکہ اس طرح باطن

اور بھی گتھ جائے اور امیر کو ہرگز ہرگز یہ کہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

مالی اراکم عزین (مسلم ج ۱ ص۱۸۱)	کیا بات ہے کہ تم کو بٹا ہوا دیکھتا ہوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات کھول کر بیان کر دی ہے اور عملی تعلیم دیکر اُمت کے لئے شاہراہ قائم فرما گئے ہیں، ارشاد فرمایا:۔

استووا ولا تختلفوا فتختلف	برابر کھڑے ہو، اختلاف نہ ہو کہ اس کا
قلوبکم (مسلم ج ۱ ص۱۸۱)	اثر تمہارے دلوں پر پڑے گا۔
ایاکم وھیشات الاسواق (")	صف بندی میں بازار کے سے شور و ہنگامہ سے بچو۔
رصوا صفوفکم وقاربوا وحاذوا	تم اپنی صفوں کو خوب درست کرو
بالاعناق فوالذی نفسی بیدہ	مل مل کر کھڑے ہو اور شانہ سے شانہ ملا رکھو
انی اری الشیطان یدخل من خلل	بخدا میں شیطان کو صفوں کے شگاف میں
الصف (ابوداؤد ماجاء فی التویۃ الصفوف)	گھستے دیکھتا ہوں۔

ان سارے مسائل پر غور و فکر کی نظر دوڑا جائیں، اور اُن کی دینی اور دنیاوی حکمتوں کو تلاش کر جائیں تو پتہ چلے کہ ان شرعی قوانین میں کتنے بے شمار فوائد مضمر ہیں

امام کی قربت صفوں میں شریعت نے ترتیب کا لحاظ رکھا ہے کہ امام سے جو جس قدر قریب ہو گا۔ وُہ اسی اعتبار سے فضائل کا مستحق قرار پائے گا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نزولِ رحمت کی ابتدار امام سے ہوتی ہے اور وُہ بڑھ کر ساری صفوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

اذا انزلت الرحمة علی اھل	اہل مسجد پر نزول رحمت کی ابتدار امام سے
المسجد بدأت بالامام ثم اخذت	ہوتی ہے، پھر وہ دائیں اور پھر تمام صفوں
یمینا ثم عطفت علی الصفوف	پر متوجہ ہوتی ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص۱۲۱)

معلوم ہوا صف اول کو جو امام کے قریب ہوتی ہے دوسری صفوں پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صفِ اوّل کو کیا مرتبہ حاصل ہے تو پھر وُہ جس طرح بھی ہو سکے صف اول ہی میں

جگہ کے حصول کی کوشش کریں۔

لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ لاستھموا (مسلم باب تسویۃ الصفوف ج ۱ ص ۱۸۲)	لوگوں کو اذان اور صف اول کی حیثیت کا علم و یقین ہو جائے تو وہ اس کے حصول کی جدوجہد کریں، چاہے قرعہ اندازی کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔

امام کے قریب کون لوگ ہیں امام کے قریب ان لوگوں کو کھڑے ہونے کو کہا گیا ہے، جن لوگوں میں نیابت کی پوری صلاحیت پائی جاتی ہے، تاکہ ضرورت کے وقت امام کی جگہ اس کے فرائض وہ انجام دے سکیں، حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، ارشاد نبوی ہے :۔

لیلنی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثلاثا (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)	میرے قریب تم ہیں کے ذی ہوش اور صاحب علم و فضل کو رہنا چاہیئے اور پھر جو اُن کے قریب ہوں

شاید یہ بھی مقصد ہو کہ ایسا شخص امام سے (جو سب میں زیادہ ذی علم ہوتا ہے) طریقہ نماز اور دوسرے مسائل بآسانی اخذ کر سکے یا اور اس طرح کے دوسرے فوائد بھی ہوں مگر اتنی بات تو عیاں ہو گئی کہ جب امام کی قربت باعث فضائل ہے تو صف اول کو اور صفوف پر یقیناً فضیلت حاصل ہو گی کہ وہ امام سے قریب تر ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے :۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی میامن الصفوف (ابوداؤد ان یلی الامام فی الصف)	بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے دائیں سے دعائے رحمت شروع کرتے ہیں۔

جذبۂ ارتقاء یہ ترغیب اس لئے بھی ہے کہ نمازی پہلے پہنچ کر صف اول میں جگہ حاصل کرنے کی سعی کریں اور اس طرح فضائل اور دوسرے ذرائع سے اجر اور ثواب کے زیادہ سے زیادہ مستحق قرار پا سکیں، ان ساری حدیثوں کے پیش نظر یہ فیصلہ سہل ہو جاتا ہے کہ مسجدوں کے اس نظام وحدت میں ارتقا کا جذبہ اُبھارا گیا ہے، جہاد کے ایک شعبہ کی مشق کرائی گئی ہے اور امام کی عزت افزائی کی گئی ہے جو سرداری کے فرائض

انجام دیتا ہے اور اسطرح لوگوں کو اس کیساتھ محبت و عقیدت کی تعلیم دی گئی ہے۔

اجتماعیت اور اخوت و مساوات | پس یہ بات واضح ہو گئی کہ صفوں کی مشروعیت میں انفرادی زندگی کا خاتمہ ہے اور اجتماعی زندگی کی دعوت، عدل و مساوات کی تعلیم ہے اور اخوت و محبت کا سبق جن کو اشاعتِ اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اسلام منفردانہ زندگی کی مذمت کرتا ہے، قانونی طور پر بھی اور عملی نقطۂ نظر سے بھی، انتشار، تشتت اور اختلاف و مخاصمت کو وہ ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کرتا اور ہر شعبۂ زندگی میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ اس کی سرشت میں داخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو دیکھ لیتے ہیں کہ وہ جماعت میں شریک نہیں یا صف سے علیحدہ تن تنہا کھڑا ہے تو حیرت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ صف کے پیچھے یکّہ و تنہا نماز پڑھ رہا ہے، تو آپ نے زجر فرمایا اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔[1]

امام کا انتخاب | اب غور کرنا ہے کہ مقتدی کو جس امام کی پیروی کی اتنی سخت تاکید ہے اور شریعت نے جس کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے، کیا وہ جگہ ہر شخص کو علم و فضل کا لحاظ کیئے بغیر مل سکتی ہے ہر ذی عقل یہی کہیگا کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ یقیناً اس منصب جلیل کے لئے اس جماعت میں سے اس فرد کو منتخب کیا جائے گا جو ان میں بہترین اخلاق و اطوار کا ہو، زہد و اتقاء کا مالک ہو اور علم و فضل میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔

امام کس حیثیت کا ہونا چاہیئے | بلاشبہ وہ جب ایک ایسی مرکزی دینی عبادت کا پیشوا ہے جو افضل العبادات ہے اور ایک ایسے رکن کا ضامن بن رہا ہے جو ارکانِ خمسہ میں دوسرا درجہ رکھتا ہے تو بلاشبہ ایسے شخص کو رذائل اخلاق، سوقیانہ اطوار، مذموم عادات اور ہر ایسی خصلتِ بد سے منزہ اور پاک ہونا چاہیئے جو شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ ساتھ ہی مکارم اخلاق، صفات محمودہ، خصائل پسندیدہ اور خداشناسی و خداترسی کے اوصاف سے متصف بھی ہونا چاہیئے۔

جس کو ہم خدا کے سامنے اپنا نمائندہ بنا رہے ہیں، حتی الوسع اس کے انتخاب

[1] ابوداؤد باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف ۱۲

میں ہمیں عقل و خرد سے کام لینا چاہیئے، کہیں ایسا نہ ہو اس میں بھی ہمارے سامنے وراثت وخاندان اور حسب و نسب کا غلط مسئلہ آ جائے۔ امیر و فقیر کی بات دھوکہ دے جائے جس کی پروردگار عالم نے مذمت فرمائی ہے[1] بلکہ ان سب سے بالاتر ہو کر ہماری نگاہ اللہ تعالےٰ کے فرمان اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ پر ہو، یہ وہ عہدۂ جلیلہ ہے جسے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے زینت بخشی ہے اور اس وقت تک جب تک ہوش و حواس نے ساتھ دیا خود ہی زینت بخشتے رہے، مرض الوفات والی حدیث کے ضمن میں طبری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

انما فعل ذالك لئلا يعتذر احد من الائمة يعلل نفسه بادنیٰ عذر فيتخلف عن الامامة (فتح الباری ج ۲ ص۱۰۱)	یہ تو آپ نے اس لئے کیا تاکہ آئندہ کوئی امام ادنیٰ عذر کو حیلہ بنا کر امامت سے کترا نہ جائے۔

آنحضرت صلعم کی امامت کے لئے ایک جامع شخصیت کی نامزدگی

آپ جب مرض سے نڈھال ہو گئے اور بار بار سعی کے باوجود غشی پر غشی آتی رہی تو آپ نے اس جگہ کے لئے اپنا قائم مقام اور خلیفہ اس فرد کو بنایا جو عالم انسانی میں انبیاء و رسل کے بعد افضل ترین تھا جن کو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں "اعلم" ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ یعنی صدیق اکبرؓ کو آپ نے اپنی یہ جگہ عطا فرمائی، آپ کی بعض ازواج مطہراتؓ نے فاروق اعظمؓ کے نام کی سفارش کی اور باصرار و تکرار کی۔ مگر آپ نے اس مشورہ کو رد فرمایا اور اس سلسلہ میں ایک جملہ فرما کر اس جرأت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ صدیق اکبرؓ نے امامت فرمائی۔

اس مرض الوفات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین دفعہ آپ نے پانی رکھنے کا حکم فرمایا، مگر ہر بار غشی کا دورہ پڑتا رہا مسجد کی حاضری سے جب مایوسی ہو گئی تو آپ نے صدیق اکبرؓ کو امامت کے لئے کہلا بھیجا، قاصد جب یہ پیام لے کر پہنچا تو صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "یا عمر صل بالناس" (لوگوں کو نماز پڑھایئے)

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۵۴۶

یہ سن کر فاروق اعظمؓ نے آپ سے فرمایا "انت احق بذالک" (آپ ہی اس کام کے زیادہ لائق اور مناسب ہیں) چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے امامت کی[1]

امام کے لیے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت

یہ واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار نے واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کر دیا کہ امامت قوم کے بہترین فرد کا حصہ ہے اور یہ عظیم الشان ذمہ داری اس شخص پہ ڈالی جائے جو ہر طرح اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق ہو، نیز وہ علم و فضل اور جلالت شان میں اپنا نمایاں درجہ رکھتا ہو، غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے مستحقین امامت میں اعلم الناس کو اوّل درجہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں :-

فقد یعرض فی الصلاۃ امر لا یقدر علی مراعاۃ الصلاۃ فیہ الا کامل الفقہ و لھذا قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکر فی الصلاۃ علی الباقین مع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نص علی ان غیرہ اقرأ کانہ عنی حدیث اقرأکم اُبَیّ۔

نماز میں کبھی ایسی بات پیش آجاتی ہے جس کی رعایت سوائے کامل الفقہ کے اور کسی کے بس کی بات نہیں اور یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلعم نے ابوبکرؓ کو بقیہ لوگوں پر نماز کے باب میں ترجیح دی باوجود اس بات کے کہ آپ نے اُن کے غیر کے متعلق اقرأ ہونے کی تصریح فرمائی ہے یعنی اُبَی کو تلاوت قرآن کا ماہر فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۷)

یہ بات بالکل درست ہے کہ امام کو مسائل نماز سے پوری واقفیت ہونی چاہیئے تاکہ وہ نماز کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کر سکے موجودہ اصطلاحی حفاظ و قرأ جو صرف قرآن پاک زبانی یاد کئے ہوتے ہیں اور عموماً ضروری مسائل سے واقفیت جیسی چاہیئے نہیں رکھتے ان کو عالم پہ کسی طرح امامت میں فضیلت نہیں دی جا سکتی جیسا کہ عوام کبھی کبھی یؤم القوم اقرأھم بکتاب اللہ والی حدیث سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

---

[1] مسلم باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ج ۱ ص ۱۷۸۔

عہدِ صحابہ میں شعبہ امامت کی اہمیت

جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اتنی بات تو خوب دل نشین ہو گئی ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ حیات میں اس شعبہ کو کیا حیثیت دی۔ اس کے بعد عہدِ صحابہ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ ان عاشقانِ رسول نے اس مسئلہ میں بھی آپ کی ہدایت و راہنمائی پہ پورا پورا عمل کیا، فاروق اعظمؓ خلافت کے فرائض کے ساتھ امامت کے منصب پر بھی زندگی بھر فائز رہے اور جو والی اور امام منتخب کیا وہ ہر اعتبار سے لائق اور اپنا حال تو یہ ہوا کہ آخر کار امامت کرتے ہوئے ہی جامِ شہادت نوش فرمایا۔ آپ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کا بھی اس باب میں یہی طرز عمل رہا، یہی نہیں بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں جتنے بھی والی اور گورنر منتخب کر کے دوسرے مقامات میں بھیجے گئے سبھوں نے اس منصب کو بھی سنبھالا، گویا اُن کے فرائض میں نماز کی امامت بھی داخل تھی جس سے وُہ کنارہ کشی نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور کے بعد بھی امامت گورنروں کے فرائض میں داخل رہی، ایک انگریز مسٹر ٹامس آرنلڈ خلافت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

> خلیفہ کے سیاسی فرمانروا ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ مذہبی اور سیاسی دو قسم کے اختیارات کا حامل ہے، مذہبی حیثیت سے اس کی حکومت کا حقیقی مقصد صرف دین کا تحفظ تھا۔ حامی دین کی حیثیت سے وہ جنگ کرتا تھا مذہب کا صدمہ پہنچانے والے افراد کو سزائیں دیتا تھا، نماز میں امامت، جمعہ کا خطبہ دینا بھی اس کا ایک منصبی فرض تھا۔[1]

غور کیجئے یہی وہ شعبہ ہے جس کے متعلق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

الامام ضامن والمؤذن مؤتمن	امام ضامن اور مؤذن امین ہے، اے اللہ!
اللھم ارشد الائمۃ واغفر للمؤذنین	اماموں کو ہدایت فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

امام احمد اور انتخاب امام

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جس شعبہ کا کفیل اور ضامن قرار دیا گیا ہے، وہ آپ کی نظر میں بہت اہم ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر آپ نے

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صہ ۲۰۷

اس کے لئے رشد و ہدایت کی دعا فرمائی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ باب امامت کی احادیث کے مدنظر فیصلہ فرماتے ہیں :۔

ومن الحق الواجب علی المسلمین	مسلمانوں پر واجب ہے کہ امام ان کو بنائیں
ان یقدموا خیارھم و اھل	جو ان کے سب سے بہتر اور دیندار ہوں
الذین الافضل منھم اھل العلم	اور افضل ترین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالٰی
باللہ تعالٰی الذین یخافون اللہ	کا علم و یقین رکھتے ہیں اور اس کی خشیت
(کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا)	سے اُن کا سینہ معمور رہتا ہے۔

جلیل القدر محدث اور ایک امام کے الفاظ بار بار پڑھیئے، ان سے کتنی اہمیت ٹپکتی ہے امامِ نماز کی اہمیت اور اس کی حیثیت کا کتنے بلند پیرایہ میں تذکرہ فرماتے ہیں اور قوم پر کس قدر اس کی ذمہ داری عائد کرتے ہیں، کوئی بات تو ہے جو اس شدت پر اُتار رہی ہے، پھر اس کے بعد فوراً فرماتے ہیں :۔

جاء الحدیث اذا ام بالقوم رجل	حدیث میں ہے کہ جب قوم کی امامت ایک
وخلفہ من ھو افضل منہ لم	ادنیٰ شخص کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس سے افضل
یزالوا فی سفال (کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا)	موجود ہوتا ہے تو ایسی قوم ہمیشہ پستی میں رہتی ہے،

خود امام پر ذمہ داری یہی نہیں کہ ایسی قوم جو اپنے افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اپنا امام اور پیشوا بناتی ہے۔ ہمیشہ پستی میں رہتی ہے بلکہ پھر ذلت و خواری بھی اس کے لئے لازمی ہے خود امام پر یہ ذمہ داری ہے کہ قوم اُسے کسی شرعی امر مذموم کی وجہ سے امامت کے لئے قبول نہیں کرتی تو اسے امامت سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے شخص کی نماز کی قبولیت میں شبہ ہے بلکہ حدیثؐ کا فیصلہ ہے :۔

ثلثۃ لا تقبل منھم صلوتھم من	تین شخص کی نماز اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا
تقدم قوما وھم لہ کارھون و	ایک وُہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہیں۔
من اتی الصلوۃ دبارا والدبار ان	دوسرا جو اخیر میں نماز کے لئے آتا ہے کہ اس
یاتیھا بعد ان تفوتہ ورجل	کی نماز چھوٹ جاتی ہے اور تیسرا وہ شخص

اعتبد محررۃ (ابوداؤد) جو آزاد کو غلام بناتا ہے۔

ان ساری حدیثوں پر بامعانِ نظر غور کیجئے اور امام کی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آج کل ہمارے اس زمانہ میں جو سلوک اس شعبہ کے ساتھ ہوتا رہتا ہے اس کو بھی سامنے رکھیئے۔

موجودہ دَور اور شعبۂ امامت

ضرورت ہے، اس دور میں بھی اس سنت کو زندہ کیا اور ہر مسجد کا امام اس حیثیت کا مقرر کیا جائے جو اس اصول پر پورا اُترے ساتھ ہی وُہ تبلیغ دین اور اشاعت علوم کے فرائض انجام دے سکے، اس میں ہر حیثیت سے اتنی صلاحیت ہو کہ قوم اس کو اپنا پیشوا بنا سکے اور وُہ حدیث کے معیار پر بھی پُورا اُترے۔ ایک عرصہ پہلے اس کا احساس حضرت مولانا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہُوا تھا اور آپ نے اس سنت کے طریقے کو زندہ فرمانے کی سعی فرمائی تھی، چنانچہ آپ کا یہ دستور تھا کہ اپنے زمانہ میں امام معیاری مقرر فرماتے تھے اور ان کو اس حلقہ کا ذمہ دار بنا دیا جاتا تھا جس حلقہ کی وہ امامت کرتا تھا اور کئی مسجدوں کو ملا کر ایک مناسب مسجد کو جامع مسجد کی حیثیت دیکر اسکے امام کو سشن جج قرار دے دیا جاتا تھا۔ "تذکرہ صادقہ" میں مذکور ہے۔

> "لوگوں کے اصلاح حال اور فیصلہ طاغوتی سے بچنے کے لئے ضرورت تھی کہ جہاں لوگوں کو فساد و فتن سے روکا جائے وہاں ان میں عدل و تصفیع کی روح بھی پھونکی جائے اور اُن کے ناگزیر تنازع اور پیچیدہ مسائل کے محاکمہ اور فیصل کے لئے کوئی صورت قائم کردی جائے اور ساتھ ہی ساتھ "شاورھم فی الامر" کی سنت بھی ادا ہو سکے۔
>
> چنانچہ جب ہر ایک بستی میں جہاں مسجد موجود ہوتی، وہاں امام مقرر کرتے اور جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں بھی تعمیر کرا دیتے اور فصل خصومات کا بار اسی کے شانہ پر رکھتے، چار پانچ کوس کے حلقے میں کسی مسجد کو جامع مسجد قرار دے کر ایک تعلیم یافتہ، متدین امام کے سپرد کر دیتے اور امام بمنزلہ سشن جج متصور ہوتا اگر اس پر لوگوں کی تسکین خاطر نہ ہوتی تو متخاصمین کی اپیل پر بذات خود ان

مقامات پر پہنچ کر فصل تنازعہ فرماتے اور ملفوظات کیمیا اثر سے تالیفِ قلوب فرماتے[1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مسجدوں کے قدرتی نظام کو خوب سمجھا تھا اور اس نظام کی روح کو جو عرصہ سے مردہ ہو گئی تھی دوبارہ زندگی بخشنا چاہتے تھے اے کاش مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور اس قدرتی نظام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو بروئے کار لانے کی عملی جدوجہد شروع کر دے۔

امام اور اس کے فرائض ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ایسے فرد کو بنایا جائے جو عالم باعمل اور خدا ترس ہو اور اس کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہو کیونکہ اس کے فرائض بڑے اہم اور نہایت نازک ہیں، ذرا سی غلطی سے پونجی کے لٹ جانے کا خطرہ ہے یقینی طور پر وہ اس دینی عبادت میں تمام اہل مسجد کا امیر ہوتا ہے اور سب کی طرف سے نمائندہ بن کر وہی رب العزت سے مناجات کرتا ہے۔ اس نے اگر اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ فرائض کی ادائیگی میں سعی پیہم کی اور اخلاص وللہیت کے ساتھ اسے بجا لایا، تو وہ عنداللہ اجر جزیل کا مستحق ہوگا اور انجام کار کامیاب و بامراد اور اگر خدانخواستہ اس نے کوتاہی کو راہ دی۔ اخلاص کی روح کو زخمی کیا اور حق پیشوائی کی بجا آوری میں جدوجہد سے کام نہ لیا تو پھر اس کے لئے خسران و ناکامی کی ذلت ہے۔

صفوں کی نگرانی مصلے پر پہنچتے ہی اس کو دیکھنا ہوگا۔ صفیں درست اور مرتب ہیں یا نہیں وہ شریعت کے قوانین پر پوری اترتی ہیں یا نہیں، یوں تو مقتدی کا فریضہ ہے ہی کہ وہ شرعی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہو مگر امام اس کی مزید نگرانی کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود صفوں کو درست اور برابر فرماتے اور ادھر سے مطمئن ہو کر تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ نعمان بن بشیرؓ کا بیان ہے:۔

كان رسول الله صلى الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں
عليه وسلم يسوى صفوفنا اذا	کو برابر فرماتے تھے، جب ہم لوگ نماز کے لئے
قمنا الى الصلوٰة فاذا استوينا	کھڑے ہوتے تھے اور جب ہم برابر ہو لیتے

[1] ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص ۵۹، ۶۰

کبر (ابوداؤد)	تو آپ تکبیر کہتے تھے۔

دائیں اور بائیں صفوں کو دیکھ کر فرماتے۔ "سیدھے کھڑے ہو اور اپنی صفوں کو شرعی حیثیت کے مطابق درست کر لو" حضرت انسؓ کا بیان ہے:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف متوجہ ہو
وسلم یقول عن یمینہ اعتدلوا و	کر فرماتے ٹھیک طور پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی
سووا صفوفکم دعن یسارہ اعتدلوا	صفوں کو درست کر لو اور بائیں جانب متوجہ ہو کر
وسووا صفوفکم (ابوداؤد)	فرماتے درست ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو ٹھیک کر لو۔

اس قدر تو خود کرتے رمزید برآں حضرت بلالؓ جو مؤذن تھے ان کی ڈیوٹی مقرر فرما دی تھی کہ وہ صفوں کو دُرست کرائیں اور وُہ بھی یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔

ان بلالا کان یسوی الصفوف و	حضرت بلالؓ صفوں کو درست فرماتے اور
یضرب عواقیبھم بالدرۃ حتی یستووا	دُرّہ مار کر ان کی ایڑیوں کو سیدھی کرتے
(کتاب الصلوٰۃ و ما یلزمہا للامام احمدؒ)	تھے تا آنکہ وُہ برابر ہو جاتے۔

فاروق اعظم کا اہتمام | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے زمانہ میں اس اہتمام کو باقی رکھا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کا دستور تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی دیکھ بھال کر لیتے اور صفوں کی درستی کے بعد نماز شروع کرتے، بلکہ آپ نے بھی ایک مستقل آدمی اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا جو صف میں گھوم کر دیکھتا اور آ کر درستی کی خبر دیتا، حضرت احمد بن حنبلؒ جیسے جلیل القدر محدث کا بیان ہے:۔

جاء عن عمرؓ انہ کان یقوم مقام	حضرت عمرؓ کے متعلق آیا ہے کہ وُہ مصلّے پر آ
الامام لایکبر حتی یاتیہ رجل قد	کر کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے
وکلہ باقامۃ الصفوف فیخبرہ	تھے جب تک ایک آدمی جو اس کام پر مقرر تھا آ
انھم قد استووا فکبر وجاء	کر خبر نہ کر تا کہ صف درست اور لوگ برابر ہو گئے ہیں
عن عمر بن عبدالعزیزؒ ھکذا	جب یہ اطلاع مل جاتی تو تکبیر کہتے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ
(کتاب الصلوٰۃ و یلزمہا)	کا بھی یہی دستور بیان کیا گیا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ صفوں کی درستی کے باب میں بہت سخت تھے، صف میں جو بھی ناہمواری پیدا کرتا اس کو سزا فرماتے۔ اس باب میں کسی کی رو رعایت ملحوظ خاطر نہ تھی حضرت میمونؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فاروق کو جس دن نماز میں نیزہ مارا گیا میں موجود تھا مگر صف اوّل میں اس لئے نہیں کھڑا ہوا تھا کہ آپ سے ڈرتا تھا، کیونکہ آپ کا دستور تھا کہ اگلی صف کو جب تک خود نہیں دیکھ لیتے، تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے اور جب کسی کو صف میں بے قاعدہ آگے پیچھے کھڑا دیکھتے اُس کے دُرّہ لگاتے[1]

ان واقعات سے یہ بات محقق طور پر معلوم ہوئی کہ امام مسجد پر صفوں کی درستی کی بڑی ذمہ داری ہے اور اس کے فرائض میں اُن کی دیکھ بھال بھی داخل ہے۔

مقتدیوں کا لحاظ بہرحال جب صفیں خوب درست ہو جائیں تو اب امام نماز شروع کریگا۔ اور اپنی ذمہ داری کے ساتھ پڑھائے گا۔ جس میں مقتدیوں کا خیال رکھنا از بس ضروری ہوگا اس لئے کہ جماعت میں ہر طرح کے نمازی ہوتے ہیں کتنے ضعیف اور بوڑھے ہوتے ہیں اور کتنے بیمار اور کمزور، ان میں سے ہر ایک کے حال کا لحاظ رکھنا امام کے فریضہ میں داخل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ لحاظ اسی حد تک جائز ہے جو طریقہ سنت کے حدود میں ہو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اذا صلی احدکم للناس فلیخفف	تم میں سے کوئی جب لوگوں کی امامت کرے
فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر	تو اُسے چاہیئے کہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ
واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول	اُن میں بیمار کمزور اور بوڑھے سبھی ہوتے
ما شاء (متفق علیہ)	ہیں البتہ جب اکیلا پڑھے تو پھر جتنی لمبی
(مشکوٰۃ باب ما علی الامام)	نماز چاہے پڑھے۔

سرکار دو عالم کی تخفیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان کا لحاظ فرماتے تھے،

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص۲۱ ج ۱۔ اس کتاب کے متعلق اپنے شکوک میں نے مخدوم و محترم علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کو لکھے تو جواب میں تحریر فرمایا "الامامۃ والسیاسۃ" ابن قتیبہ کی تصنیف ہرگز نہیں ہے یا تو کسی شیعی کی تصنیف ہے یا اس میں کسی شیعی نے تحریف کر دی ہے، یہ ہرگز اعتماد کے قابل نہیں،، (مکتوب ۵۲)

کسی بچہ کے رونے کی آواز جب پہنچی تو نماز مختصر فرما دیتے۔ مگر یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی، یوں بھی آپ ایسی ہی نماز پڑھاتے جس سے مقتدی اُکتا نہ جائیں اور اس طرح ان کے خشوع وخضوع میں فرق نہ پڑنے پائے، حضرت انسؓ جن کو آپ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل تھا فرماتے ہیں:۔

ما صلیت وراء امام قط اخف	میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
صلوۃ ولا اتم صلوۃ من النبی	پیچھے جتنی ہلکی اور کامل نماز پڑھی کسی اور
صلی اللہ علیہ وسلم۔	کے پیچھے کبھی بھی نہیں پڑھی۔

(مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب ما علی الامام)

امام کو ہدایت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں سے یہ شکایت پہنچی کہ کوئی امام قرأۃ زیادہ لمبی کرتا ہے جس سے مقتدی اکتا جاتے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھنے میں تامل کرتے ہیں تو آپ بہت خفا ہوتے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں یہ شکایت پہنچائی کہ میں فلاں امام کی طویل قرأۃ کی وجہ سے صبح کی جماعت میں شرکت کرنے سے معذور رہتا ہوں، صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ آپ یہ سُن کر اس قدر خفا ہوئے کہ اس سے پہلے نصیحت کے باب میں ہم لوگوں نے اس طرح کی خفگی کا اظہار دیکھا ہی نہیں تھا، اس موقع سے آپ نے فرمایا:۔

ان منکم منفرین فایکم ماصلی	تم میں سے کچھ لوگ نفرت پیدا کرنے والے ہیں
بالناس فلیتجوز فان فیھم الضعیف	تم میں جو بھی امامت کرے وہ مختصر اور ہلکی
والکبیر وذا الحاجۃ (متفق علیہ)	نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے
(مشکوٰۃ باب ما علی الامام)	اور ضرورت مند بھی ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت معاذؓ کے متعلق حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ وُہ نماز بہت لمبی پڑھاتے تھے جو جائز ہی نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کے ذوق کے بھی مناسب تھی، مگر کسی ایک فرد پر یہ نماز گراں گذری، جو محنت اور مزدوری کے کام کرتے

لہ مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب ما علی الامام ۱۲۔

تھے، یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا «افتان انت یا معاذ» (کیوں جی معاذ تم فتنہ انگیزی کرتے ہو؟)

حضرت عثمان بن ابی العاص فرماتے ہیں کہ آخری عہد جو مجھ سے لیا گیا وہ یہ تھا کہ جب امامت کروں تو حدود سنت کے اندر رہ کر ہلکی نماز پڑھاؤں ؎۲

تخفیف کا مطلب | جو کچھ عرض کیا گیا، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرأۃ اور تسبیحات مسنونہ چھوڑ دی جائیں، سنن و آداب نماز کی رعایت ترک کر دی جائے اور واجبات و فرائض میں کسی طرح کی کوتاہی برتی جائے، بلکہ ماحصل یہ تھا کہ ادائیگی نماز کا جو سنت طریقہ ہے اس کے اندر رہ کر سب کچھ کیا جائے، تاکہ نماز پڑھنے والا "یسر" کو "عسر" محسوس کرنے نہ پائے اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیجئے کہ تخفیف صلوٰۃ (ہلکی نماز) کا مطلب شرعاً کیا ہے آج کل دین سے جو بے رغبتی ہے اور عبادات میں جیسی سستی پیدا ہوتی جا رہی ہے اس کی وجہ سے عموماً لوگ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور تخفیف کے جو معنی ہیں اسے صحیح طور پر نہیں سمجھتے یہ مسئلہ ایسا ہرگز نہیں ہے جو شریعت میں مصرح نہیں کہ جس کی مجبوری کی وجہ سے قیاس سے کام لینا پڑے یا کسی شخص یا شہر یا جماعت کی عادت پر محمول کیا جائے یا محض امام اور مقتدی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پوری ہیئت کے ساتھ مذکور ہے اور ایک ایک بات کی تفصیل موجود ہے، ابھی حضرت انس کی حدیث گذر چکی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پیچھے جو نمازیں نے پڑھی وہ ایک طرف اگر ہلکی تھی تو دوسری طرف کامل و تام بھی تھی جس سے واضح ہے کہ تخفیف کے ساتھ اتمام و کمال نماز بھی مطلوب ہے اور کھلی بات ہے کہ کمال میں تعدیل ارکان، سنن و آداب کی رعایت اور نماز کے دوسرے حقوق بھی داخل ہیں۔ پنج وقتہ نماز کی قرأۃ حدیثوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

قرأت میں آنحضرت صلعم کا معمول | صبح کی نماز میں مقدار قرأۃ کیا تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا تھا۔ اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں، حضرت جابر بن سمرۃ کا بیان ہے

؎۱ مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب ما علی الامام ؎۲ مشکوٰۃ ایضاً

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر بق والقرآن المجید ونحوھا وکانت صلوتہ بعد تخفیفا (مسلم باب القراۃ فی الصبح ص۱۸۶ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ ق والقرآن المجید اور اسی طرح کی سورتیں پڑھتے تھے، اب تک آپ کی نماز ہلکی تھی۔

حضرت عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں: واللیل اذا عسعس" پڑھتے ہوئے سنا گیا[1]

حضرت عبداللہ بن السائب کا بیان ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی جس میں سورۃ "مومنون" کی تلاوت شروع کی جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ تک پہنچے تو آپ کو کھانسی شروع ہوگئی چنانچہ وہیں رکوع میں جھک گئے[2]

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر یوم الجمعۃ بالم تنزیل فی الرکعۃ الاولیٰ وفی الثانیۃ ھل اتیٰ علی الانسان۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القراۃ فی الصبح)

جمعہ کے دن فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں ھل اتیٰ علی الانسان

یہ سب صحیحین کی حدیثیں ہیں جن سے فجر کی مقدار قراۃ خوب اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے اور جو کچھ عرض کیا گیا وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہے۔

ظہر و عصر کی قرأت ظہر اور عصر کی نمازوں میں آپ کی قرأت کی جو مقدار تھی وہ بھی حدیث میں مذکور ہے، حضرت ابوسعید خدری اپنا اندازہ بیان کرتے ہیں، جو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا:۔

کنا نحزر قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الظھر والعصر فحزرنا

ظہر اور عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ ہم لوگ لگاتے تھے

[1] مسلم باب القراۃ فی الصبح ج ۱ ص۱۸۶ [2] مسلم باب القراۃ فی الصبح ص۱۸۶ ج ۱

قیامہ فی الرکعتین الاولیین من الظھر قدر الم تنزیل السجدۃ وفی روایۃ فی کل رکعۃ قدر ثلثین آیۃ۔ (مسلم باب القرأۃ فی الظھر والعصر ج ۱ ص ۱۸۵)	ہمارا اندازہ ہے کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ "الم تنزیل سجدہ" کی قرأت کے مقدار قیام فرماتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیت کی مقدار پڑھتے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں "وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی" پڑھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" تلاوت فرماتے اور عصر میں اسی کے لگ بھگ اور فجر میں اس سے بہت زیادہ لمبی سورت پڑھتے تھے[1]

مغرب | نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھنا ثابت ہے، سورۂ مرسلات بھی آپ نے پڑھی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

- حضرت ام الفضل بنت الحارثؓ کہتی ہیں:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالمرسلات عرفاً (متفق علیہ) (مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ مغرب میں سورۂ مرسلات پڑھتے تھے۔

عشاء میں حضرت کا معمول | عشاء کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ گذر چکا ہے کہ ایک دفعہ اُن کی لمبی قرأۃ کی شکایت دربارِ رسالت میں پہنچی تھی تو آپ بہت خفا ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ " افتان انت " (کیا تم فتنہ انگیز ہو) اسی حدیث میں آپ کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:۔

اقرأ والشمس وضحٰھا، والضحٰی واللیل اذا یغشٰی وسبح اسم ربک	تم (عشاء میں) والشمس وضحٰھا، والضحٰی، واللیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربک الاعلیٰ

[1] مسلم باب القرأۃ فی الصبح ج ۱ ص ۱۸۷

الاعلیٰ (مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب القرأۃ) پڑھا کرو۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں سورۃ "والتین والزیتون" پڑھتے ہوئے سنا ہے، میں نے آپ سے بڑھ کر اور کسی کو خوش آواز نہیں دیکھا[1]

یہ ساری تفصیل آپ کے سامنے ہے، اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ تخفیف صلوٰۃ کا جو مطلب آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں وہ کس قدر غلط ہے، ان مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہلکی نماز کا کیا مطلب ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آپ ہم کو ہلکی نماز کا حکم فرماتے تھے اور جب انہوں نے عملی مثال بیان کی تو یہ کہ آپ سورہ صافات کے ساتھ امامت فرماتے تھے[2]

قراءت میں ترتیل | یہ تو ہر نماز میں آیتوں کی تعداد کے اندازہ لگانے کے لئے نقل کیا گیا ہے علاوہ ازیں پڑھنے کا طریقہ بھی جاننا ضروری ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کا کیا طریقہ اختیار فرما رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کا یہ فرمان رکھنا چاہیئے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (مزمل ۱)

جس کا منشا یہ ہے کہ آپ کو ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنے کا حکم تھا جس کی آپ پوری پوری پیروی فرماتے تھے، تیز پڑھنے کا کبھی بھی آپ کا معمول معلوم نہیں ہوتا ہے جس سے قرآن پاک کے کلمات پورے طور پر ادا نہ ہو سکیں یا سننے والا اچھی طرح کلمات سمجھ نہ سکے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ یقطع قرأتہ ایۃ ایۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ الحمد للہ رب العلمین ۰ الرحمن الرحیم ۰ (قیام اللیل محمد بن نصر المروزی باب الترتیل فی القراۃ ص۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت فرماتے تھے تو ایک ایک آیت علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، پھر الحمد للہ رب العالمین، پھر الرحمن الرحیم۔ (ایک آیت کو دوسری میں نہیں ملاتے)

[1] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب القرأۃ ۱۲ [2] مشکوٰۃ عن النسائی باب ما علی الامام ۱۲

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، تو دیکھا آپ کی قرأت اعتدال کے ساتھ تھی، نہ پست تھی نہ بلند، رُک رُک کر پڑھتے اور ترتیل کا پورا لحاظ فرماتے تھے [1]

ام المومنین حضرت حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراۃ کے متعلق فرماتی ہیں کہ کوئی سورۃ جب آپ پڑھتے تو ترتیل کے ساتھ پڑھتے، جس سے سورۃ لمبی سے لمبی معلوم ہوتی حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت میں ہے کہ ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھتے [2]

صحابہ کرامؓ کا معمول ان حدیثوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کے پڑھنے کا کیا دستور تھا، صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل بھی مقدارِ قراۃ اور ترتیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی جیسا رہا اس لئے کہ یہ حضرات سراپا سوز و عشق تھے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق ایک دفعہ صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھ گئے، آپ سے جب کہا گیا کہ آفتاب تو اب نکلنا ہی چاہتا تھا (مطلب تاخیر اور لمبی سورۃ کا ذکر تھا) تو آپ نے فرمایا آفتاب سے غافل نہ تھا۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کا خیال و اندازہ بھی تھا [3]

حضرت عمر فاروقؓ کا بھی کچھ یہی معمول تھا، کیونکہ آپ کے متعلق آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز میں سورۂ نحل، یوسفؑ، ہود، یونسؑ، بنی اسرائیل اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ [4]

حضرت علقمہؒ کہتے ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے آپ قراۃ میں ترتیل فرماتے اور صاف صاف تلاوت کرتے، اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق ہے کہ وہ آخری رات کی نماز میں جب قرأت کرتے تو ایک ایک حرف علیحدہ کر کے پڑھتے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں، قرآن تیز تیز نہ پڑھو جیسا شعر پڑھا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیتؑ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا "کی تفسیر فرماتے ہیں" بيّنه تبيينا "خوب صاف صاف پڑھو [5]

---

[1] قیام اللیل محمد بن نصر المروزی صہ۵ باب الترتیل فی القراۃ ۱۲ [2] ہر دو روایت قیام اللیل ایضاً باب الترتیل فی القراۃ صہ۵ [3] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم صہ۱۴۱ [4] ایضاً [5] ان سب روایتوں کے لئے دیکھئے قیام اللیل باب الترتیل فی القراۃ صہ۵

موقع کا لحاظ اس تفصیل کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیشہ لمبی قرأۃ کی جائے، ضرورت اور مجبوری ہو تو اُسے پسِ پُشت ڈال دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطمینان کے وقت یہی سنّت طریقہ معمول ہونا چاہیئے۔ یوں ضرورت و مجبوری یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے قرأۃ میں کمی کی جا سکتی ہے، خود ذاتِ بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں معوّذتین تک پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں۔ میں آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھا کہ آپ نے معوّذتین کی رغبت دلائی اور اہمیت بتائی اور پھر انہیں تعلیم فرمایا، پھر مجھے خوش کرنے کے لئے ان ہی سورتوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا :۔

یا عقبہ کیف رأیت (مشکوٰۃ باب القرأۃ) اے عقبہ تونے کیسے پایا۔

تعدیلِ ارکان ان چیزوں کے ساتھ تعدیلِ ارکان بھی ضروری ہے، یعنی رکوع، سجود اور قیام و قعود باطمینان ادا کئے جائیں، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اس قدر اطمینان سے کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ آپ بھول گئے اور پھر آپ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ ہم کہتے تھے کہ شاید آپ کو وہم تو نہیں ہو گیا۔[1]

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ آپ کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے اُٹھنا یہ سب تقریباً برابر ہوتا، سوائے قیام کے[2]

حضرت انسؓ کو کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نماز دیکھی گئی اور ان کی تسبیحات رکوع و سجود کا اندازہ دس دس ہیں[3]

ایک دفعہ حضرت انسؓ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر لوگوں کو بتائی جس کو حضرت ثابتؒ بیان کرتے ہیں کہ ویسی نماز تم کو پڑھتے نہیں دیکھتا ہوں۔ وہ (انسؓ) رکوع سے سر اُٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ کہنے والا کہہ اُٹھتا کہ

[1] مشکوٰۃ باب الرکوع [2] ایضاً [3] مشکوٰۃ عن ابی داؤد باب الرکوع

بھول گئے اور پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے اور بیٹھتے تو کہنے والا کہہ اُٹھتا کہ یقیناً وہ آگے بھول گئے ہیں[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :۔

اسوأ الناس سرقة الذی یسرق من صلوتہ قالوا یارسول اللہ و کیف یسرق من صلوتہ قال لا یتم رکوعھا ولا سجودھا (رواہ احمد) (مشکوٰۃ باب الرکوع)	لوگوں میں بدترین چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا نماز کی چوری کیسی ؟ آپ نے فرمایا، نماز کی چوری اس کا رکوع اور اس کے سجدے پورے طور پر ادا نہ کرنا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض امام تعدیلِ ارکان کو فرض تک کہتے ہیں اور وجوب کا درجہ دینا تو لازمی معلوم ہوتا ہے لہٰذا یہ تمام حدیثیں سامنے رکھی جائیں اور تخفیف صلوٰۃ (ہلکی نماز) کا مطلب سمجھیں، مقتدی کے ساتھ ارکان نماز اور حقوقِ نماز کا لحاظ بھی ضروری ہے اسی لئے کہا گیا کہ امام کی ذمہ داری بہت اہم اور نازک ہے اور امام کو جو ضامن کہا گیا ہے اس سے اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں پُورا اتر سکے۔

باطنی اصلاح

جس عظیم الشان عبادت کے ظاہری احکام کی بجا آوری کی تاکید کا یہ عالم ہے بلاشبہ اس کے باطنی احکام کی اہمیت تو اور بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اگر ظاہر کو اعضاء و جوارح کی حیثیت حاصل ہے تو باطن کو قلب کی، پھر اگر قلب ہی میں فساد پیدا ہو جائے تو اعضاء و جوارح کب تک کارآمد رہ سکتے ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے :۔

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (بخاری)	سنو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے جس کی اصلاح سارے جسم کو صالح رکھتی ہے اور اس کا فساد کل جسم کو بگاڑ دیتا ہے اور سنو وہ "دل" ہے۔

[1] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم ۱۲

اس دل پر احسان کی پوری کیفیت طاری ہونی چاہیئے جو جسم کا سلطان ہے، نماز کی حالت میں مسجد کی جماعت یہ محسوس کرے کہ ہم رب العزت کے دربار میں اس کے روبرو کھڑے ہیں اور وُہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اعمال و افعال کو بھی اور دل کی ہر ایک کھٹک کو بھی۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اس احساس کے ساتھ کہ اس کو دیکھ رہے ہو ورنہ وُہ بہر حال دیکھ رہا ہے۔

نمازی کے دل میں جب یہ یقین جاگزیں ہو جائے گا تو وُہ اللہ اکبر کہتے ہی اپنے کو قہار و جبار اور غفور و رحیم مالک کے رُوبرو پائے گا اور اس کی عظمت و جلال اور اس کی رحیمی و کریمی کا پر تو اپنی طرف بڑھتے دیکھے گا، جس سے نمازی کا ظاہر و باطن اطاعت کا مجسمہ بن جائے گا۔ اور دل نورانی کرنوں سے چمک اُٹھے گا۔

خضوع و خشوع اسی کیفیت کا نام اصطلاح میں "خشوع و خضوع" ہے جو عبادت کی جان اور بندگی کی روح ہے، ارشادِ ربانی ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ (مومنون)

ان مسلمانوں نے یقیناً فلاح پائی، جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ خشوع گو صحت نماز کی شرط نہیں مگر قبولیت کی شرط تو بہر حال ہے، چنانچہ بعض مفسرین نے اس کو لکھا ہے۔[1]

خشوع کی حقیقت کیا ہے؟ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:-

اصل الخشوع ھو لین القلب و رقتہ وسکونہ وخضوعہ وحرقتہ فاذا خشع القلب تبعہ جمیع الجوارح والاعضاء لانھا تابعۃ لہ۔ (الخشوع فی الصلوٰۃ ص۲)

خشوع کی اصلیت دل کا نرم ہونا اور اس کا پسیجنا ہے، نیز اس کے اطمینان اور جھکاؤ اور سوزش کا نام ہے، قلب جب جھک پڑتا ہے تو سارے اعضاء و جوارح اس کی پیروی میں جھک پڑتے ہیں کیونکہ یہ سب اس کے تابع ہیں۔

[1] بیان القرآن جلد ۲ ص۹۵

یہ بالکل صحیح ہے کہ اعضاء و جوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں، گویا اس جسم کی دنیا میں دل کو سردار کی حیثیت حاصل ہے جس کے صلاح و فساد کا اثر بقیہ حصّوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے اور جس کی ہر حرکت و سکون کا سایہ ایک ایک عضو پر پڑتا از بس ضروری جیسا کہ ابھی اوپر حدیث نبوی گذری، یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خشوع کا پہلا پُرتو قلب پر پڑتا ہے جس کی طرف حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا :۔

الخشوع خشوع القلب (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۸) خشوع دل کا جھکاؤ پڑنا ہے۔

پھر یہ اثر دل سے اعضاء و جوارح پر پھیل پڑتا ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں پست ہو جاتی ہیں اور دل جھکاؤ کو قبول کرتا ہے[1] اسی علّت کے پیشِ نظر بعض سلف صالحین فرماتے ہیں جب نمازی کو دیکھو کہ وُہ اپنے جسم اور کپڑوں سے کھیل رہا ہے سمجھ لو اُس کا دل خشوع کے اثر سے بیگانہ ہے[2]

خشوع کا حصول | نماز میں خشوع کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ یہ سوال گو اس زمانہ میں اہم ہے مگر جن لوگوں کو ایمان کی حلاوت نصیب تھی اُن کے لئے یہ سوال کوئی خاص سوال نہ تھا ایمان کے ضعف و اضمحلال اور اخلاص و للّٰہیت کے فقدان نے ہمارے لئے دشواری پیدا کر دی ہے ورنہ ہم جس ظاہری اہتمام کے ساتھ مسجد تک پہنچتے ہیں اتنا ہی اہتمام باطن کا ہوتا، تو بھی بسا غنیمت تھا۔ ایمان کی تازگی اور اس احساس کے ساتھ حاضری ہو، کہ دربارِ الٰہی میں جہاں رب العٰلمین جلوہ افروز ہے کھڑے ہیں، یہ دست بستگی اسی کے سامنے ہے ہم اس کے جاہ و جلال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وُہ ہمارے قیام و قرأۃ کو ملاحظہ کر رہا ہے، ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور باطن کو بھی اور اللہ اکبر کہہ کر ہم نے تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے رشتوں کی رگ کاٹ ڈالی ہے اور اپنا رشتہ مالک حقیقی کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس کی عظمت اور کبریائی سامنے ہے اور ہم اس میں گُم ہیں۔

یہ یقین دل کی بھٹی کو تیز کر دے گا، آلائشوں، زنگوں اور میلوں کو خاکستر بنا کر

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۸ [2] الخشوع فی الصلوٰۃ ۱۲

کندن بنادے۔ اور "رب العالمین، الرحمٰن الرحیم، مالک یوم الدین" کے جملوں کیساتھ دل اتھاہ سمندر میں ڈوب جائیگا اور "اہدنا الصراط المستقیم" پر پہنچ کر دل اور اس کا پورا حلقہ امید وبیم اور خشیت ومحبت سے مجبور ہوجائے گا اور ان کلمات کے ساتھ دل کے ساز کا تار تار جنبش میں آجائیگا اور نماز سے جب فارغ ہوچکے گا تو اس کی زبان پر وہی کلمات ہوں گے جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا " جعلت قرة عيني في الصلوٰة "

اس کے لئے جو مانع نظر آئے اسے دفع کرنے کی کوشش کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، اس باب میں کسی چیز کو برداشت نہیں فرمایا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سوال پر فرمایا تھا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا۔

هو اختلاس يختلسه الشيطان	وہ اچک ہے جو شیطان بندہ کی نماز سے اچک
من صلاة العبد (بخاری)	لیتا ہے۔

آپ نے ایسی چیزوں سے بھی اجتناب فرمایا ہے جس سے کسی درجہ میں خلل کا اندیشہ ہوسکتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دروازہ پر ایک خوبصورت باریک پردہ لٹکا رکھا تھا، آپ نے نماز شروع کرنا چاہی تو فرمایا، میرے سامنے سے اپنا یہ منقش پردہ ہٹا لو[1] اسی طرح ایک دفعہ بوٹیدار چادر میں آپ نے نماز ادا کی مگر نماز کے بعد اُسے فوراً بھجوا دیا اور اس کی جگہ سادہ منگوالی اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس چادر نے میری توجہ ہٹادی[2]۔ یہ تو آپ کا اپنا حال تھا، اُمت کو بھی اس ہدایت سے نوازا اور ساتھ ہی ہر ایسی چیز سے اور ہر ایسے فعل سے منع فرمایا جس کو خشوع کے خلاف محسوس فرمایا۔ مثلاً یہ کہ بھوک میں کھانا سامنے آجائے اور طبیعت کا رجحان کھانے کی طرف ہو تو پہلے کھانا کھا لیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، آسمان کی طرف دیکھا نہ جائے، ادھر اُدھر تاکا نہ جائے، جمائی نہ لی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ پاخانہ، پیشاب کی خلش کے وقت فراغت سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے[3]

---

[1] بخاری ومسلم کتاب اللباس ۱۲ [2] مسلم باب کراہیة الصلوٰة فی ثوب لہ اعلام ج ۱ ص ۲۰۸

[3] یہ سب حدیثیں بلوغ المرام باب الخشوع میں دیکھی جائیں۔

استقبال قبلہ اور اس کا اثر نماز میں استقبالِ قبلہ کا حکم اگر ایک طرف نظام وحدت کی ایک کڑی ہے تو دوسری طرف اس میں خشوع وخضوع کا شرعی اہتمام ہے تاکہ دلجمعی پیدا ہو سکے اور ساری جماعت میں یکجہتی ہو۔ مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ نماز میں دخول ظاہری طور پر افعال بالجوارح اور خلاف، ادب کلام باللسان کو حرام کر دیتا ہے اور نماز کی نیت جو باطنی ہے وہ باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرے افکار کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر اللہ سے متعلق ہوں یہ وہ امور ہیں جن کا اہتمام علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ اور صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے دور میں خوب ہی فرمایا اور پچھلوں کے لئے نشانِ راہ چھوڑ گئے

پہلوں کا خشوع ابوداؤد شریف "باب الوضوء بالدم" میں ایک صحابی کا ذکر آیا ہے کہ حالت نماز میں ان کو دشمن کے تیر آ آ کر لگتے رہے، خون بھی نکلا مگر انہوں نے نیت نہ توڑی اور برابر نماز میں اسی طرح مصروف رہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ عمر فاروقؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ امامت کرتے ہوئے آپ کو زخم لگایا گیا، آپ کی جگہ دوسرے نے امامت کی مگر نماز میں کوئی فرق نہ آیا۔

عبداللہ بن الزبیرؓ کا نماز میں یہ حال ہوتا کہ بے حس وحرکت سے معلوم ہوتے دیکھنے والا کہتا یہ بے جان درخت کی لکڑی ہے جس کو ہوا ہلا رہی ہے۔ ایسی محویت ان کو نماز میں ہوتی تھی[1]

ابن سیرینؒ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی خشیت سے اُن کے چہرہ کا خون خشک پڑ جاتا تھا[2]

حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ جب نماز میں داخل ہوتے تو محویت وخشیتِ الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ کوئی بھی آہٹ آپ کو سُننے میں نہیں آتی۔[3]

حضرت عامر بن قیسؓ کے متعلق بیان ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نماز پڑھتے ہوئے

---

[1] احکام القرآن لابن العربی سورہ مؤمنون ۱۲ [2] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد ۱۲

[3] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد۔

میری گردن پر خنجر چل جائے تو یہ برداشت، مگر یہ برداشت نہیں ہے کہ نماز میں دنیا کے معاملہ میں فکر کروں[1]

حضرت سعید بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں دنیا کی فکر میرے دل میں پیدا ہوئی ہو[2]

خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس اہتمام سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شعبہ میں پیروی کرتے ہیں کہ آپ کا نماز میں یہی عالم ہوتا تھا ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہیں اور آپ کا سینہ ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہے اور آہ و بکا کا ایک شور سا بپا ہے، اس کی آواز عرش معلیٰ تک اپنا اثر قائم کر رہی ہے یہ اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے اور یہ سب کیوں نہ ہو جب کہ ساری عبادت و اطاعت کی جان یہی اخلاص ہے

" اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (اعراف ۲)

اس اثر کے رسوخ کے لئے ریاکاری، دکھاوا، شہرت اور عزت کے سارے بُت پاش پاش کر دیئے جائیں جو راستہ کا پہاڑ ہیں اور گمراہی کا سرچشمہ، قرآن نے پکار کر کہا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ	ان نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی
صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ	نمازوں سے بے خبر ہیں اور جو اپنی نمازوں
يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ	میں ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز بھی
(ماعون)	کو روکتے ہیں۔

دربارِ الٰہی اسلام کی نظر میں

مساجد کے اجتماعی نظام کی مختصر تفصیل گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائی جس سے ان گھروں کی دینی اور دنیوی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اُن کا وجود ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے اور قدرت نے اس سلسلہ کو قائم و دائم فرما

[1] کتاب اللہ [2] الامام احمد ۱۲ [3] ایضاً۔

کہ ہم پر کتنا احسان کیا۔

اب بتانا ہے کہ اسلام نے ان مقدس درباروں کو کیسے سراہا ہے اور اُن کی قدر و منزلت کس پیرایہ میں بیان کی ہے۔ یکسر اُن کو مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں دیکھئے اور کتاب الٰہی میں تلاش کیجئے۔

قرآن میں تذکرہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں کتاب الٰہی کی چند آیتیں درج کیجاتی ہیں جن میں صاف لفظوں میں اُن کی شرافت و قبولیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اُن کی ظاہری و باطنی وقعت کی طرف اشارہ ہے۔

مساجد خدا کی ہیں دنیا اور دُنیا کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور سب کی سب اُسی کی قدرت سے خلعتِ وجود سے ممتاز ہیں، دُنیا کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کو کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نہیں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ خود کہہ دے "یہ میرا ہے" اس کی قسمت کا کیا کہنا، اس کی عزت و قبولیت اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیتی ہے، جو دوسرے کے حصہ میں نہیں ہے۔ انہی میں یہ مقدس دربار بھی ہیں جن کو ہم مسجد کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اُن کی نسبت رب العزت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور اُن کو اپنے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا ہے، جس میں کسی اور کی شرکت منظور نہیں۔

إِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا (جن-۲)	مسجدیں اللہ ہی کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

بلاشبہ یہ نسبت ساری دوسری نسبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس نسبت سے جو شرافت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے وہ اور شرافتوں سے بالاتر، پھر تخصیص کی مزید عزت اس کی وقعت اور اہمیت کا زبردست مظاہرہ ہے۔

مساجد کی خدمت کسی کو جب اپنا بنا لیا جاتا ہے تو پھر یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کو اس کے حوالہ کر دیا جائے جو اس کا مخالف ہو، کیونکہ جب اس کو مالک سے عقیدت نہیں دل میں اس کی خشیت و محبت نہیں اور وہ اس کے احکام پر اطاعت کا سر رکھنے والا نہیں ہے تو یقینی طور پر وہ اپنی مفوضہ خدمت کو بحسن و خوبی ادا کرنے میں کوتاہی سے

کام لے گا، پس یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مشرکوں اور نافرمانوں کو جب مسجد کو اس کے مالک سے قلبی لگاؤ نہیں تو اس مسجد کی خدمت رب العزت اُن کے ہاتھ میں کیونکر چھوڑے گا،

ارشاد فرمایا:۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ۔ (توبہ۔۲)	مشرکوں کی لیاقت نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جس حالت میں کہ وُہ اپنے اُوپر کفر و انکار کا اقرار کر رہے ہیں۔

یہ دربارِ الٰہی کے احترام کا اظہار ہے تاکہ ان گھروں کی قدر و منزلت دلوں پر نقش ہوجائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، اُن کی وہی خدمت کریں جو خدا کے دوست ہوں جن کے دل میں اس کی خشیت و محبت گھر کرچکی ہو تاکہ وُہ ان کے بنانے میں عقیدت و محبت کی پونجی صرف کرسکیں اور یہ سمجھ کر خدمت کیلئے کمر باندھیں کہ یہ دنیا کے پروردگار کا گھر ہے اور اس کے جاہ و جلال اور عرض و نیاز کا دربار۔

حق خدمت مومن کامل کو یہی وجہ ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام نے جن کو حق تعمیر بخشا ہے ان کے لئے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کی پابندی رکھی ہے، یعنی ان کا دل اور باطن بھی مومن ہو اور ظاہر اور جسم بھی، قلب ایمان کی دولت سے معمور ہو تو جسم عمل کی دولت سے مالا مال۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (توبہ۔۲)	اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں پس انہی سے توقع ہے کہ مقصود کو پہنچ جائیں۔

"ایمان باللہ" لاکر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کو سچی عقیدت ہو، اور اپنے کو صحیح معنی میں احکام الٰہی کے تابع قرار دے لے اور "آخرت پر ایمان" سے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ اس کو اپنے سارے کاموں کے حساب کتاب کی ذمہ داری کا پورا احساس بھی ہو اور

پھر اس میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب و عقاب کا یقین بھی، یہ دل اور نیت کی اصلاح کی شرط ہے، باقی ظاہری طور پر بھی وہ ایسا ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو، بدنی اعتبار سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی جس کو "اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کاموں میں شہرت و عزت اور ریا و سمعہ کا فریب آجاتا ہے اس لئے یہ بھی فرما دیا گیا کہ یہ سب کسی اور کے خوف سے نہ ہو بلکہ جو کچھ رب العزت کی خشیت سے ہی ہو جس کو "وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ" کے مختصر جملہ میں بیان فرمایا ہے، ماحصل یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت چاہے وہ ذہنی ہو چاہے خارجی اللہ تعالیٰ کی خشیت غالب رہے۔

کوئی جب ان ساری خصوصیتوں سے سرفراز ہو کر دربارِ الٰہی کی خدمت انجام دے گا تب کہیں جا کر وہ اس کام میں حق راستہ کو پائے گا اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ ان میں سے شاید کوئی خصوصیت بھی مشرک میں نہیں پائی جاتی، بخلاف مومن کے، کہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ان کا حامل ہوتا ہے۔

بار بار غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کی خدمت کے لئے ان قیود کو کیوں بیان فرمایا، کیا ان سے مسجدوں کی عظمت و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

يَعْمُرُ کے معنی یَعْمُرُ کا لفظ بہت سے معنوں کو شامل ہے۔ کرخی فرماتے ہیں:۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مساجد اللّٰه ای نجو البناء	انما یعمر مساجد اللہ کے معنی ہیں جیسے بنانا
والتزين بالفرش والسراج وبالعبادة	فرش اور روشنی سے زینت دینا، عبادت کرنا اور
وترك حديث الدنيا (جمل ج ۲ ص ۲۷۰)	دنیا کی باتیں مسجد میں نہ کرنا۔

مسجد کی تعظیم و تکریم اور اس میں عبادت

اوپر کی آیتوں میں مسجدوں کی بنیادی حیثیت ظاہر کی گئی ہے اب ان کے عملی پہلو پر نظر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے کیا مقصد رکھا ہے اور وہ ان گھروں میں کیا چاہتا ہے کیونکہ کسی چیز کی تعمیر خود مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے مصالح و حِکم مطلوب ہوتے ہیں، ارشادِ ربانی ہے۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ	ان گھروں میں حکم دیا اللہ نے کہ ان کی تعظیم
فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ	کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے

(نور - ۵) اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کریں۔

اس آیت میں "بیوت" سے مراد مسجدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی تعمیر کے بعد یہ فریضہ ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کا حق ادا کریں اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی رہے اور دن رات اس کی تقدیس بیان کیجائے اور ہمہ دم اُسے تسبیح وتہلیل سے آباد رکھا جائے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر مسجد کا حق پُورا پُورا ادا نہ ہوا اور یہ سب اس طرح سے ہو کہ دل ودماغ پر یہ امر مستحضر رہے کہ ہم اللہ کے گھر میں ہیں، تاکہ دربار الٰہی کے آداب میں فرق نہ آنے پائے، بلکہ آداب کا خیال اس کی لذت کو دوچند کر دے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کو یقین کر لینا چاہیئے کہ تعظیم وتکریم کے لوازمات اس کو میسر نہیں ہیں۔

بہرحال یہ بات تو روشن ہو گئی کہ مسجدوں کا وجود اس لئے عمل میں آیا کہ ان میں ذکر اللہ کی گونج ہو اور ان میں پہنچ کر رب العزت کا دھیان تازہ ہو جائے، اور جس جگہ اتنا اہم کام ہو بلکہ اسی لئے اس کا وجود عمل میں آیا ہو اس کی اہمیت کتنی ہو گی، یہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

اخلاص وللہیت پھر اللہ کی یاد ہو تو کس طرح ؟ کہ ظاہر سے زیادہ باطن پر اثر انداز ہو، یادِ الٰہی میں یہاں کسی کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہونے پائے، اور دل اخلاص کے اتھاہ سمندر میں ڈوبا ہو، یادِ خدا جہاں بھی ہو لیکن خصوصیت سے اس جگہ اور بھی خلوص وللہیت کا جذبہ کار فرما ہونا چاہیئے کہ یہ دربارِ الٰہی ہے اور محبوب حقیقی کا جلوہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

وَّاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (اعراف - ۳)

اور تم اپنا چہرہ ہر مسجد کے پاس سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلص بن کر کیا کرو۔

مسجدوں کی بڑائی کے ذکر کا یہ بھی ایک پیرایہ ہے کہ وہاں پہنچ کر دل میل کچیل سے پاک کر لو اور نیت کے کل پُرزے اخلاص کے آبِ زمزم سے دھو ڈالو تاکہ کہیں سے شرک کی بُو نہ آنے پائے کیونکہ یہ وُہ دربار ہے جہاں خدا سے سرگوشی ہوتی ہے اور وُہ گھر ہے جس کو دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہیں۔

طہارت و نفاست باطن میں جس عقیدہ نے جڑ پکڑ لی۔ ظاہر میں اس کے برگ و بار پیدا ہونے ضروری ہیں جس کی عزت ہم دل میں کریں گے یقینی طور پر عمل سے اس کو ظاہر بھی کرنے کی کوشش کریں گے یہی وجہ ہے کہ درجۂ کمال میں ایمان و اسلام ایک ہو جاتے ہیں۔ ایکطرف تصدیق بالجنان کا حکم ہے تو دوسری طرف عمل بالجوارح کا بھی مطالبہ موجود ہے، تو جب قرآن نے مساجد کے باطنی احترام کا حکم فرمایا لہذا ساتھ ہی ظاہری اہتمام کو بھی نہ چھوڑا، ارشاد فرمایا:

يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ۳)	اے آدم کے بیٹو! مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔

یعنی جب عرض و نیاز کے لئے مناجات و سرگوشی کے لئے دربارِ الٰہی میں آؤ تو صاف ستھرا لباس زیب تن کر لیا کرو جو پاک و صاف اور شرعی حدود کے مطابق ہو، تم احکم الحاکمین کے سامنے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہو تو ظاہری آداب کا بھی پورا پورا لحاظ رکھو تا کہ ظاہری طور پر بھی کسی کو بے ادبی کا شبہ نہ ہو سکے، یہ درست ہے کہ وہ پہلے دل کی گہرائی کو دیکھتا ہے مگر دل کی صفائی کا اثر جسم پر ہونا بھی ضروری ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ دل کی ویرانی کے ساتھ جو زیب و زینت ہوتی ہے وہ کسی درجہ میں مطلوب نہیں لیکن موجودہ دور میں دین کی رسمی محبت کی وجہ سے لباس میں جو بے پروائی ہوتی ہے وہ بھی کسی درجہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اس آیت سے مسجد کے لئے حسن ہیئت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے جو مسجد کی بزرگی و احترام کا ایک دلنشین طریقہ ہے، تفسیر ابن کثیر میں ہے، اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے وقت ہیئت اچھی سے اچھی ہونی چاہیئے [1]

صاحب تفسیراتِ احمدی لکھتے ہیں:۔

ومن السنة ان ياخذ الرجل احسن هيئة للصلوٰة وفيه دليل على وجوب ستر العورة فى الصلوٰة (ص ۲۲)	سنت ہے کہ نماز کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت اختیار کرے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔

[1] ابن کثیر ج ۱۲ ص ۲۱۰

بہر حال قرآن پاک نے مسجدوں کی تعظیم وتکریم کے دونوں پہلو بیان کئے ہیں اور ان کی قدر ومنزلت کو ہر طرح ذہن نشین کرنا چاہا ہے۔

مسجد کا مخالف سب سے بڑا ظالم ہے، مسجدوں کی عظمتِ شان کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جو ان کی مخالفت کرے وہ عنداللہ معتوب قرار پائے اور واقعہ ہے کہ جس کو خدا ظالم کہے اس سے بڑھ کر معتوب اور کون ہو سکتا ہے چنانچہ ایک آیت میں یہی بیان ہے کہ جو دربارِ الٰہی کی مخالفت کسی طرح بھی کرتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں، کیونکہ اُن کی عظمت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان میں داخل ہو تو خشیتِ الٰہی اس پر چھائی ہو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ط اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (البقرہ۔ ۱۴)	اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالےٰ کی مسجدوں میں ذکر اللہ کو بند کرا دے اور اس کی ویرانی کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے باک ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے، ان کی دُنیا میں بھی رسوائی ہوگی، اور آخرت میں بھی اُن کی سزا سخت ترین ہوگی۔

شانِ نزول میں اگرچہ آیت خاص ہے مگر اپنے حکم میں عام ہے اور تمام مسجدوں کا یہی حکم ہے، جو بھی مقاصدِ مساجد کی تکمیل میں مانع بنے گا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو قصداً روکے گا۔ موردِ عذاب ہو گا اور عنداللہ وہ بڑا ظالم قرار پائے گا، اس میں شبہ نہیں ہے کہ اپنے حال کے اعتبار سے کفروشرک ہی ظلم عظیم ہے مگر اس لحاظ سے کہ تخریب مساجد کے خواہاں دوسروں کو ہدایت سے روکتے ہیں اور اسلام کے ایک بڑے شعار کو مٹاتے ہیں وُہ اپنے اس فعل میں کفروشرک سے بھی بڑھ کر بُرے کام کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دربارِ الٰہی روئے زمین پر اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں مساجد کی اہمیت کا ایک اور طرزِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ رب العزت ان مقدس گھروں کی حفاظت ونگرانی فرماتا ہے۔ کوئی قوم جب

حد سے تجاوز کرتی ہے اور معابد کے مٹانے کے درپے ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے اور اس طرح اپنے معبدوں کی نگرانی کر کے اُسے بچا لیتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ	اگر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں میں ایک دوسرے
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ	کا زور نہ گھٹاتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نصاریٰ
وَصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا	کے عبادت اور خلوت خانے اور یہود کے عبادت
اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا۔	خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں بکثرت
(حج - ۶)	اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ منہدم ہو گئی ہوتیں

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں اس وقت کی شریعت کے مطابق جو گھر بھی بنائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو دشمنوں کے دست برد سے بچایا اور ہمارا یہ دور جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا دور ہے اور یہ آخری شریعت ہے اس کے مطابق جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے گھر ہیں اُن کی منجانب اللہ حفاظت ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، بعض حفاظت ایسی ہوتی ہے جس کو ہم محسوس نہیں کر پاتے ہیں اور بعض کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں تاریخ میں مسجد حرام پر ابرہہ بادشاہ کے حملہ کی داستان تازہ ہے اور اس کا جو حشر ہوا وہ قرآن پاک جیسی اَن مٹ کتاب میں مندرج ارشادِ ربانی ہے۔

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (الم ترکیف)

یہ کس قدر کھلی حفاظت تھی جو تاریخ میں اب تک تازہ ہے۔

مسجد سے متعلق قرآن پاک کی یہ چند آیتیں جو مصرح ہیں پیش کر دی گئیں، ضمناً جو تذکرہ آیا ہے اُسے یہاں نظر انداز کر دیا گیا، ان میں بار بار غور کیجیے اور ہر پہلو سے ان میں فکر و نظر سے کام لیجیے۔

احادیث میں فضائل اب آیئے رحمتِ عالم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ کر لیں تاکہ ان درباروں کی وقعت و حرمت کھل کر سامنے آجائے اور جو پہلو اجاگر نہ ہو سکا ہے اس پر

ایک ہلکی روشنی پڑ جائے، کیا عجب ان سے وہ گرہیں کھل جائیں، جواب تک نہ کھل سکی تھیں۔

مسجد اللہ کو پیاری ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب العزت کے یہاں شہروں میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین بازار[1]

مسجد میں آنیوالے اللہ کے مہمان ہیں ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح و شام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے جو جنت میں صبح و شام مہمانی پیش کی جائیگی[2] مسجدیں چونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتی ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ عموماً میزبان مہمان کی دعوت کرتا ہے، تو بات سمجھنے کی ہے کہ نمازی حکماً اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوئے، لہٰذا اللہ تعالیٰ یہاں کے بدلہ وہاں جنت میں مہمانی پیش کرے گا۔

نورِ کامل کی بشارت ایک بار آپ نے ان لوگوں کو جو تاریکی میں مسجد حاضر ہوتے ہیں نورِ کامل کی بشارت سنائی۔

بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامہ، رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب المساجد)	تاریکی میں مسجد جانے والوں کو نورِ کامل کی بشارت دو جو قیامت کے دن حاصل ہوگا۔

مسجد کی حاضری رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے، ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں اس دن پناہ دے گا جس دن اُس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ ہی نہ ہوگا، ان سات میں ایک وہ شخص ہوگا کہ وہ جب مسجد سے نکلتا ہے، تو واپسی تک اُس کا دھیان اسی طرف لگا رہتا ہے[3] ایک حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہُوا، وہ اللہ تعالےٰ کی پناہ میں ہے۔ رب العزت اُسے نقصان، خسران وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو دیکھو کہ مسجد سے محبت کرتا

[1] مسلم باب فضل المساجد ص ۲۳۶ ج ۱ [2] مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ عن البخاری والمسلم [3] مشکوٰۃ باب ایضاً

ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے، اس کے مومن ہونے کی شہادت دو[1]

حدیث میں "تعاهد" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مسجد کی نگہداشت و خبرگیری کرنا، اس کی محافظت و مرمت کرنا، جھاڑو دینا، نماز پڑھنا، عبادت میں مشغول رہنا، ذکر کرنا، علوم دینی کا درس دینا ہے[2]

مجاہد فی سبیل اللہ | ایک دفعہ آپ نے مسجد جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ رحمت الٰہی میں غوطہ لگانے والے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں[3]

مساجد اللہ کے گھر ہیں | مسجدوں کی عظمت کو مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ان کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

المساجد بیوت اللہ وقد ضمن	مسجدیں خانۂ خدا ہیں، اور یہ جس کا گھر ہے
اللہ لمن کانت المساجد بیتہ	اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہربانی، آرام اور
بالروح والراحۃ والجواز علی	پل صراط سے گزار کر جنت میں پہنچانے کی
الصراط الی الجنۃ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۴۷)	ضمانت لی ہے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ، گھر اور چہار دیواری میں سکونت کا محتاج ہے، ان تمام چیزوں سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، مطلب یہ ہے کہ ان گھروں پر اس کا خاص فیضانِ رحمت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں مسجدوں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے۔

مساجد جنت کے باغ ہیں | ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دلنشین طریقہ سے فرمایا تم جب جنت کے باغوں سے گزرو تو آسودہ ہو کر کھا پی لو، صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ جنت کے باغات کون ہیں؟ ارشاد ہوا "مساجد" پھر پوچھا گیا، آسودہ ہو کر وہاں کھانا کیونکر؟ ارشاد فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد[4]

مساجد دنیا کی بہترین جگہ | دربار رسالت میں ایک یہودی پہنچا اور اس نے پوچھا کہ دنیا

---

[1] ایضاً عن ابن ماجہ وغیرہ [2] مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی ج ۳ ص ۱۴ [3] کنز العمال جلد ۴ ص ۱۱۵ [4] مشکوٰۃ باب المساجد عن الترمذی۔

میں سب سے بہتر جگہ کون سی ہے ؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر سکوت فرما لیا اور کہا میرا یہ سکوت روح الامین کی آمد تک ہے، آپ ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت جبریل امین ؑ تشریف لے آئے، حضور فرماتے ہیں کہ میں نے وُہ سوال اُن پر پیش کر دیا، جبریل امین ؑ فرمانے لگے میرا علم اس سلسلہ میں آپ سے زیادہ نہیں ہے، ہاں پروردگارِ عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں حضرت جبریل ؑ آکر کہنے لگے اے اللہ کے پیارے رسُول ! دربار ایزدی میں حاضر ہُوا، اور اس قدر قریب ہُوا، جتنی قربت کبھی نہیں ہُوئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا وُہ نزدیکی کیسی تھی، رُوح الامین نے جواب دیا۔ میرے اور رب العزّت کے درمیان ستر ہزار نوری پردے حائل تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی بدترین جگہ بازار ہیں اور اس کی بہترین جگہ " مساجد"۔[1]

مسجد کی برکت حضرت معاذ بن جبلؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک دن خلافِ معمول صبح کی نماز میں تاخیر ہوگئی، معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب نکل آئے گا، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی، سلام پھیرتے ہی آواز دی۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہُوں، بات یہ ہوئی کہ میں رات میں نیند سے بیدار ہُوا، جو کچھ نماز میرے لئے مقدّر تھی وضو کر کے ادا کی، پھر حالتِ نماز ہی میں غنودگی کی کیفیّت طاری ہو گئی اور بوجھل سا ہو گیا کہ معًا اپنے کو پروردگارِ عالم کے پاس پایا جو اپنی احسن صفت کے ساتھ جلوہ گر تھے۔ ارشادِ باری ہُوا۔" اے محمدؐ! میں نے کہا " لبیک ربّ" حکم ہوا، بتاؤ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس باب میں جھگڑتے ہیں" اس سوال کو تین بار فرمایا، میں نے ہر بار یہی کہا " لا ادری" (میں نہیں جانتا) آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت مجھ پر ڈالا تا آنکہ اس کا نمایاں اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی، اور میں نے اُن کو خوب اچھی طرح سے جان

[1] مشکوٰۃ باب المساجد عن ابن حبان ۱۲

لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اے محمد! آپ کہتے ہیں کہ میں نے لبیک کہا۔ حکم ہُوا ملاءِ اعلیٰ کس بات میں اُلجھ رہے ہیں۔ اب میں نے کہا" کفارات میں" یعنی گناہوں کا کفارہ کون عمل بنتا ہے) ارشادِ باری ہُوا، وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب میں کہا۔

۱۔ کھانا کھلانا (مسکینوں محتاجوں کو)

۲۔ نرمی سے بات چیت کرنا (زیر دستوں اور ٹوٹے ہوئے دل والوں سے)

۳۔ اور نماز پڑھنا راتوں میں، جب لوگ خواب استراحت کے مزے لوٹ رہے ہوں پھر آپ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مانگو جو چاہتے ہو، آپ فرماتے ہیں، کہ میں نے اس وقت یہ دعا مانگی:۔

"اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَۃً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَمَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ۔"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، یہ سب حق ہے پس اسے یاد کرلو اور پڑھو[1]

مساجد شعارِ اسلام مسجد شعارِ اسلام سے ہے، حدیث میں ہے کہ تم جب کوئی مسجد دیکھ لو یا اذان سُن لو تو پھر قتال نہ کرو، دوسرے یہ کہ مسجد محل صلوٰۃ اور مرکز عبادت ہے جہاں رحمتِ الٰہی کا ہمیشہ ترشح ہوتا رہتا ہے اور یہ مسجد اسی وجہ سے کعبہ کے مشابہ ہو جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو پاک وصاف ہوکر گھر سے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے[2]

نیت کی پاکی حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جو میری اس مسجد میں پاک اور اچھی نیت سے آتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی مانند ہے اور جو کسی اور نیت سے آتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہو[3]۔ ایک دفعہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جس ارادہ سے آتا ہے وہی اس کے حصہ میں آتا ہے[4]۔

---

[1] مشکوٰۃ باب المساجد عن الترمذی و احمد [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل صہ ۱۹۲ [3] مشکوٰۃ باب المساجد۔
[4] ابوداؤد و باب فضل القعود فی المسجد

صاحب اشعۃ اللمعات نے " انما الاعمال بالنیات " والی پہلی حدیث کے ضمن میں مثال دے کر بتایا ہے کہ مسجد میں کتنی مختلف نیتوں سے آدمی آسکتا ہے اور پھر ہر ایک کا اجر بتایا ہے اور تمام نیتوں کا اجر حدیث ہی سے ثابت کیا ہے، تفصیل دیکھنا ہو تو وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن اور احادیث میں مسجدوں کے متعلق جو کچھ آیا ہے اُمید ہے اس کا خلاصہ اس مختصر مضمون میں آگیا ہے، دانا و بینا اور عقل والوں کے لئے اس میں بڑی وسعت ہے یہ جو کچھ لکھا گیا وہ یکسر مساجد کے متعلق ہے، مگر مسجد کی عظمت ایک اور طریقہ سے بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیے کہ یہ عظیم الشان دربار، دینی اور دنیوی اعتبار سے کتنا بلند ہے۔

مسجد کی قربت اس گھر کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ اس کا فیض کرم پڑوس کو بھی نہیں محروم کرتا، رحمت کی چھینٹیں اُڑ کر اُن پہ بھی پڑتی رہتی ہیں، جس سے اُن کا درجہ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، ارشادِ نبوی ہے :-

فضل الدار القریبۃ من المسجد علی الشاسعۃ کفضل الغازی علی القاعد۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۳۵)	مسجد سے جو گھر قریب ہیں اس کی، فضیلت دُور والے گھر پر ایسی ہے جیسی غازی کو گھر بیٹھنے والے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

دیکھا آپ نے کہ پڑوس کا مرتبہ بھی کتنا اُونچا ہو گیا، یہ قریب اور آس پاس کے مکانات اپنے دوسرے مکانات سے سبقت لے گئے اور ایسا کیوں نہ ہو، جہاں رحمت الٰہی کی بارش ہوتی ہے، جو جلوہ گاہِ خدا ہے اور جس کو دنیا کی جنت کہا گیا ہے۔ یقیناً اس کا پڑوس بھی اس سے کچھ نہ کچھ نفع اندوز ہو گا ہی۔

تسکین خاطر مگر اس کے ساتھ قدرت کا یہ انصاف بھی ہے کہ جو دُور رہتے ہیں اُن کو بھی محروم نہیں کیا ہے بلکہ اُن کو بھی کسی نہ کسی طرح یہ حصہ عطا کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

ان اعظم الناس اجراً فی الصلوٰۃ ابعدھم الیھا ممشی فابعدھم والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلیھا ثم ینام (مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد وفضل المشی الیھا صفحہ ۲۳)	زیادہ اجر ان کے لئے ہے جو دُور دُور سے چل کر آتے ہیں اور جو مسجد آکر جماعت نماز پڑھتے ہیں وہ تنہا نماز پڑھ کر سونے والے سے بہتر ہیں

اس حدیث میں ان کے لئے تسلی و تسکین کا مواد فراہم کیا گیا ہے جو مسجد سے دُور بستے ہیں اور پڑوس کی محرومی کا تدارک اس ثواب عظیم سے کیا گیا ہے جو دُور سے چل کر آنے میں ہوتا ہے اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوئی قدم ثواب سے خالی نہیں ہے، مسجد میں آمد کا ثواب | حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ہمارا گھر مسجد سے دوری پر تھا، ایک موقع سے میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجد نبوی کے پڑوس میں جس حد تک ممکن ہو بسوں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا:-

ان لکم بکل خطوۃ درجۃ (مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد ج ۱ صفحہ ۲۳۵)	بے شک تمہارے لئے ہر قدم پر ایک درجہ ہے۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ مسجد نبویؐ کے پڑوس میں کچھ جگہ خالی ہوئی۔ قبیلہ بنو سلمہ جو مسجد سے دُوری پر آباد تھا اُس کا ارادہ ہُوا کہ پڑوس میں آکر آباد ہو اور پہلی جگہ چھوڑ دے یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپؐ نے ان سے اُس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپؐ نے جب اُن کا یہ ارادہ دیکھا تو اُن سے کہا:-

یا بنی سلمۃ دیارکم تکتب آثارکم۔ (مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد و فضل المشی الیھا ج ۱ صفحہ ۲۳۵)	اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں کو لازم پکڑو، تمہارے نشان قدم لکھے جائیں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہُوا کہ آپ نے ان کو ترغیب دی کہ جہاں تھے وہیں رہیں، دُوری سے نہ گھبرائیں، یہ دُوری بھی باعث ثواب بنتی ہے یعنی وہاں سے چلکر جب مسجد آنا ہوتا ہے تو چلنا زیادہ پڑتا ہے اور اسی اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ

یہاں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک پُر لطف بات ہے کہ آدمی جب گھر سے باوضو مسجد کے لئے نکلتا ہے تو گویا وُہ نماز ہی میں ہوتا ہے، اس طرح اجر میں کچھ اور اضافہ کی توقع ہے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:۔

الابعد فالا بعد من المسجد اعظم اجرًا (ابوداؤد باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوٰۃ)	مسجد سے جو جس قدر دور ہوتا ہے اور وُہ آتا ہے اس کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔

حضرت اُبیؓ بن کعبؓ ایک انصاری کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صاحب میرے علم میں مسجد سے (نمازیوں میں) سب سے دُور رہتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت بہ پابندی مسجد حاضر ہوتے تھے، کبھی بھی اُن کی جماعت نہیں چھوٹتی تھی، ایک مرتبہ اُن سے کہا گیا، کہ کاش آپ سواری کے لئے ایک گدھا خرید لیتے تاکہ آپ کو رات کی تاریکی اور تپتے دن میں مسجد آنے میں آرام رہتا، انہوں نے یہ سُن کر فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں مسجد کی بغل میں ہوتا اور چلنے کی مشقت سے بچتا، بلکہ میری تو خواہش یہ ہے کہ آنے جانے میں جو قدم اٹھیں ان کے تمام نشانِ قدم میرے نامۂ اعمال میں لکھ دیئے جائیں، آنے کے بھی اور واپسی کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا، آمد و رفت دونوں کے ثواب اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کیئے[1]

ایک دفعہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب کوئی پاک و صاف ہو کر باوضو کسی مسجد کے لئے چلتا ہے کہ فریضہ ادا کرے تو ایسے شخص کا ایک قدم گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا درجہ کی بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے[2]

سفر کی واپسی میں مسجد کی حاضری مساجد کی ایک عظمتِ شان یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس ہوتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے، وہاں لوگوں سے مل جل کر گھر تشریف لیجاتے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا واپسی سفر پر یہی دستور ہو گیا تھا کہ مسجد میں اُترتے، نماز ادا کرتے

[1] مسلم باب فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ فی جماعۃ الخ ج ۱ ص ۲۳۵ [2] ایضاً۔

پھر منزل مقصود کی طرف چلتے اب بھی مسلمانوں کے لئے یہی طریقہ مسنون ہے[1]

اعتکاف جو ایک سنت طریقہ ہے اور بیش قیمت فوائد پر مشتمل ہے اس کے لئے بھی مسجد شرط ہے۔

اجتماع کے مرکزی گھر اور اسکی تعمیر

اب تک جو کچھ لکھا گیا، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ قدرتی اجتماعی نظام کے لئے مرکزی گھروں کا ہونا ضروری ہے جس کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہی ہو چکی تھی اور وہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر پھیل گیا اور ہر پہلو سے مکمل ہو گیا۔

مرکزی گھروں کی تعمیر اب یہاں اس بات کی تفصیل کرنی ہے کہ اس گھر کی تعمیر میں کن امور کا لحاظ ضروری ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے زمانہ میں ان مرکزی مکانوں کا اہتمام ایک مستقل نظام بن گیا، آپ نے ان کے بنانے کا عام حکم دیا، اس طرح کہ کوئی آبادی جہاں آپ کے ماننے والے ہوں ان گھروں کے وجود سے خالی نہ ہو، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ،

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور (ابوداؤد باب اتخاذ المسجد فی الدور) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام محلوں میں مسجد بنائی جائے۔

چنانچہ آپ نے بھی ان گھروں کو ہر مسلم آبادی میں قائم کیا اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کرام نے بھی، گذر چکا ہے کہ مسجد قبا اور مسجد نبوی تو خود آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنائی اور دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے گاؤں میں مسجدیں بنائی ہوں گی اور آپ کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ حکم ہر جگہ بجا لایا گیا، کوئی ایسی جگہ تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گذری جسے مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں فتح کیا ہو اور اس میں مسجد نہ بنی ہو فتوح البلدان اٹھا کر دیکھیے، ہر آبادی میں آپ کو مسجد نظر آئے گی، حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فرمان اب بھی کتابوں میں موجود ہے۔

---

[1] مسلم باب استحباب رکعتین فی المسجد لمن قدم سفرہ ج ۱ ص ۲۴۸۔

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمرؓ امر المسلمین ان یبنوا المساجد (کشاف ج ۱ ص ۴۰۴ و تفسیرات احمدی ص ۲۴۳)

حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب مسجدیں بنائیں۔

یہ حکم صرف حکم ہی نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوا اور ہر گوشۂ ملک میں مسجدوں کی تعمیر عمل میں آئی، جو اجتماع کے مرکزی گھر کہے جاتے ہیں، انہی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنہوں نے یہ حکم دیا تھا بہت سی مسجدیں بنائی گئیں۔ مؤرخین نے ان کی تعداد چھ ہزار کے قریب لکھی ہے۔ یہ وہ تعداد ہے جو ان کو فراہم ہوسکی ہے ورنہ امید یہی ہے کہ اس سے زیادہ مسجدیں بنی ہونگی اس تعداد میں یہ بھی تفصیل ہے کہ ان میں سے دو ہزار کے قریب جامع مسجد تھیں[1]۔

بہرحال یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہمیں صرف اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اجتماع کے یہ مرکزی گھر (مسجد) بکثرت بنائے گئے۔

تعمیر مسجد کی ضرورت کوئی شبہ نہیں کہ نماز ہر پاک جگہ پڑھنے کی اجازت ہے اور امت مرحومہ کے لئے تمام زمین مسجد ہے، شریعت محمدی میں وہ تنگی نہیں ہے جو پہلی شریعتوں میں پائی جاتی تھی بلکہ یہاں حکم ہے۔

جعلت الارض کلہا مسجدا وطہورا وایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل (بخاری باب قول النبی صلعم جعلت الارض الخ)

تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے، میری امت کے جس فرد کو جہاں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لے۔

بندوں کے لئے کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت سے غافل رہیں، وقت آئے اور گزر جائے مگر بندہ یہ بہانہ کرکے کہ "مسجد نہ تھی" اپنی پیشانی خدا کے آگے نہ رکھے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جہاں وقت آجائے وہیں وضو کرکے یا شرعی مجبوری میں تیمم کرکے نماز ادا کرے مسجد وہاں ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ تمام زمین پاک ہے۔

مگر اسلام کا قانون عام مقتضی تھا کہ تنظیم و ضبط اور مسلمانوں کی قوت اجتماعی برقرار رکھنے کے لئے کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جو بکھری ہوئی بھیڑ اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کر

[1] جامع التواریخ ص ۳۳

دے اور انتشار و تشتت کی راہ پر آہنی پھاٹک لگا دے تاکہ نفرت و عداوت اور پھوٹ کی لعنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے جو کسی قوم کی مٹی پلید کرنے کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ شریعت مطہرہ نے مسجدوں کے نام سے اس اجتماعی اور دینی نظام کو قائم کیا اور اس کے قائم کرنے کا ہر ایک مسلمان کو حکم دیا، اور دن رات کے پانچ وقتوں میں ان میں حاضری ضروری قرار دی اور ان گھروں کی حیثیت ایسی رکھی کہ کسی کو آنے میں عار نہ ہو اور نہ بندگی کی ادائیگی میں شرم اور نہ کسی کے لئے یہ گنجائش باقی رکھی ہے کہ وہ کسی کو اس گھر کی حاضری سے روک سکے۔

ان گھروں کا زیادہ تعلق عبادات سے رکھا گیا ہے لغویات کی یہاں مطلق گنجائش نہیں ہے، چنانچہ مسجد کی تعریف ہی یہ کی گئی کہ مسجد اس گھر کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہو[۱] اور فقہائے نے تو اس کو نماز کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے[۲]۔

کوئی شبہ نہیں کہ بقول فقہا مسجد کا بڑا کام نماز کی ادائیگی ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دین کے دوسرے کام اس میں جائز نہیں ہیں ہم شروع میں اس طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا بہت سارا کام اسی مسجد سے لیا ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ مسلمانوں کے لئے فوز و فلاح کا ذریعہ بنایا گیا ہے جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

مردِ مومن کو حقِ تعمیر یہاں عرض کرنا ہے کہ چونکہ اس سلسلہ کا فائدہ مسلمان سے وابستہ ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہا جاتا ہے اس لئے ان گھروں کی تعمیر کا حق بھی مخصوص طور پر ان کو ہی دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو بھیجی ہوئی شریعت کو یقین کے ساتھ مانتے اور قبول کرتے ہیں اسی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ کفر و شرک کا برملا اقرار کرتے ہیں ان کو مسجدوں کی تعمیر کا حق نہیں ہے اور اگر یہ کریں بھی تو مقبول نہ ہونگی، بلکہ ان کی تعمیر اور ان سے متعلق امور کی انجام دہی کا حق ان کو ہے جو دل اور جوارح ظاہر و باطن ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا امرِ دین میں کسی اور سے نہیں ڈرتے ہیں پھر یہ کہ وہ احکامِ الٰہی کو کسی کے خوف سے ترک بھی نہیں کرتے، نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے اور قیامت کے دن پر ان کا ایمان ہے[۳]۔ یوں تو ہر مسلمان کو تعمیرِ مسجد کا حق ہے کہ وہ عقیدہ کے اعتبار سے

[۱] جمل علی الجلالین ج ۴ ص ۲۶۱ [۲] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۱۸۱ [۳] دیکھئے سورۂ توبہ رکوع ۳ انما یعمر مساجد اللہ

پکا مسلمان ہے مگران میں جو صالح ہیں ان کو زیادہ حق پہنچتا ہے، باقی کافر و مشرک کو مسجد بنانے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذہب کی رو سے اس کو کارِ خیر اور ثواب کا کام سمجھے تو اجازت دی جائے گی ورنہ نہیں، لیکن جس شکل میں ان کو مسجد بنانے کی اجازت دی گئی ہے اگر مسلمان کسی مصلحت اسلامی کے خلاف سمجھیں تو پھر ان کو بھی اجازت نہ ہوگی[۱]۔ ابوبکر حنفی لکھتے ہیں۔

قرآن کا لفظ تو یہی بتاتا ہے کہ کافروں کو اس کی اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان کو مسجد کا ذمہ دار بنایا جائے گا[۲]۔

تعمیر مسجد کا اجر اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تعمیر مسجد کی عزت اسلام کی نظر میں کتنی بلند ہے اور بنانے والا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنا ممتاز ہے یہی نہیں حدیثوں میں صراحت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا گھر بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ مرنے کے بعد جنت میں عطا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من مسجداً للہ تعالیٰ بنی اللہ لہ مثلہ بیتاً فی الجنۃ (بخاری)	جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں اسی طرح کا گھر بنائے گا۔

اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول اپنی زبانِ وحی ترجمان سے جنت کی بشارت سنائیں اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں جنت میں گھر عطا کریں جو دلیل ہے اس کی رضا اور خوشنودی کی، مرد مومن کو اس کی خوشنودی کے علاوہ چاہئے ہی کیا۔

مثلہ (اسی طرح) کا یہ مطلب تو کسی درجہ میں ممکن ہی نہیں ہے کہ جنت کا گھر دنیا ہی گھر کی طرح کا ہوگا جو اینٹ چونا وغیرہ سے بنایا گیا ہوگا اس طرح کا دل میں خطرہ گزرنا بھی بے ادبی اور گستاخی ہے انسان کی بنائی ہوئی مسجد اور اللہ تعالیٰ کے جنتی گھر میں بحیثیت صنعت اور خوبصورتی وہی فرق عظیم ہوگا جو انسان اور اللہ تعالیٰ کی صنعت میں ہوتا ہے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک مسجد بنانے کا بدلہ ایک ہی گھر سے ملے گا بلکہ متعدد

---

[۱] بیان القرآن للتھانوی جلد ۴ صہ ۱۰۲ [۲] احکام القرآن للجصاص ج ۳ صہ ۱۰۸

گھر بھی ایک کے معاوضہ میں مل سکتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک نے ہر نیکی کا بدلہ "بعشر امثالھا" (دس گنا) سے بیان کیا ہے جو محض اس کا لطف وکرم ہے۔ اور ایک ہی ہوگا تو ایسا کہ اس پہ ہزاروں دنیاوی گھر نچھاور کئے جا سکتے ہیں، پھر یہ بھی نہیں ہے کہ گھر کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا بلکہ اس کی رحمت سے بڑی امیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں۔ واضح رہنا چاہیئے کہ جنت کی بالشت بھر زمین ساری دُنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔

بعض روایتوں میں مثلہ کی جگہ "افضل منہ" اوسع منہ" بھی آیا ہے جو مماثلت کی نفی کرتا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آدمی جیسی نیکی کرتا ہے ویسا ہی بدلہ ملتا ہے پھر یہ بھی تو ہے کہ مسجد بنانے والوں کو جنت میں جو گھر ملے گا اس گھر کو جنت کے دوسرے گھروں پر وہی بڑائی حاصل ہوگی جو مسجد کو دنیا کے دوسرے گھروں پہ حاصل ہوتی ہے[1]

مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ بدلہ جنس بنا سے بھی ملے گا مع دوسرے الطاف واکرام کے باقی کتنے کمرے ہوں گے کیسے کمرے ہوں گے اس کی صحیح حقیقت اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اجر کے متعلق یہ سمجھ کر رائے قائم کرنی چاہئیے کہ دینے والا رحمٰن رحیم قدیر ہے۔

تعمیر میں بقدر وسعت حصہ مسجد بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی ایک ہی شخص پوری مسجد بنوائے تب تو مستحق اجر ہے ورنہ نہیں، بلکہ معمولی مدد بھی قابل اجر ہے جس سے جو ہو سکے مدد کرنی چاہیئے جس طرح روپئے دینے والے کو اجر ملتا ہے اسی طرح اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

جو جسم سے مدد کرے۔ بلکہ جسمانی مدد تو سنت ہے انبیوئؑ اور صحابہ کرامؓ دونوں نے بدست خود، تعمیر مسجد میں حصہ لیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کے واقعہ کو قرآن نے بیان کیا ہے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا واقعہ مسجد قبا اور مسجد نبوی کے ضمن میں آپ ابھی پڑھ چکے مسجد نبوی کی ہی تعمیر کا واقعہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور بڑی تندہی سے کام کر رہے تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس محنت سے کام کرتے دیکھا تو شفقت و محبت سے ان کے سر کی مٹی جھاڑنے لگے[2]

---

[1] یہ تفصیل فتح الباری جلد اول ص۳۶ سے ماخوذ ہے۔ [2] بخاری شریف ج ا ص۶۴

آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت عہد نبوی میں برگ کھجور کی تھی، ایک رات بارش ہوئی مسجد نبوی میں اس قدر پانی ٹپکا کہ فرش کیچڑ بن گیا، صحابہ کرامؓ نے یہ حال دیکھا تو اٹھے اور اپنے کپڑوں میں کنکری لالاکر بچھانے لگے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو بہت پسند فرمایا اوران کے اس کام کی تحسین فرمائی [1]

مسجد کے لئے جو زمین دے گا وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہوگا، اور جو بنا بنایا مکان مسجد بنا دے وہ بھی اسی زمرہ میں ہے یعنی وہ بھی مسجد بنانے کا مخصوص اجر پائے گا [2]

البتہ جو اپنی پوری اجرت لے کر کام کرے گا اس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی کیونکہ بظاہر یہ اخلاص کا فقدان ہے، یوں اگر اس نے واقعی کچھ رعایت کی ہو، یا نیت صالح ہو تو توقع کی جاتی ہے فی الجملہ کچھ ثواب مل جائے گا [3]

لوازمات مسجد مسجد کے علاوہ اس کے لوازمات کا عطیہ بھی باعث اجر و ثواب ہے جیسے فرش کے لئے جائے نماز، چراغ بتی، یا مثلاً وضو خانہ بنا دینا، مسجد کے لئے مسجد کے قریب (مگر باہر کنواں کھدوا دینا، نل لگوا دینا اور اسی طرح کی کوئی اور چیز جس سے مسجد اور اہل مسجد کو فائدہ ہو شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:۔

بقدر مقدور در بنائے مساجد در محلے	جہاں ضرورت ہو حتی المقدور مسجد کے بنانے میں
کہ احتیاج آں باشد امداد مالی وجانی نمودن ثواب	مال اور جانی مدد کرے اس کا بڑا ثواب ہے اسی
عظیم دارد وہمچنیں در مہیا داشتن اسباب،	طرح طہارت کے سامان فراہم کرنے کا ثواب ہے
طہارت از بنائے غسل خانہ و ترمیم چاہ و اجرائے	جیسے غسل خانہ بنانا کنوئیں کی مرمت کرنا اور نل
آب ریزو مہیا داشتن فرش و بوریا و روشن کردن	لگانا یونہی فرش مسجد کا سامان، جیسے چٹائی اور
چراغ در آنجا تا آں مدت کہ مردم دراں	چراغ روشن کرنا جس وقت تک آدمی ہوں یہ سب
باشند عبادت است۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۳ ص ۲۴۳)	کام عبادت کا ثواب رکھتے ہیں۔

مسجد اور لوازمات مسجد میں تمام ضروریات کی چیزیں آگئی ہیں ان تمام کا ثواب بھی کرنیوالوں کو ملے گا، اور یہ تمام مسجد سے متعلق چیزیں صدقہ جاریہ کا حکم رکھتی ہیں، جن کا ثواب ان کی،

[1] ابوداؤد باب فی احصاء المسجد۔ [2] فتح الباری ج ۱ ص ۵۴۱ [3] ایضاً

بقا تک ملتا رہے گا۔

تعمیر میں چند امور کا لحاظ اس طرف بھی شاہ صاحبؒ اشارہ کر گئے کہ مسجد یا لوازمات مسجد کے مہیا کرنے کا ثواب وہاں ہوگا جہاں ضرورت ہو، بلاشبہ یہ چیز بھی اہم ہے، اس لئے مسجد جب بنانے کا کوئی ارادہ کرے تو اس کو دیکھ لینا ہوگا کہ اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، پھر ضرورت ہے تو واقعی یا آرام طلبی کے لئے، بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اس کو نہیں دیکھتے ہیں، صرف ثواب، کی نیت سے ایسا کر گزرتے ہیں حالانکہ یہ غلط چیز ہے، مقصد حصولِ ثواب ہی ہو تو اس کے بہت راستے ہیں بے ضرورت تعمیر مسجد سے بدرجہا بہتر ہے کہ دین کے دوسرے کام سرانجام دیئے جائیں جو کس مپرسی کے عالم میں ہیں

فرض کر لیا جائے کہ کوئی ایسی مسجد بنائے جس سے دوسری مسجد کو نقصان پہنچنے کا غالب اندیشہ ہو تو یہ کام بجائے خیر کے شر بن جائے گا، ایک مسجد میں جو جماعت بآسانی ہو رہی تھی اس میں اس دوسری مسجد کی وجہ سے تفریق پیدا ہو جائے گی اور محلہ کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا جس کو کوئی دیندار پسند نہیں کرتا، سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں جب فتوحات کی کثرت ہوئی تو آپ نے ہر آبادی میں تعمیر مسجد کا حکم نافذ فرمایا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ کسی ایک شہر میں ایسی دو مسجدیں نہ ہوں کہ ایک دوسرے کے لئے ضرر رساں ہوں تفسیر کشاف میں ہے۔

عن عطاء لما فتح الله الامصار على عمر رضی الله عنه امر المسلمين ان يبنوا المساجد وان لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه (کشاف ج ۱ ص ۳۰۰)	حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے جب عمرؓ کے ذریعہ شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسجدیں بنائیں مگر اس طرح کہ ایک شہر میں دو مسجدیں ایسی نہ ہوں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے۔

ایک محلہ میں دو مسجدیں ایک محلہ میں متعدد مسجدیں بنانا کسی حال میں ضرر سے خالی نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ محلہ کی آبادی اتنی دور میں پھیلی ہوئی ہو کہ دوسرے کنارے کے لوگ نہ پہنچ سکیں ورنہ پھر احتیاط اسی میں ہے کہ ایک محلہ میں ایک سے زائد مسجد نہ ہو، یا چند بھی ہوں تو اس طرح کہ نزدیک نزدیک نہ ہوں جس سے ایک جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے۔

ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اس کی بغل میں دوسری مسجد اس وقت تک نہیں بنائی جا سکتی جب تک کوئی شرعی مجبوری درپیش نہ آئے، مثلاً یہ کہ پہلی مسجد تنگ ہو جائے اور اس کو وسعت دینے کی گنجائش نہ ہو یا ایک مسجد میں اجتماع سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، بغیر کسی ایسی شرعی مجبوری کے دو مسجدیں بنا کر انتشار و تشتت پیدا کرنا اس اجتماعی نظام کے سراسر خلاف ہے کہ اس سے شیرازۂ دینی بکھر جائے گا۔ عبادات کا عروۃ الوثقیٰ مضمحل ہو جائے گا اور مسجد کی رونق جاتی رہے گی۔

سلف صالحین کی احتیاط سلف صالحین ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے جن میں مسجد ضرار کی ذرہ برابر بو آجاتی تھی، اور اسی وجہ سے وہ نماز پڑھنے میں پرانی اور قدیم مسجد کو ترجیح دیتے تھے، مختلف علمائے ان امور کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا ہے۔ عموماً اس طرح کی مسجدیں شہرت و عزت اور ریاکاری کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جو مسجدیں ان اغراض فاسدہ کے لئے وجود میں آئی ہوں وہ بلاشبہ مسجد ضرار کی شکل میں ظاہری طور پہ بھی آجاتی ہیں[1]۔ جس سے اجتناب بہر حال ضروری ہے۔

تعمیر سے پہلے نیت کی اصلاح یہاں یہ مسئلہ صاف کر لینا چاہیئے کہ اگر کوئی محروم القسمت مسجد بنائے مگر اسکی نیت نام و نمود، عزت و شہرت اور ریاکاری ہو تو اس کے متعلق، شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس اہم سوال کا جواب پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اصلاح نیت اور اخلاص عمل پہ مختصر سی روشنی پڑ جائے، تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت اُجاگر ہو جائے

حضرت عمر بن الخطابؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو محدثین "امہات الدین" میں شمار کرتے ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے بلکہ خود بخاریؒ نے اپنی "جامع صحیح" میں پہلی حدیث اسی کو نقل کیا ہے اور کتاب شروع کرنے سے پہلے اصلاح نیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے فرمایا اعمال نیتوں ہی سے ہیں
انما الاعمال بالنیات و انما لامرء	اور آدمی کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے لہٰذا جس

[1] تفسیر مدارک علی الخازن ج ۲ ص ۲۶۵

ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا اوالی امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔ (بخاری وغیرہ)	کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہوئی اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لئے ہوئی یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوئی تو اسکی ہجرت انہی چیزوں کیلئے ہے جس کیلئے اس نے ہجرت کی۔

نیت کو دخل | اس حدیث کے ایک ایک جملہ کو غور سے پڑھنا چاہیئے، یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے اور عمل پر اجر اسی وقت مرتب ہوتا ہے جب نیت پاک وصاف ہو، ہجرت جیسی مہتم بالشان چیز میں نیت کے فساد سے ثواب جاتا رہتا ہے۔ اور ایک اندھا جو اپنی شرعی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوسکتا اس کو نیت کی خوبی کی وجہ سے اجر ملتا ہے۔

نماز کے عمل صالح ہونے میں کس مسلمان کو شبہ ہوسکتا ہے، لیکن یہی نماز اگر ریا، کے جذبہ کے ساتھ پڑھی جائے تو باعث ہلاکت ہے ارشاد ربانی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (ماعون)	ان نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دیتے ہیں اور جو اپنی نماز میں ریاکاری کرتے ہیں۔

ویل جہنم کا ایک گہرا طبقہ ہے اور بعض نے ویل کا ترجمہ خرابی اور ہلاکت سے کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ریاکار کی نماز باعث محرومی اور ناکامی ہے، حدیث میں اس کو شرک اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے، دیکھا آپ نے، اس قدر عظیم الشان عبادت اور ذرا سی نیت کی خرابی نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر سے زیادہ باطن کو دیکھتا ہے جسم سے زیادہ اس کی نظر باطن پر ہوتی ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم	اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا ہے اس کی نظر تو یقینی طور

رواہ المسلم (ریاض الصالحین للنووی ص۵) پر تمہارے دلوں پر ہوتی ہے۔

ریاکاری کا فساد: نیت کی اس مختصر تفصیل کے بعد غور کیجئے کہ نیت کو اعمال کی قبولیت اور اس کی اصلاح میں کس قدر دخل ہے، تو پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ تعمیر مسجد جیسا اہم کام انجام دیا جائے اور اس میں نیت کے فساد سے بگاڑ پیدا نہ ہو یقیناً اس نیت بد کا اثر اس کے اعمال پر پڑ کر رہے گا، اگر نیت ریاکاری اور نام ونمود کی ہے تو اس کو معاوضہ میں یہی چیزیں ملیں گی، جس ثواب کی تعمیر مسجد میں بشارت سنائی گئی اس سے یہ محروم رہے گا۔

کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ	جو مسجد ڈینگ ریاکاری اور نام ونمود یا کسی
او لغرض سوا ابتغاء وجہ اللہ او	اور غرض فاسد کے لئے بنائی جائے جس میں
بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد ضرار	اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہو یا مسجد
(تفسیرات احمدی ص۳۴۲ و مدارک علی الخازن ج۲ ص۲۶۵)	ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار کی سی ہے

مسجد ضرار: مسجد ضرار وہ مسجد ہے جو قبا کے مقابلہ میں بنائی گئی تھی، بانی منافق اور دشمن رسول تھے جن کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور سازش کا جال بچھانا تھا، مسجد کی شکل میں یہ خفیہ کاروائی کے لئے منافقوں نے ایک گھر بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اسے جلوا کر خاکستر بنا دیا، قرآن میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا	اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس غرض سے
وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسجد بنائی کہ اسلام کو ضرر پہنچائیں اور اس میں بیٹھ کر
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا	اور اس کے قیام کا سامان کریں جو پہلے سے
الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ	اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور قسمیں
لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ	کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری نیت کچھ
	اور نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ
(توبہ۔۱۳)	(اے نبی) اس میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

جس مسجد کا یہ حال ہو کسی مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کا اسی جیسا ہو جانا معمولی بات

نہیں ہے۔ غور کیا جائے کہ جو مسجد اس نیتِ فاسد سے بنائی جاتی ہے کہ نام و نمود اور عزت حاصل ہو اللہ کے یہاں نہیں دنیا والوں میں، اس کی مسجد اور خود بانی کا کیا حال ہوگا، ایسی مسجد جب مسجدِ ضرار کے درجہ میں آنے کے لائق ہو جائے گی تو اس کے بانی کس درجہ میں آجائیں گے؟ بار بار سوچیئے اللہ ہر مسلمان کو اس عذاب سے بچائے۔

بطور ریا مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس طرح کی مسجد ہر پہلو سے مسجد ضرار کے حکم میں ہو جاتی ہے، بلکہ یہ صرف انتفاء ثواب نیت فاسدہ اور فقدان خلوص میں ہے، کیونکہ مسجد ضرار اور آج کل کی مسجد جو بطور ریا بنائی جائے دونوں میں فرق ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مسجد ضرار میں مسجد کی نیت سرے ہی سے نہ تھی بلکہ محض تلبیس اور فریب مقصد تھا، جس کا قرآن نے اعلان کیا اس کو مختصر لفظوں میں دھوکہ کی ٹٹی کہہ سکتے ہیں مگر مسلمان جو مسجد بناتا ہے اس کی نیت ہر حال میں مسجد کی ہی ہوتی ہے صرف اس کی نیت میں ریا نام و نمود کی آمیزش ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ثواب سے محرومی ہوگی۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مسجد ضرار میں چار چیزیں تھیں، جن کی وجہ سے یہ مسجدیت سے نکل گئی۔ اول یہ کہ اسے منافقین نے اپنی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کا ذریعہ اور مسلمانوں کی ضرر رسانی کا حیلہ بنایا تھا جس کو لفظ "ضرار" بتلا رہا ہے، دوم یہ کہ اس کی آڑ میں کفر کی تقویت مقصود تھی اور اسلام کا ضعف و اضمحلال جیسا کہ لفظ "کفر" سے ظاہر ہے، سوم یہ کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت اور ان کی یکجائی پامال کر کے تفرقہ اختلاف اور عداوت پیدا کرنا ان کی خواہش تھی جس پر لفظ "تفریقاً بین المؤمنین" شاہد ہے۔ چہارم یہ کہ منافقین نے اس مسجد ضرار کو دشمنِ خدا اور رسول کی روپوشی اور گھات کے لئے تیار کیا تھا جس کا نام مفسرینؒ نے "ابو عامر خزاعی نصرانی" بتایا ہے اس کی طرف اشارہ ہے "لمن حارب اللہ ورسولہ"

یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آنے کی ہے کہ مسلمان جو بھی مسجد بناتا ہے اس کا مقصد ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا ہے" اس لئے وہ ظاہری احکام میں مسجد ہے گو عند اللہ مقبول نہ ہو مسجدیت اور مقبولیت میں تلازم نہیں، نہ ایک جانب سے نہ دونوں جانب سے،

؎ جمل علی الجلالین جلد ۲ ص ۳۱۸

واللہ اعلم، باقی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان کو ایسی بات سے پرہیز لازم ہے جس سے اس کو ثواب سے محرومی ہو اور ہمہ دم اس کو حبطِ عمل سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ [1]

بانی کے نام کا کتبہ | بعض لوگ جو بدعات کا شکار ہو کر مسجد پر اپنا نام کندہ کراتے ہیں یا بانی اپنے نام کا کتبہ لگاتے ہیں یہ بھی ریا ہے اور بقول ابن جوزی اخلاص سے محروم ہیں[2]۔

ہمارے دور میں تعلی تمرّغ اور آن و شان کی جو رسم بد جاری ہو گئی ہے اور اخلاص کی جس طرح مٹی پلید ہو رہی ہے وہ قابل صد افسوس ہے نواجیوں نے سچ فرمایا ہے کہ:۔

ہمارے زمانہ کے وہ متعصب مشائخ اور بھی قابل تعجب ہیں جو ہر گلی کوچہ میں مسجد اس لئے بناتے پھرتے ہیں کہ نام و نمود حاصل ہو اور شان و شوکت نمایاں رہے یہ محض باپ دادا کی غلط پیروی کا نتیجہ ہے ان کو مسجد ضرار کے واقعہ میں غور و فکر کرنا چاہیئے اور انجام سے ڈرنا چاہیئے۔[3]

حلال مالیت | نیت کی اصلاح کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ مسجد میں جو مال لگایا جائے وہ پاک اور حلال کمائی کا ہو اس اجتماعی نظام میں ان تمام مفاسد پہ پہرہ بٹھایا گیا جس سے کوئی برا اثر پیدا ہو اور اس نظام کی ہر طرح سے حفاظت کی گئی ہے تاکہ اس کے استحکام میں کہیں سے کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے پائے۔

مال حرام اپنا ایک خاص اثر رکھتا ہے جو کبھی نہ کبھی فتنہ و فساد کا مرکز بن جاتا ہے جیسے زہر کہ اگر فوری طور پر کچھ نہ بھی ہو تو بھی مطمئن نہ رہنا چاہیئے، پھر یہ مال جب کہ مسجد جیسی پاک جگہ میں صرف ہو رہا ہو، یہ دربار الٰہی ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ہے، اس میں ناپاک مال کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔

ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب (مسلم)	بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ بجز پاک اور حلال کے قبول نہیں کرتا۔

زانیہ کی تعمیر کردہ مسجد | مال حرام سے مسجد ہی نہیں بلکہ اس کا استعمال کہیں بھی جائز نہیں ہے پھر مسجد میں اگر کوئی لگاتا ہے تو وہ دین پہ ظلم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے علمائے نے لکھا ہے کہ زانیہ یا،

[1] بیان القرآن جلد ۲ ص ۱۴۳ مع الفاظ۔ [2] فتح الباری جلد ا ص ۳۶۶ ۔ [3] تفسیر احمدی ص ۳۸۴

مغنیہ عورت اگر زنا اور غنا کی کمائی سے مسجد بنائے تو یہ مسجد ہی نہیں ہو گی۔ مولانا عبدالحی رح فرنگی محلی نے اس مسئلہ کی دلیل میں اسی اوپر والی حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس کی وضاحت ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مسلم اور ترمذی میں ایک حدیث رافع بن خدیج سے آئی ہے اس میں آنحضرت کا یہ فرمان ہے مہر البغی خبیث " (زانیہ کی کمائی حرام ہے) کسی کو خبیث کے معنی جو حرام کیا گیا ہے اس میں شبہ ہو سکتا تھا اس لئے انہوں نے اس کو سید جمال الدین محدث شیخ عبدالحق شارح مشکوٰۃ اور ملا علی قاری کے حوالہ سے ثابت کیا ہے۔ ملا علی قاری کی دلیل یہ ہے

مهر البغي خبيث اي حرام اجماعا	زانیہ کی کمائی خبیث یعنی بالاتفاق حرام ہے۔
لانها تاخذه عوضا عن الزنا	اس لئے کہ وہ اس کو زنا کے معاوضہ میں لیتی
المحرم ووسيلة الحرام حرام	ہے جو حرام ہے اور حرام کا وسیلہ بھی حرام
وسماه مهرا مجازا لانه في مقابلة	ہے اس کا نام مہر مجازاً رکھا گیا ہے کہ وہ
البضع (فتاوی عبدالحی ج ۲ ص۳۰)	شرمگاہ کے مقابلہ میں ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ مال حرام سے مسجد نہیں بنائی جا سکتی وہ حرام مال زنا و غنا سے حاصل کیا گیا ہو یا کسی اور ناجائز و حرام طریقہ سے، فرض کر لیجئے اگر کوئی اس طرح مال حرام کی تیار کردہ مسجد ہے اور اس میں کسی نے نماز پڑھ لی تو گو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر ثواب میں نقص ضرور پیدا ہو گا اور مسجد کے بنانے والے کو بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

مال حرام سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم اب یہ بحث بہرحال ہے کہ اس مسجد کا کیا حکم ہے۔ اسے مسجدیت سے خارج قرار دیا جائے یا نہیں، حکیم الامۃ مولانا تھانوی اپنے رسالہ "آداب المساجد فی آداب المساجد" میں لکھتے ہیں:۔

"دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا ہے، اس میں دلیل کی حاجت ہے، صرف مولانا عبدالحی رح کا قول حجت نہیں۔ مسجد کا احکام میں مسجد ہونا مسئلہ فقہیہ ہے، سو کتب فقہیہ میں تحقیق مسجدیت کیلئے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں، جیسے کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ وقف مقبول نہ ہو بلکہ خود معصیت ہے لیکن وقف صحیح ہو جاتا ہے، اسی طرح گو مسجد مقبول نہ ہو بلکہ خود معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہو جائے گی، مثلاً اس کی بیع جائز نہیں پس

میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں، اس میں بول وتغوط (پیشاب وپائخانہ) درست نہیں اب صرف یہ بات باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جائے۔ سو اس کا حکم کہیں منقول نظر سے نہیں گزرا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کر کے محفوظ کر دیا جائے نہ اس میں نماز پڑھیں نہ اسکی بے حرمتی کریں۔ البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرادینا جواز انتفاع کیلئے کافی ہو جائے گا اور ایسی مسجد مذکور کی جو مال حرام سے بنائی ہوئی ہے ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے، اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اسکی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کر دیا جائے، باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علماء سے بھی نظر کرالیا جائے:[1]

یہ تفصیل مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے زانیہ اور مغنیہ کی مسجد پر لکھی جس کی کمائی حرام ہوتی ہے یہی تفصیل دوسرے مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کی بھی ہوگی۔

گندہ مال سے تعمیر میں اجتناب

مسجد میں مال حرام کے سوا ایسے مال سے بھی اجتناب ضروری ہے جس میں کسی طرح کی شرعی کراہیت پیدا ہو جائے تاکہ مسجد اوساخ سے منزہ کہی جا سکے اور مسلمانوں کے اجتماع کے مرکزی گھر ہر طور پر ایک اعلیٰ نمونہ بن سکیں۔

علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ مسجد میں ایسے مسلمان بھنگی کی کمائی لگانا درست نہیں ہے جس کی کمائی سوائے پاخانہ اٹھانے کی اجرت کے نہیں ہے۔ کیونکہ حدیثوں میں اس طرح کی کمائی کو کراہت آمیز کہا گیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ یا زکوٰۃ کے حکم میں جو مال ہے اس کا لگانا بھی مسجد میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کے مال میں حکماً ایک طرح کی گندگی ہے۔[2]

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ تعمیر مسجد کار ثواب ہے مگر تعمیر مسجد میں چند امور کا لحاظ از بس ضروری ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا کیونکہ یہ چیزیں وہ ہیں جو مشکوٰۃ نبوت سے مستخرج ہیں۔

---

[1] مجموعہ فتاوی عبدالحی ج ۲ ص ۳۵۷ [2] عالمگیری ج ۳ ص ۲۴۳۔

مسجدوں کی تزئین

تعمیر مسجد کا اجر بیان ہو چکا، اب اس پر روشنی ڈالنی ضروری ہے کہ تعمیری خصائص کیا ہیں، یعنی مسجدیں کیسی بنائی جائیں، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ رسم عام طور پر پھیلتی جارہی ہے کہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ لوگ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں جھاڑ و فانوس ہوں، رنگ و روپ میں ممتاز ہوں اور گل و بوٹے ضرور ہوں اور زیادہ سے زیادہ ہوں۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے پیش نظر بھی اس مسئلہ پر بحث ضروری ہے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جا کر جو سلسلہ چل رہا ہے وہ بھی رک جائے اور مسلمان بعض ان چیزوں کو ضروری تصور کرلیں جو ہرگز ضروری نہیں ہیں۔

تعمیر مسجد میں سادگی ہم پہلے مسجد نبوی کے سلسلہ میں اشارہ کر آئے ہیں کہ مسجد ایسی سادہ ہونی چاہیئے جسے تمام مسلمان بآسانی بنا سکیں، پھر آپ وہاں مسجد نبوی کی ہیئت پڑھ چکے ہیں کہ جو مسجد آپ نے بنائی تھی وہ بالکل سادہ تھی، بخاریؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

> "مسجد نبوی عہد رسالت میں کچی اینٹ سے بنائی گئی تھی جس کی چھت برگ کھجور کی اور ستون درخت خرما کے تھے، ابوبکر صدیقؓ نے اس میں کوئی زیادتی نہ کی اپنے حال پر رہنے دیا فاروق اعظمؓ نے زیادتی تو کی لیکن سابق بنیاد پر بنائی اور وہی کچی اینٹ کی دیوار برگ کھجور کی چھت، صرف ستون لکڑی کے دیئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس میں کافی زیادتی کی۔ دیوار منقش پتھر اور سمنٹ سے ستون بھی منقش پتھروں ہی کے اور چھت ساج کی لکڑیوں سے تیار ہوئی"[1]

تعمیری خصائص کا جہاں تک تعلق ہے یہ بات صاف ہے کہ دورِ فاروقی تک وہی سادگی رہی جو آپ کے زمانہ میں تھی حالانکہ آمدنی کے لحاظ سے فاروق اعظم کا زمانہ ممتاز کہا جاسکتا ہے فتوحات کی کثرت تھی، روم و فارس کے خزانے لدے چلے آرہے تھے، آپ نے مختلف شعبوں کو ترقی دی اور بہت سے نئے شعبے پیدا کئے۔ مگر اس طرف آپ نے کوئی توجہ نہیں کی یہی نہیں

---

[1] بخاری باب بنیان المسجد ۱۲۔

بلکہ سختی سے اس تزئین کو روکا آپ کا فرمان تھا کہ رنگ سازی کر کے فتنہ کا سامان نہ فراہم کیا جائے۔

۹

امر عمر ببناء المسجد وقال اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس (بخاری ج ۱ ص ۶۴)	عمرؓ نے مسجد کے بنانے کا حکم دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں، خبردار مسجد سرخ و زرد نہ بنائی جائے جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

دورِ عثمانی میں ترقی البتہ دورِ عثمانی میں تھوڑی سی زیبائش آئی اور وہ بھی مستحکم عمارت کے ضمن میں بات یہ ہوئی کہ اس دور میں نفاست بڑھ گئی، لوگوں نے محل بنوانے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ مسجد کی عمارت میں ترقی دی جائے۔

آپ کی تیار کردہ مسجد میں بیل بوٹے زیادہ نہ تھے، کوئی خاص زرق برق بھی پیدا نہ کیا گیا ایک اعتدالی شکل اختیار کر کے نفاست بڑھا دی، مگر بایں ہمہ کتنے صحابۂ کرامؓ کو یہ اضافہ پسند نہیں آیا، وہ اپنی محبتِ رسول کی وجہ سے چاہتے تھے کہ وہی ہیئت باقی رہے جو آپ کے زمانہ میں تھی گو یہ بھی درست ہے کہ کسی نے اس پر شدید انکار بھی نہ کیا۔

تزئین کی ابتداء مسجد کی زینت جس نے اعتدال سے بڑھائی اور تزخرف کی حد کو پہنچایا وہ حکومتِ بنی امیہ کا خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان تھا۔ یہ صحابۂ کرام کا بالکل اخیر زمانہ تھا اس وقت مدینہ کے عامل (گورنر) عمر بن عبدالعزیزؒ تھے، انہی کی نگرانی میں ۸۸ھ میں مسجد نبوی کی تعمیر جدید شروع ہوئی اور صناع و معمار قیصر روم کے یہاں سے منگوائے گئے، ساز و سامان بھی بہت کچھ وہیں سے آیا۔ صناع (کاریگر) چونکہ قبطی یا رومی تھے اس لئے انہوں نے موقع موقع سے مسجد کی بے حرمتی بھی کی اور نقش و نگار اور جھاڑ و فانوس کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ صرف قبلہ والی دیوار پر سینتالیس ہزار اشرفیاں خرچ کی گئی تھیں[۱]۔ تین چار سال میں جا کر یہ کام ختم ہوا، تکمیل عمارت کے بعد ولید دیکھنے آئے تو اتفاق سے ان کی ملاقات حضرت عثمان غنیؓ

---

[۱] تہذیب القلوب للشیخ عبدالحق محدث دہلوی باب ہفتم۔

کے کسی صاحبزادے سے ہوگئی، ولید نے ان سے کہا۔ دیکھئے آپ کے والد کی تعمیر کردہ مسجد اور اس میں کتنا فرق ہے یہ سن کر صاحبزادے نے جواب دیا ہاں میرے باپ کی تعمیر مسجد تھی اور آپ کی یہ تعمیر کردہ عمارت یہود و نصاریٰ کے کنیسوں جیسی[1] ہے۔

تزئین شریعت کی نظر میں | ذخیرہ احادیث کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی مزخرف عمارت مسجد کے لئے شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ما امرت بتشييد المساجد قال ابن عباسؓ لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ (ابوداؤد باب بناء المسجد)	مسجدوں کو مشید بنانے کا حکم نہیں ہے ابن عباسؓ نے معنی بیان کئے کہ تم ان مسجدوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح زینت دو گے۔

زخرفہ زینت دینے کو کہتے ہیں۔ اصل میں "زخرف" نام ہے سونے کے پانی چڑھانے اور سنوارنے کا۔ کیونکہ لغت میں "زخرف" کے معنی سونا اور کسی چیز کو کمال حسن دینا ہے[2]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مسجد کو ایسی زینت دے جو اعتدال سے بڑھی ہوئی ہو جیسے یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کو آراستہ کرتے اور سنوارتے ہیں حالانکہ معبد کے ساتھ یہ برتاؤ پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں عقیدت سے زیادہ ڈھنگ کو دخل ہے۔

بات بھی درست ہے کہ ہماری مسجدوں میں یہ تزخرف اور یہ حد سے بڑھی ہوئی گلکاری دوسری ہی قوموں کی عبادت گاہوں سے آئیں اور یہاں آکر اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اب وہ قومیں جن سے یہ چیز لی گئی تھی بہت پیچھے رہ گئیں۔ آج بھی روئے زمین پر جو مسجدیں مسلمانوں کی رہ گئی ہیں وہ بے نظیر ہیں[3]۔ تفصیل دیکھنی ہو تو دیکھئے "اخبار الاندلس" مترجمہ منشی خلیل الرحمٰن باب بست و نہم جلد سوم۔

تفاخر علامت قیامت | شریعت میں اسی طرح کی زینت کو ناپسند غالباً اس لئے کیا گیا ہے کہ

---

[1] جذب القلوب للشیخ عبدالحق محدث دہلوی باب ہفتم [2] قاموس ج ۳ ص ۱۴۵

[3] اس کے لئے انتظار کیجئے "تاریخ مساجد" کا جو زیر ترتیب ہے۔ منہ

اس مرکز پر پہنچ کر اخلاص وللہیت ختم ہو چکتی ہے اور فخر و مباہات اس کی جگہ لے لیتی ہے، جس کو حدیث میں علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

لاتقوم الساعة حتی یتباھا الناس فی المساجد (ابوداؤد بناء المسجد)	قیامت اس وقت آئے گی جب لوگ مسجدوں میں تفاخر کرنے لگیں گے۔

تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر وہ قوم جان دیتی ہے جس کے برے وقت آجاتے ہیں اور محروم القسمتی کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برسنے لگتی ہیں، سچ فرمایا نبی صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے۔

ماساء عمل قوم قط الا زخرفوا مساجدھم (ابن ماجہ باب تشئید المساجد)	جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدوں کو مزین کرتی ہیں۔

یہ پیشین گوئی ہے کہ تزئینِ مساجد قوم کی بداعمالی کی علامت ہے جس چیز کو مسلمانوں نے سمجھا تھا کہ بڑائی اسی میں ہے وہ شریعت کی نظر میں بدترین نکلی۔ سرکار دوعالم نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

اراکم ستشرفون مساجدکم کما شرفت الیھود کنائسھا وکما شرفت النصاری بیعھا۔ (ابن ماجہ باب تشئید المساجد)	میں دیکھتا ہوں کہ تم قریب ہی زمانہ میں مسجدوں کو بلند و بالا بنانا شروع کردو گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کنیسے اور گرجے بنواتے ہیں۔

مسجد کی عمارت کی بلندی اور اس کی گلکاری کو دیکھئے اور اس کے بعد اس کی آبادی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو کہ یہ جذبہ کس قدر کھوکھلا ہے، ظاہری زینت کا یہ حال اور منشاء اصلی کا ایسا فقدان۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، اسی حالت کی طرف خادم رسول صلعم حضرت انسؓ نے اشارہ فرمایا تھا:۔

یتباھون بھا ثم لایعمرونھا الا قلیلا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۴)	مسجدوں میں لوگ تفاخر کریں گے مگر پھر اس کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہوگا۔

تزئین خشوع کے خلاف ہے ایک پہلو سے اور غور کیجئے کہ مسجدوں کی زینت کتنی بے جا ہے

پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ نماز کی روح خضوع وخشوع ہے اور اس کے بغیر نماز بے جان ہے اس زمانہ میں خشوع کا یونہی فقدان ہے مگر جبکہ نقش ونگار ہونگے تب تو یہ چیزیں اور بھی نمازی کو لہو ولعب میں مبتلا کر دینگی ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھا تو فرمایا۔

اميطي قرامك هذا فانه لا يزال تصاويره تعرض لي في صلوتي (بخاری)	اپنے اس باریک وخوبصورت پردہ کو ہٹالو اس کی تصویریں نماز میں مجھ کو چھیڑتی ہیں۔

دیوار تو اپنی جگہ رہی آپ نے بوٹے دار چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور وجہ یہ بیان کی یہ چادر مجھ کو نماز میں غافل کرتی ہے[1]۔

اس حدیث میں جہاں حضور قلب پر خشت اور انقیاد وخشوع کی دعوت ہے وہاں دل میں انتشار پیدا کرنے والی چیزوں کی طرف دیکھنے کی ممانعت بھی ہے، امام نووی نے اسی حدیث کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

"مسجد کی محراب کی تزئین اور اس کی دیواروں کو منقش بنانا ایسی چیزیں ہیں جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف جذب کر لیتی ہیں، لہذا محراب اور در دیوار کی تزئین نیز نقش ونگار بنانا مکروہ ہے کیوں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی منقش چادر کو دور کرتے ہوئے یہی علت بیان فرمائی تھی[2]"

کتنی عجیب بات ہے کہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ذرا ذرا سی باتوں سے اجتناب کیا کہ کہیں دل کا خشوع متاثر نہ ہو جائے معمولی نقش ونگار اور گلکاری کو اپنی نماز میں مخل سمجھا، تاکہ نماز کا پورا حق ادا ہو سکے، مگر آج ان کے پیروؤں کا یہ عالم ہے کہ ان سے بڑھ کر مخل چیزوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔

بقدر ضرورت اجازت | بلاشبہ زمانہ کے پیش نظر بعض علماء نے خوبصورت ومزین مسجد بنوانے کی اجازت دی ہے، مثلاً ابن المنیر کہتے ہیں کہ زمانہ جب ترقی کا ایسا آجائے کہ لوگ اپنے رہنے سہنے کے لئے عالیشان محل اور رنگین کوٹھیاں تعمیر کرنے لگیں تو ایسے زمانہ میں

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۲۰۸ [2] ایضاً

اخفاف اور استہانت سے بچنے کے لئے مسجدوں کی بھی تزئین ہونی چاہیئے حتیٰ کہ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کی اتباع میں روکنا تو جائز ہے مگر کسی اور وجہ سے مسجد کی تزئین روکنا مناسب نہ ہوگا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے مگر اس وقت جب یہ تزئین ونفاست تعظیم و تکرار کی نیت سے ہو اور روپے اپنے پاس کے ہوں، وقف یا بیت المال کے نہ ہوں۔

فقہا کی تفصیل | لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ دوسرے بہت سے علمأ اس تزئین کے خلاف ہیں اور ان کی دلیل بہت قوی اور حدیث کے نقطۂ نظر کے بہت قریب ہے۔ اس سلسلہ کی حدیثیں ابھی اوپر گذر چکی ہیں[1]۔ امام اعظمؒ جنہوں نے اجازت دی ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ تزئین خلاف اولیٰ ہے اور ان کے اقوال کی تفصیں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذاتی رجحان اسی طرف ہے کہ مسجدیں سادہ بنائی جائیں اور جو روپے نقش ونگار اور گلکاری میں خرچ ہوں اچھا یہ ہے کہ انہیں فقراء ومساکین پر خرچ کیا جائے جو واقعی امداد واعانت کے مستحق ہیں فقہ حنفی میں یہ بھی مصرح ہے کہ محراب قبلہ کی دیوار اور داہنی اور بائیں جانب کی دیواریں سادہ رکھی جائیں ان پر پھول پتیاں نہ بنوائی جائیں کیونکہ ان کی کراہیت میں کسی کو بولنے کی گنجائش نہیں ہے وجہ ظاہر ہے کہ محراب کی تزئین امام کے خشوع اور یکسوئی کے لئے زہر قاتل ہے جو پوری جماعت کا سردار ہے قبلہ کی دیوار کی زینت اور گلکاری اس لئے منع ہے کہ صف اوّل کے نمازیوں کے خشوع کے لئے مضر ہے اور دائیں اور بائیں کی دیواریں ان لوگوں کے لئے مخل ہونگی جو انکے قریب کھڑے ہوں گے۔ غور کیجئے جو چیزیں نماز کے انہماک اور احسان ہی کو کھو ڈالیں، جو نماز کی روح اور قلب کا درجہ رکھتی ہے ان کو شریعت کیونکر پسند کر سکتی ہے۔ لے دے کر پیچھے والی دیوار اور چھت رہجاتی ہے جن کے متعلق اجازت سمجھ میں آتی ہے مگر وہ بھی خلاف اولیٰ ہے یہ ساری تفصیل مسجد کے اندرونی حصہ کی ہے باقی رہا مسجد کا بیرونی حصہ جس کو اندر سے کوئی تعلق نہیں اس حصہ کے متعلق فقہ حنفی میں بالکل اجازت نہیں ہے کہ اس کا تعلق باہر سے ہے جس سے اہل مسجد کو کوئی لگاؤ نہیں[2]۔

---

[1] فتح الباری جلد اول صفحہ ۲۴۳۔ [2] رد المختار جلد اول صفحہ ۶۱۶

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی متولی نے مالِ وقف سے اندرونی حصہ ہی میں سہی گل کاری کی یا پھول پتیاں بنوائیں تو اس کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔[1]

یہ جو کچھ تفصیل پیش کی گئی ہے یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار کا خلاصہ ہے، عالمگیری جو فتاویٰ میں بہت مشہور و مقبول ہے اس میں تو دیواروں کے نقش و نگار کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے اور یہ تصریح ہے کہ نقش و نگار کم ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں کراہت سے خالی نہیں۔ ہاں چھت کے معمولی نقش و نگار کو جائز کہا ہے زیادہ پھول پتیوں کو اس میں بھی مکروہ ہی لکھا ہے[2]

تزئین سے اجتناب اس تمام تفصیل کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ ناگزیر ہو جاتا ہے کہ بے فائدہ پھول پتیوں سے اجتناب ضروری ہے جو فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہے اور جس کی قرآن نے قباحت بیان کی ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ مسجد کی دیوار مضبوط، بقدر ضرورت خوبصورت اور سادہ ہو۔ ان پر کچھ لکھا ہوا بھی نہ ہو۔ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:۔

والاولی ان تکون الحیطان المسجد ابیض غیر منقوشة ولا مکتوب علیها ویکره ان تکون منقوشة بصور وکتابة	اچھا یہ ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید اور نقش و نگار سے پاک ہوں ان پر لکھا ہوا بھی کچھ نہ ہو صور و کتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کو عرب و عجم میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے ان کی رائے بھی سننے کے لائق ہے۔

"تعمیر مسجد میں احتیاط سے کام لیں کہ وہ مطلا و مزین کی حد کو پہنچنے نہ پائے، اس کی دیواروں اور چھتوں پر سونے کا پانی نہ چڑھائیں اور نہ پھول پتیوں سے آراستہ بنائیں، اور نہ نیلے رنگ وغیرہ سے رنگین ہی کریں، کیونکہ اس طرح کی چیزیں مسجد کو تماشاگاہ کے درجہ میں کر دیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی کی تجدیدات عمارت کے وقت تاکید کر دی تھی کہ مسجد ایسی ہو جو لوگوں کی بارش وغیرہ سے حفاظت کرے۔ خبردار سرخ و زرد رنگوں سے رنگین مت بنانا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں"[3]

---

[1] ردالمحتار جلد اول صـ۶۱۶ ۔ [2] عالمگیری جلد ۶ صـ۲۱۴ ۔ [3] تفسیر عزیزی پارہ اول صـ۲۴۲

موجودہ دور میں تزئین اس زمانہ میں جبکہ مسلمان مالی اعتبار سے تباہی و بربادی کے کنارے پہنچ چکے ہیں، فقر و فاقہ نے ان کے گھروں میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، فقراء و مساکین کی بہتات ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کا کوئی پرسانِ حال نہیں، غریب بچوں کی مذہبی تعلیم مشکل ہو رہی ہے۔ دینی اور علمی ادارے نزع کے عالم میں ہیں اور فقر و فاقہ کی تقریباً ہر جگہ شکایت ہے مسجدوں میں بے فائدہ پھول پتیوں پر روپے صرف کرنا قرین عقل نہیں ہے۔

بلاشبہ پہلے مسلمانوں نے مسجدوں پر بہت خرچ کیا مگر وہ ہمارے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتی ہے پھر یہ کہ وہ مالی اعتبار سے ہم سے بہت بڑھے ہوئے تھے زر و جواہر کے ان کے پاس ڈھیر تھے، مسلمانوں میں فقر و فاقہ اور افلاس کی یہ عام وبا نہ تھی۔

پھر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ عملی طور پر بھی زینت کے رواج کے ساتھ مسجد ویران ہوتی گئی، مسجد کی گلکاری بڑھی مگر دل کی گلکاری ختم ہوگئی اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بچے کھچے نمازیوں کے سینوں میں بھی خشوع و خضوع کا سرچشمہ خشک ہو رہا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حصص مسجد کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا جائے۔

مینار برائے اذان شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں تجدید مسجد نبوی کے وقت اذان کے لئے مینار کی ایجاد عمل میں آئی۔ اس سے پہلے مینار نہ تھا علامہ ابن عابدین نے بحر الرائق کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مینار عہد نبوی میں نہ تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ولم تكن في زمنه صلى الله عليه	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
وسلم مئذنة (رد المختار ج ١ صفحہ ٣٦)	مئذنہ نہیں تھا۔

یہ مینار جو اذان کے لئے بنتا ہے گو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نہ تھا مگر یہ ایسی چیز ہے جس کا مطلوب ہونا سمجھ میں آتا ہے، حدیث سے بھی اس ضرورت کی تائید ہوتی ہے حضرت عروہ بن الزبیرؓ بنی نجار کی ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں۔

كان بيتي من أطول بيت حول المسجد	میرا گھر مسجد نبوی کے آس پاس کے گھروں میں

فکان بلال یوذن علیه الفجر فیاتی السحر فیجلس علی البیت ینظر الی الفجر فاذا راٰہ تمطی

(ابوداؤد باب الاذان فوق المنارہ)

سب سے اونچا تھا جس پر بلالؓ فجر کی اذان دیتے تھے۔ صبح سویرے آکر گھر پر بیٹھ جاتے اور فجر دیکھتے رہتے، جونہی اس کو دیکھتے اذان کے لئے چلتے۔

ردالمحتار میں لکھا ہے کہ یہ زید بن ثابتؓ کی ماں ہیں جن کا بیان ہے کہ میرے گھر پر کہ حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے۔ مسجد کی چھت تیار ہوئی تو اس پر سے اذان دی جاتی تھی اذان کی جگہ ذرا بلند کر دی گئی تھی[1]

اس تفصیل سے مقصد یہ بتانا ہے کہ اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا، گو بالفعل اس کی ایجاد بعد میں ہوئی، شامی کے بیان کے مطابق مینار برائے اذان حضرت معاویہؓ کے حکم سے تیار ہوا[2]

منبر برائے خطبہ | منبر مسجد جس پر امام جمعہ کا خطبہ دیتا ہے اس کی ایجاد عہد نبوی ہی میں ہوئی اولاً یہ چیز نہ تھی، غربی جانب سے قریب اور محراب سے متصل ایک لکڑی تھی، پہلے آپ اسی کے سہارے خطبہ دیتے تھے، ۸ھ تک یہی طریقہ باقی رہا، ۸ھ میں ایک خاتون نے درخواست کی کہ اجازت ہو تو اپنے غلام سے منبر بنوا کر حاضر خدمت کروں آپ نے اجازت دی اور پھر اس کا تقاضہ بھی فرمایا، چنانچہ اسی عورت نے منبر بنوا کر پیش کیا، اور اس کو منبر کی جگہ نصب کیا گیا[3]

اس وقت یہ عجیب واقعہ پیش آیا تھا کہ وہ لکڑی جس کے سہارے آپ پہلے خطبہ دیتے تھے زار و قطار رونے لگی اور داغ فرقت پر تلملا اٹھی، آپ نے اسے اپنے سینۂ مبارک سے لگایا تو اس کو سکون آیا، منبر شریف کے تین زینے تھے، ہر زینہ کا عرض ایک بالشت تھا اور پورے منبر کا طول دو ذراع (ہاتھ) اور عرض ایک ذراع (ہاتھ) تھا[4]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عصائے مبارک اور کمان کے سہارے بھی خطبہ دیا ہے

[1] ردالمحتار جلد اول ص۲۶۶ [2] ایضاً [3] شرح سفر السعادت ص۲۰۹ و فتح الباری جلد اول ص۳۲۳

[4] شرح سفر السعادت ایضاً و زاد المعاد ج ۱ ص۴۸۔

البتہ تلواروں اور نیزے کے سہارے خطبہ دینا آپ سے ثابت نہیں ہے کوئی دے تو شرعی قباحت نہیں معلوم ہوتی ہے[1]

منڈیر یا کنگرہ مسجد کی چھت پر جو جالی دار منڈیریں ہمارے زمانہ میں بنتی ہیں وہ عہد نبوی میں نہ تھیں بلکہ عہد خلفائے راشدین میں بھی نہ تھیں، یہ ان کے بہت بعد ولید بن عبدالملک بن مروان کے عہد میں پیدا ہوئی ہیں" وفاء الوفاء" میں ہے۔

فاول من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزیز (ج ا ص ۳۶۲) — پہلے جس شخص نے محراب و منڈیر کی ایجاد کی وہ عمر بن عبد العزیز ہیں۔

یہ بزرگ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے عامل تھے اور مسجد نبوی انہی کی نگرانی میں عمدہ عمارت میں تبدیل ہوئی تھی۔

مروجہ محراب اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محراب مروجہ بھی بعد کی ایجاد ہے، گو بعض علمائ کا یہ خیال ہے کہ یہ عہد نبوی سے ہے کہ ابن الہمام کہتے ہیں[2] مگر حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ علماء کی ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا ہے[3] اور انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کی دلیل میں حدیث پیش کی ہے[4]۔

مسجد البیت قرآن پاک کی بعض آیات سے علمائے گھر میں مسجد بنانا ثابت کیا ہے اور احادیث تو اس سلسلہ میں بکثرت آئی ہیں، اس کو اصطلاح میں "مسجد البیت" کہتے ہیں یہ دراصل گھر کی وہ مخصوص جگہ ہے جس کو نوافل وغیرہ کے لئے متعین کر لیں، ملکی زندگی میں انہی جگہوں کو کہیں کہیں حدیث میں مسجد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نوافل پڑھنے کا حدیث میں کافی اشارہ موجود ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا قضی احدکم الصلوٰۃ فی مسجدہ فلیجعل لبیتہ نصیبا من الصلوٰۃ (بخاری) — تم میں سے کوئی جب اپنی مسجد میں نماز ادا کر چکے تو اس کو اپنے گھر کے لئے بھی کچھ حصہ بنانا چاہیئے

محدثین نے اس سلسلہ میں نوافل کو گھر کے لئے لکھا ہے، فرض پر یہ حکم کبھی بھی محمول

---

[1] شرح سفر السعادت ایضاً و زاد المعاد ج ا ص ۴۸ [2] کبیری ص ۳۴۰ [3] روح المعانی ج ا ص ۱۷۱ [4]۔

[5] میں نے اس پر تفصیلی بحث کی تھی مگر بعض علماء کے مشورہ سے حذف کردی تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے مجموعہ فتاویٰ عبد الحی ج ا ص ۲۲۴ ۱۲ منہ

نہیں ہوسکتا اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آپ نے فرمایا کہ گھر کو قبر نہ بنالو یہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد البیت بنانے کا حکم بھی دیا ہے اور ساتھ ہی اس
کے پاک وصاف رکھنے کا بھی، حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں:-

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب (مشکوٰۃ عن الترمذی وغیرہ ج ۱ صفحہ ۶۹)	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم دیا اور اس کے پاکیزہ اور معطر رکھنے کا۔

لفظ دور کے معنی "دُور" جمع ہے "دار" کی جس کے مشہور معنی گھر کے ہیں، مگر لغت میں محلہ کو بھی کہتے ہیں قرآن میں دار بمعنی محل (جگہ) آیا ہے اسی وجہ سے اس حدیث کو "دور" سے محلہ اور گھر دونوں مراد ہیں، شرح السنہ میں دور بمعنی محلوں کے لئے گئے ہیں۔ حضرت سفیان رح کہتے ہیں۔ بناء المسجد فی الدور یعنی القبائل[۲]

احکام میں مسجد اور مسجد البیت کے بہت فرق ہے۔ مسجد البیت کی وہ تعظیم نہیں ہے جو مسجد کی ہے۔

مواضع مسجد

تعمیر مسجد کے ساتھ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مسجد کہاں اور کیسی بنائی جائے، قرآن اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہا نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

عہد نبوی کی دو مسجدیں بہت ممتاز ہیں ایک قبا اور دوسری نبوی۔ ان دونوں مسجدوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے بنیاد و تعمیر کا شرف حاصل کیا ہے اور دونوں ہی کے متعلق قرآن پاک کا اعلان ہے "اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" کہ ان کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ مسجد حرام کی داغ بیل خود رب العزت کی بتائی ہوئی زمین پر ڈالی گئی، یہ بھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسجد نبوی کے لئے قیمت دے کر زمین لی گئی تھی، یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ مسجد کے لئے حلال اور پاک چیز ہی قبول کی جاسکتی ہے۔ ان سب کو ملا کر پڑھیے تو خود بخود یہ بات عیاں ہو

[۱] فتح الباری ج ۱ صفحہ ۴۵۶ [۲] فتح العلام شرح بلوغ المرام ج ۱ صفحہ ۱۲۴

جاتی ہے کہ زمین جس پر مسجد بنانا ہو ایسی ہو جو احکام شرعی کی روشنی میں جائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہو، اور اس میں کوئی نقص باقی نہ رکھا گیا ہو۔

زمین کا عطیہ جائز طریقہ سے

فقہائے کرام نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسجد ایسی جگہ بنا دے جس میں دوسرے کا حق ہو اور اس کی رضامندی حاصل نہیں کی گئی ہے تو اس حق والے کو اختیار ہے کہ مسجد کو وہاں سے باطل قرار دیدے اور اپنا حق لے لے۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک زمین ہے جس میں کسی کو حق شفعہ حاصل ہے، یہ جوار کی وجہ سے ہے۔ یا رشتہ داری کی وجہ سے۔ تو اب اس پر مسجد بنائی نہیں جا سکتی[1] اسی طرح فرض کر لیجئے ایک شخص بیمار ہے، اس کی خواہش ہوئی کہ اپنا گھر یا زمین مسجد میں تبدیل کر دے، اس نے مرتے ہوئے اس کی وصیت بھی کر دی، مگر اس کے جن وارثوں کو حق شرعی پہنچتا تھا ان کو نہیں دیا اس کی یہ وصیت ایسی صورت میں مسجد کے لئے بھی جاری نہ ہوگی، زیادہ سے زیادہ ایک تہائی میں جاری ہوگی، وارثان اپنا حق نکال لیں گے خود مرنے والا اگر تمام حقوق نکال کر تہائی کی وصیت کرتا تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا، اور وہ حصہ مسجد ہو جاتا[2]

زمین کا حصول جائز ہو

اسی طرح اگر زمین مسجد کے لئے خریدی جائے تو جائز طریقہ سے۔ بیع فاسد سے خریدی ہوئی زمین پر مسجد بنانے کی اجازت نہ ہوگی[3] إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا الطَّيِّبَ ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی زمین پر مسجد بنانا درست نہیں ہے۔ اس ناجائز حصول کی شکل جو بھی ہو، مثلاً کسی کا گھر زبردستی کچھ لوگ مل کر مسجد بنا دیں، یا جامع مسجد بنا دیں تو ایسی مسجد میں نماز جائز نہ ہوگی، نہ جمعہ کی اور نہ وقتی[4]

وقف کرنے کے بعد مسجد کی حیثیت

انہی تفصیلات کے پیش نظر واقف کے لئے لازم ہے کہ مسجد کو اس کے راستہ سمیت علیحدہ کر دے اور نماز کی عام اجازت دے دے اور یہ اعلان کر دے کہ میں نے اس جائز حصہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا، عملی طور پر اس میں با جماعت نماز پڑھی جانے لگے۔ اذان پکاری جائے اور واقف اپنے دوسرے قسم کے اختیارات اٹھا لے استدر کر چکنے کے بعد اس کو یہ اجازت نہیں ہے کہ مسجد کے کسی حصہ سے کسی طرح کا ذاتی فائدہ

---

[1] فتح القدیر ج ۲ ص ۵، ۸۰ [2] عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۸ [3] فتح القدیر ج ۳ ص ۸۰ ۱۶۵ [4] عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۴

حاصل کرنے کی کوشش کرے اب اس کے بعد نہ اس مسجد کے نیچے کوئی مکان بنا سکتا ہے اور نہ اس کے اوپر مسجد کا پورا حصہ تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہمیشہ کے لئے واقف کے ذاتی قبضہ و تصرف سے نکل گیا خدانخواستہ اگر کسی سماوی آفت یا کسی اور وجہ سے مسجد ویران بھی ہو جائے کوئی نماز پڑھنے والا باقی نہ رہے اور مسجد کی عمارت برباد ہو جائے تو بھی یہ حصہ مسجد ہی کے حکم میں باقی رہے گا نہ اسے کوئی فروخت کر سکتا نہ کوئی وراثت میں لے سکتا ہے اور نہ واقف رجوع ہی کر سکتا ہے اور نہ کوئی انسان اسے اپنے ذاتی تصرف یا کسی ایسے کام میں لا سکتا ہے جو مسجدیت کے خلاف ہو واقف تک کو وقف کے بعد اتنی اجازت نہیں ہے کہ اس کی دیوار کے سہارے کوئی کام لے[1]

جزوی مسائل مسجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ کوئی ایسی مسجد بنائے کہ دو منزلہ عمارت میں ایک منزل مسجد بنا دے اور دوسری منزل اپنے تصرف میں رکھے تو یہ مسجد قرار نہ پائے گی۔ مسجد اسی وقت ہو گی جب وہ اس کے دونوں حصے نیچے سے اوپر تک مسجد بنائے[2]

کسی نے اپنی افتادہ زمین ہمیشہ کے لئے نماز باجماعت پڑھنے کے لئے دے دی اور کوئی قید سال مہینے کی نہیں لگائی تو اس دینے والے کے مرنے کے بعد یہ زمین اس کام کے لئے ہو جائے گی، وارث کو اس میں حصہ نہ ملے گا۔ ہاں مقید ہو تو وارث کو مل جائے گی[3] یہ زمین جب کہ اس نے اپنی صحت کے زمانہ میں دی ہو۔ (یا مرض الموت کے پہلے)

کوئی راستہ اس قدر کشادہ ہو کہ اگر وہاں مسجد بنائی جائے تو اس سے راستہ کا کچھ نقصان نہ ہو ایسی صورت میں اہل محلہ نے جب مسجد راستہ پر بنالی تو یہ جائز ہے، دو ایک کی مخالفت کا کوئی اثر نہ ہو گا، ہاں مسجد بننے سے چلنے والوں کو ضرر ہو تو بلاشبہ مسجد بنانا درست نہیں ہے[4]

ایسی عام نہر جو کسی خاص جماعت کے تصرف میں ہے، اس جماعت کی رائے سے اس کو پاٹ کر مسجد بنا سکتے ہیں بشرطیکہ کسی کو اعتراض نہ ہو، اسی طرح بوقت ضرورت کشادہ راستہ سے ایک حصہ مسجد میں شامل کیا جا سکتا ہے جبکہ راہگیروں کو اس سے نقصان نہ ہو، لیکن مسجد

[1] فتح القدیر ج ۲ ص۴۷ رد المختار ج ۳ ص۵۱۲ [2] فتح القدیر ج ۲ ص۴۷ [3] ایضاً [4] عالمگیری ج ۳ ص۲۳۹

کا کوئی حصہ کسی حال میں راستہ میں لینا جائز نہیں[۱]

مسجد جائز جگہ میں ہر مسلم آبادی، بازار، گذرگاہ اور جہاں واقعی ضرورت ہو بنائی جا سکتی ہے[۲] ہاں ایسی جگہ مسجد نہ بنائی جائی گی جہاں اس سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسے ویران میدان وغیرہ میں جہاں کوئی پہنچ بھی نہیں پاتا، کوئی بنا بھی دے تو وہ مسجد نہ ہوگی[۳]

تیار مسجد کو وسعت دینا مسجد جب تنگ ہو جائے تو اسے وسعت دی جا سکتی ہے۔ بغل میں مسجد ہی کی زمین ہے تب تو کوئی بات نہیں ہے، اور کسی دوسرے کی ہے تو قیمت دے کر لیں گے، اگر وہ قیمتاً بھی نہ دے تو اس کو مجبور کریں گے ورنہ بدرجہ مجبوری اس کی بھی اجازت ہے کہ قیمت دے کر بغیر رضامندی لے لی جائے[۴] مگر یہ آخری شکل ہے۔ حتی الوسع راضی کر کے لینا اچھا ہے۔

ایک مسجد ہے جو اہل محلہ پر تنگ ہو گئی، اسے وسعت دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے مسجد کا ایک پڑوسی کہتا ہے کہ یہ ہمیں دے دی جائے کہ گھر بنالیں اور اس کے عوض میں اپنا مکان دیتا ہوں جو اس سے کشادہ ہے اس کو مسجد بنالیا جائے۔ امام محمد کہتے ہیں، یہ صورت جائز نہیں ہے اور اہل محلہ کو اس کا اختیار بھی نہیں ہے[۵]

تنگ مسجد کی بغل میں دکان یا زمین ہے وہ اسی مسجد پر وقف ہے تو اس کو مسجد کی کشادگی میں لے سکتے ہیں، اہل مسجد صحن مسجد کو مسجد میں لے سکتے ہیں۔ اہل مسجد کے لئے یہ جائز ہے کہ ایک دروازہ چھوڑ کر دوسرا دروازہ بنالیں۔ قیم مسجد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مسجد یا فنائے مسجد میں دکان بنائے، کیونکہ فنائے مسجد بھی احترام میں مسجد ہی کے حکم میں ہے اور یہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا ایسی بات نہ ہونے دیں گے جس سے تعظیم و تکریم میں کچھ فرق آئے[۶]

مسجد بن کر تیار ہو چکی تو پھر کوئی اس کے اوپر یا نیچے دکان بنوانا چاہے تو جائز نہیں ہے جس غرض سے بھی ہو، البتہ نماز کے لئے کچھ بنانا ہو تو یہ جائز ہے[۷]

تجدید مسجد ضرورت کے وقت تیار مسجد میں تصرف کرنا جائز ہے جبکہ مسجد اور نماز ہی کے لئے یہ تصرف ہو جیسے پرانی عمارت توڑ کر نئی عمارت بنانا، مگر اس کے لئے قاضی کی اجازت شرط ہے اور یہ

[۱] عالمگیری ج ۳ ص ۲۲۹ [۲] فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۷ [۳] عالمگیری ج ۳ ص ۲۱۴ [۴] عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۸
[۵] رد المختار ج ۳ ص ۵۱۲ [۶] فتح القدیر ج ۲ ص ۸۷۷ [۷] ایضاً۔

بھی کہ ایسا اپنے اخراجات سے کرے، مسجد کے خزانے یا وقف سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ اجازت ان شرطوں کے ساتھ اہلِ محلہ ہی کو ہے دوسروں کو نہیں، ہاں جب خطرہ ہو تو غیر محلہ والے بھی کر سکتے ہیں[1]۔

اہل محلہ کو اس کی بھی اجازت ہے کہ مسجد کو سامان دیں، جیسے چٹائی، دری، جانماز روشنی اور پانی وغیرہ کا نظم، چاہے پینے کا ہو، چاہے وضو کا، مگر اپنے پاس سے اور خود بانی مسجد کرے تو دوسرے کو حق نہ ہوگا[2]۔

ناگہانی آفت یا مصیبت | فقہا نے اس کی بھی صراحت کر دی ہے کہ دفعۃً اگر کسی آفت کا نزول ہو جائے یا کوئی بات ایسی پیدا ہو جائے جس سے مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس وقت تیار شدہ مسجد کو کیا کریں گے۔

جیسے آشوب زمانہ یا انقلاب دور نے ایسی حالت پیدا کر دی کہ مسلم آبادی وہاں سے ختم ہو گئی، یا وہ حالات سے مجبور ہو کر چلے گئے یا سب کے سب لقمہ اجل ہو گئے، جس کی وجہ سے مسجد ویران ہو گئی، یا مسجد کی دیواریں گر گئیں کوئی نہیں جو اس کی مرمت کرے یا اس میں نماز پڑھے مسجد کس مپرسی کے عالم میں ہے ان جیسے تمام حالات میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ با ایں ہمہ مسجد مسجد ہی رہے گی اس میں کوئی دوسرا تصرف کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ نہ یہ مسجد فروخت کی جا سکے گی۔ نہ نیلام ہو گی، نہ اسے بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری مسجد بنائی جائے گی اور نہ اس کا سامان اور مال واسباب دوسری طرف منتقل کیا جا سکے گا۔ اگر کوئی یہ سب کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے البتہ جب کسی ایسی مسجد کا سامان اور اسباب ضائع ہو رہا ہے یا کسی ظالم و غاصب کے ظلم و غصب کا غالب خطرہ ہے تو ایسی حالت میں اسباب کا دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے باقی یہ مسجد اپنی بنیاد پڑنے کے دن سے ابدالآباد تک مسجد ہی رہے گی اور تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک یہ حصہ مسجد ہی کے حکم میں ہوگا[3]۔

سامان جس کی ضرورت باقی نہ ہو | اسی طرح جب مسجد کو فرش وغیرہ کی ضرورت باقی نہ رہی تو یہ دینے والے کو واپس مل جائے گا، اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے ورثہ کو ملے گا۔ اور

---

[1] رد المختار ج ۳ ص ۵۱۲ [2] رد المختار، ج ۳ ص ۵۱۲ [3] رد المختار ج ۱ ص ۱۳ ۵

بعض علماء کا خیال ہے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت دوسرے شعبۂ مسجد میں صرف کی کی جائے گی البتہ جب کسی شعبہ میں ضرورت باقی نہ رہے تو اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔[1]

اگر معطی (دینے والے) کی خواہش ہو کہ پرانی چٹائی وغیرہ صدقہ کر دیں اور اس کی جگہ مسجد کو نئی دیں تو اس کو یہ حق ہے۔ یہی چیز محلہ والے چاہیں تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ، چٹائی قابل قیمت ہے یا نہیں اگر اس کی قیمت مل سکتی ہے تو اہل مسجد کو صدقہ کا حق نہیں ہے ورنہ ہے۔[2]

جو گھاس موسم ربیع میں مسجد سے نکالی جائے اگر وہ بکنے کے لائق ہے تو بیچ دی جائے ورنہ نکالنے والا اپنے مصرف میں لا سکتا ہے، صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے بعض جگہوں میں گھاس فرش کی جگہ استعمال کی جاتی ہے۔[3]

مردہ اٹھانے والی چارپائی مسجد کی ملکیت تھی، وہ بوسیدہ ہو کر یا کسی اور وجہ سے ناقابل استعمال ہو گئی تو اسے اہل محلہ قاضی کی اجازت سے فروخت کر سکتے ہیں، ایسے ہی دیباج مکہ مکرمہ پرانا ہو جائے تو ذاتی طور پر اسے کوئی نہیں لے سکتا ہے، بلکہ سلطان وقت اسے بیچے گا اور اس کی قیمت اسی پر صرف کرے گا۔[4]

مسجد جو گر رہی ہے اس کے سامان کے ضائع ہونے یا ظالم و جابر کے تصرف میں، جانے کا خطرہ ہو تو بیچ کر اس کی قیمت جمع کی جا سکتی ہے[5] یہ واضح رہے کہ منہدم ہونے والی مسجد کی مرمت میں اس سے زیادہ ثواب ہے کہ نئی مسجد بنائی جائے۔[6]

دربارِ الٰہی کے آداب

اب تک خانہ خدا سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے یہ امر بالکل منقح ہو گیا ہو گا کہ اس دربار کی کچھ اور ہی خصوصیت ہے اور اس کا امتیازی نشان بہت اونچا ہے۔ تو جس،

[1] عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۹ [2] ایضاً۔ [3] عالمگیری ج ۳ ص ۲۴۰ [4] ردالمحتار ج ۳ ص ۵۱۴۔
[6] فتاوی عبدالحی ج ۱ ص ۱۱۔

مقدس گھر کی شان و شوکت اور وقعت و عزت کا عند اللہ یہ حال ہو۔ یقینی طور پر اس کے آداب بھی اسی اعتبار سے بلند ہوں گے اور ان کا بجالانا بھی اسی قدر ضروری ہو گا۔

دنیا کے معمولی درباروں کا حال آپ کو معلوم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کے کچھ خاص آداب ہوتے ہیں جن کی بجاآوری ہر اس شخص پر لازم ہوتی ہے جو وہاں آئے بادشاہ وقت اور اس کے احکام کے اجلاس کے قوانین منضبط ہوتے ہیں۔ اور ان کی خلاف ورزی کی حالت میں سزائیں متعین ہوتی ہیں خواہ وہ جرمانہ کی سزا ہو یا قید و بند کی۔

دنیاوی حکام کے اجلاسوں کے آداب جنہیں ہم رات دن اپنی اپنی زندگی میں برتتے ہیں ان کو سامنے رکھ کر ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس دربار کی عزت و وقعت کا کیا حال ہو گا جو انسانوں کا نہیں، بلکہ ان کے خالق و مالک کا گھر کہلاتا ہے جو احکم الحاکمین کے روبرو ہونے کا مقام ہے اور جو اسی کے آگے سجدہ کرنے کے لئے مخصوص ہے۔

قرآن پاک میں اس گھر کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اس کی رفعت اور علو مرتبہ کی بڑی مدح سرائی کی گئی ہے، اس کی صفائی و پاکی کی بار بار تاکید بیان کی گئی اور اس کے آداب کی طرف نمایاں اشارے کئے گئے ہیں، اور رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم نے تو نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک چیز کو بتایا ہے اور ساتھ ہی ان احکام کی جو مسجد کے باب میں آئے خلاف ورزی پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

آنے کے آداب وہ آداب جو مسجد سے متعلق ہیں مختلف شعبوں میں منقسم ہیں اور پھر ہر شعبہ کے لئے متعدد جزئی احکام ہیں مثلاً آداب کی تقسیم میں مسجد آنے کے آداب، مسجد کی صفائی و پاکی کے آداب، مسجد میں بیٹھنے اور ذکر و شغل کے آداب وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی، ضرورت ہے مذہب کے دلدادہ مسلمان ان کو فکر و تدبر کے ساتھ پڑھیں، ان کی حکمتوں کو سمجھیں اور پھر ان مسلمانوں کو بتائیں جن کو دنیا نے اپنے دام فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

نیت پاک اور بخیر ہو ہر چیز کی بنیادی اینٹ نیت ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" کی حدیث جس پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے جس کو شرح و بسط کے ساتھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس لئے

ضروری ہے کہ مسجد کا ارادہ کرتے ہوئے نیت پاک اور دل صاف ہو، قلب دنیاوی گندگیوں سے پاک اور منزہ ہو، نام ونمود، ریا وسمعہ کا چور دل میں چھپا نہ ہو، بلکہ دل محبتِ مولیٰ سے سرشار اور خشیت الٰہی سے معمور ہو اور ایسا معمور جو لرزہ بر اندام کر رہا ہو۔ اس لئے کہ یہاں ذرا سی پونجی کے لٹ جانے کا خوف ہے اور اس سے بڑھ کر اندھے غار میں گر جانے کا اندیشہ۔

ایکدفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا اور نیت صالحہ کو بتایا۔

وذالك انه اذا توضأ فأحسن	یہ ثواب کی زیادتی اس وقت ہے جب اچھی
الوضوء ثم خرج الى المسجد لا	طرح وضو کرے پھر مسجد کے لئے نکلے اور
يخرجه الا الصلوٰة (بخاری ج ۱ ص ۶۹)	فقط نماز ہی کی نیت سے نکل رہا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری اس مسجد میں کسی خیر کی نیت سے آئے اس کی مثال مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے، ورنہ وہ اس شخص جیسا ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکا کرتا ہے[1]

اس حدیث سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کو کوئی ثواب میسر نہیں ہوگا، بلکہ الٹا دکھ ہوگا۔

با وضو آئے گھر سے جب چلنے لگے تو پہلے وضو کر لیا جائے کیونکہ سنت طریقہ یہی ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاں جماعت کی نماز میں ثواب کی زیادتی کا ذکر فرمایا ہے وہاں یہ مُصرح ہے کہ ثواب کی زیادتی اس وجہ سے ہے کہ وضو کیا اور اس کے بعد خالص نیت سے مسجد روانہ ہوا۔ اور انہی آداب کے ساتھ چلنے پر درجہ کی بلندی اور گناہ کی معافی کی بشارت ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

صلوٰة الرجل فى الجماعة تضعف	مرد کی باجماعت نماز اس کی اس نماز سے جو گھر
على صلاته فى بيته و فى سوقه خمسا	اور بازار میں پڑھی جائے پچیس گنا بڑھی ہوئی ہے
و عشرين ضعفا و ذالك انه اذا	اور وہ زیادتی اس وجہ سے ہے کہ اس نے وضو،

[1] مشکوٰۃ عن ابن ماجہ والبیہقی ج ۱ ص ۶۹

توضأ فأحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرجه الا الصلوٰة لم يخط خطوة الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة (بخاری ج ۱ ص ۶۹)

اس کے حقوق کے ساتھ ادا کیا اور محض نماز ہی کی نیت سے نکلا، اس سلسلہ میں جو قدم اٹھائے گا اس کے بدلہ میں ایک درجہ بلند ہوگا اور اس کا ایک گناہ معاف ہوگا۔

ضرورت بھی ہے کہ دربارِ خداوندی کے لئے پوری تیاری کے ساتھ چلیں، کپڑے بھی صاف ہوں، بدن اور جسم بھی پاک ہو اور اعضائے وضو جو وہاں جاکر نمایاں طور پر مصروف مناجات اور اظہار تذلل میں پیش پیش ہوں گے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں۔

دعا پڑھتے آئے | روانہ ہوتے ہوئے زبان پر یہ دعا ہو، جو دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہو۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا اِلَیْكَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَّلَا اَشَرًا وَّلَا رِیَاءً وَّلَا سُمْعَةً وَّاِنَّمَا خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ وَاَسْئَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ"

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنے کے لئے نکلتا ہے اور یہ (اوپر والی) دعا پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے لئے فراغت نماز تک دعا کرتے ہیں[۱]

ان چند جملوں کی دعا پڑھنے کا کتنا بڑا اجر رکھا گیا ہے۔ محنت معمولی اور مزدوری اتنی بڑی۔ اس پر بھی ہمارے دل اثر پذیر نہ ہوں تو حیرت کی بات ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر جتنا غور کیا کہ "نظام مساجد" سے متعلق کیا دینی اور دنیوی فائدے ہیں، سچ کہتا ہوں معلوم ہوا بے انتہاء سمندر ہے جس کی تہ تک پہنچنا آسان نہیں، کوئی قدم اور کوئی بول اس سلسلہ کی فائدے سے خالی نہیں۔

اچھی ہیئت میں آئے | روانہ ہوتے ہوئے ایک نظر اپنی ظاہری ہیئت پر بھی ڈال لی

[۱] شرح سفر السعادت ص ۲۹۴ و زاد المعاد ج ۲ ص ۳

جائے، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہم ایک عظیم المرتبت دربار کو جارہے ہیں اتنا عظیم المرتبت کہ اسے دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں۔ حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں ان درباروں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے، اس لئے جہاں ہر طرح کی نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو کر جانا ضروری ہے ادب یہ بھی ہے کہ ظاہری ہیئت عمدہ سے عمدہ ہو، ایسی عمدہ جو شریعت کی نظر میں خراج تحسین حاصل کر سکے۔

حتی المقدور کپڑے پاک و صاف ہونے کے ساتھ صاف ستھرے ہوں کرتہ کی آستین پوری ہو، اگر قدرت نے وسعت عطا کی ہے تو خوشبو مل لیں تاکہ پسینہ وغیرہ کی بو بالکلیہ جاتی رہے اور فرشتوں کو کوئی اذیت نہ پہنچنے پائے، ارشاد ربانی ہے۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ۳۰) اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔

اس آیت سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ مسجد کی حاضری میں ہیئت حتی الوسع اچھی ہو۔ ابن کثیر وغیرہ کے اقوال اس سلسلہ میں قابل ملاحظہ ہیں۔

باوقار و اطمینان آئے مسجد آتے ہوئے یہ خیال رہے کہ ہم ایک بڑی عبادت کے لئے بڑے گھر کی طرف جارہے ہیں، اس لئے رفتار میں پورا وقار، اعتدال اور سکینت نمایاں ہو، ایسی رفتار ہرگز نہ اختیار کی جائے جس سے دیکھنے والا ہلکا پن محسوس کرے اور عام نظروں میں مضحکہ خیزی کی حد تک پہنچ جائے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ نماز کا ارادہ کرنا بھی نماز ہی کے حکم میں ہے۔ لہذا راستہ چلتے ہوئے لہو و لعب ہنسی مذاق اور ناجائز چیزوں پر نظر سے پرہیز کیا جائے اور یہاں بھی حتی الوسع نماز کے خلاف امور سے پورا اجتناب کیا جائے۔ نگاہ نیچی، دل میں محبت و خشیت اور امید و بیم کی کیفیت طاری ہو، چہرہ پہ تواضع اور تذلل کے آثار ہوں مگر یہ سب کسی اور کے لئے ہرگز ہرگز نہ ہو، محض رب العالمین کے لئے ہو، اس سلسلہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے:۔

اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلوٰة وعلیکم بالسکینة والوقار ولا تسرعوا

تم جب اقامت سنو تو نماز کے لئے اس طرح چلو کہ تم پر سکینت و وقار طاری ہو۔

وأتوها وعليكم السكينة فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا فان احدكم اذا كان يعمد الى الصلوٰة فهو في الصلوٰة (مسلم باب استحباب اتیان الصلوٰۃ) (باب ما ادرکتم فصلوا)

نماز کے لئے اس طرح آؤ کہ تم پر وقار و اطمینان ہو، جو پالو پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کر لو، جب تم میں کا کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ حکماً نماز ہی میں ہوتا ہے۔ اور دوڑ دوڑو مت۔

پیدل آئے مسجد پیدل چل کر آنا چاہئے، بغیر عذر شرعی سواری سے آنا اچھا نہیں تاکہ ہر قدم کا اجر نامۂ اعمال میں لکھا جائے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پھر یہ کہ پیدل مسجد آنا باعث کفارۂ گناہ ہے جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں پورا واقعہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت غنودگی کی حالت میں میسر آئی۔ رب العزت نے مجھ سے ملاء اعلیٰ کے بارے میں سوال کیا، میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی آخر کار اس نے اپنا دست قدرت مجھ پر ڈالا جس کا اثر میں نے محسوس کیا۔ اس کے بعد رب العزت کی طرف سے پھر وہی سوال ہوا، اب میں نے کہا کہ فرشتے کفارات گناہ میں جھگڑ رہے ہیں، یعنی کون ایسے عمل ہیں جو گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتے ہیں، میں نے تفصیلی جواب دیا۔ اسی حدیث میں پہلا جملہ یہ ہے۔

والمشي على الاقدام الى الجماعات (مشکوٰۃ باب المساجد)

جماعت کے لئے پاؤں سے چلنا باعث کفارہ گناہ ہے)۔

پہلے دایاں پیر داخل کرے راستہ اس طرح طے کر کے جب مسجد کے دروازے پر پہنچ جائیں ذرا قلب و جگر تھام لیں کہ اب ایک بڑے دربار میں داخلہ ہو رہا ہے، علمائے سلف اور صوفیائے کرام کے حالات میں میری نظر سے ایسے واقعات گزرے ہیں جس کا تصور بھی آج کل مشکل ہی سے ہو سکتا ہے۔ بعض بزرگانِ دین کا مسجد کے دروازہ پر پہنچ کر رنگ بدل جاتا تھا اور ان کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔

بہر حال داخل ہوتے ہوئے مسجد میں پہلا دایاں پیر رکھیں، پھر بایاں اور فارغ ہو کر جب نکلنے لگیں تو اس کے خلاف کریں۔ یعنی پہلے بایاں پیر نکالیں پھر دایاں، مگر جوتا وغیرہ

پہلے داہنے ہی پیر میں پہنیں کہ طریقہ مسنونہ یہی ہے۔

عن انسؓ انہ یقول من السنۃ اذا دخلت المسجد ان تبدأ برجلک الیمنیٰ واذا خرجت ان تبدأ برجلک الیسریٰ	حضرت انس کہتے ہیں کہ سنت ہے کہ جب مسجد میں تو داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں ڈال اور جب نکلے تو پہلے بایاں پیر نکال۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل رہا اور ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نسبتاً دائیں کو بائیں پر فضیلت ہے۔

دعا پڑھی جائے | دایاں پاؤں رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔

(اے اللہ مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں اور یہ دعا پڑھتے ہوئے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِفَضْلِکَ" (اے میرے اللہ! تجھ سے تیرے فضل و بخشش کی درخواست کرتا ہوں۔

مسلم شریف میں حضرت ابو اُسیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک (تم میں سے جو بھی مسجد میں داخل ہو اس کو کہنا چاہیئے:۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔

واذا خرج فلیقل اللّٰھم انی اسئلک بفضلک (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۸)	اور جب مسجد سے نکلے تو یہ پڑھنا چاہیئے۔ اللّٰھم انی اسئلک بفضلک

سلام کیا جائے | مسجد میں پہنچ کر دیکھے کہ لوگ جمع ہیں تو سلام کرے اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو اس طرح سلام کرے:۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً۔ (نور - ۸)	تم جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو، سلام کرو جو کہ دعا کے طور پر ہے اور اللہ کی طرف سے مقرر ہے، برکت والی پاکیزہ ہے۔

مفسرین اور احکام قرآن بیان کرنے والوں نے اس آیت کے ضمن میں اس کو ثابت کیا ہے جو میں نے اوپر لکھا اور فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ (تفصیل کے لئے

ملاحظہ فرمایا جائے موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور احکام القرآن للجصاص (ج ۳ ص ۴۱۴ اور عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۵)۔

نماز تحیۃ المسجد | موقع ہو تو پہلے مسجد آکر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھیں، وقتی نماز کا وقت ہو یا کوئی اور وقت ہو، البتہ اوقات مکروہ میں سے کوئی وقت نہ ہو جیسے آفتاب کے طلوع و غروب کا وقت یا زوال کا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔ (بخاری)	تم میں کوئی مسجد میں جب داخل ہو تو اس کو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔

مگر یہ تحیۃ المسجد کی نماز وقتی نمازوں میں صرف ظہر، عشاء، اور عصر میں پڑھی جائے گی بقیہ دو نمازوں فجر و مغرب میں تو اس سے پرہیز کیا جائے گا، اس لئے کہ ان وقتوں میں کوئی نفل نماز پہلے جائز نہیں ہے مغرب سے پہلے تو گنجائش ہی نہیں، باقی فجر تو اس وقت پہلے صرف دو رکعت سنت ہیں۔

مسجد پہنچ کر کوئی بیٹھ جائے اور اس کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے مگر اولویت کے خلاف ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی صراحت فرمائی ہے [1]

فرض و سنت کوئی پہنچتے ہی شروع کر دے تو کیا اس کے ذمہ سے تحیۃ المسجد کی نماز ساقط ہو جائے گی؟ جواب یہ ہے کہ ہاں یہ شکل بھی جائز ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

چوں در مسجد داخل شود اگر ادائے فرض و سنت است فبہا والا دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نماید اگر فرض و سنت و نفل دیگر ادا نمود تحیۃ المسجد از و ساقط گشت۔ (فتح العزیز پ اول ص ۲۴۲)	مسجد میں داخل ہوتے اگر فوراً ادائے فرض و سنت ہے تب تو خیر ورنہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے اور بجائے تحیۃ المسجد فرض، سنت اور دوسری نماز پڑھ لی تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

اگر کوئی اوقات مکروہہ میں یا صبح و مغرب میں تحیۃ المسجد کی تلافی کرنا چاہے تو اس

[1] فتح الباری ج ۱۔ ص ۳۶۱

کو چاہیئے کہ قبلہ رو بیٹھ کر ایک ساعت ذکر و تسبیح و تہلیل میں گزار دے[۱]۔ یوں تو ابن عابدین نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے دن بھر میں ایک مرتبہ بھی تحیۃ المسجد پڑھ لی تو کافی ہے[۲] مگر اوپر جو حدیث نقل کی گئی اس کے لب ولہجہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر وقت موقع ہو تو تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی چاہیئے۔

تحیۃ المسجد سلام پر مقدم ہے | شرح سفر السعادت میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ پہلے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کرے، پھر حاضرین کو سلام کرے "تحیۃ المسجد" مسجد کو سلام کرنے کے حکم میں ہے جو حق اللہ ہے اور اس موقع پر حق اللہ کو حق العباد پر تقدیم حاصل ہے[۳]، حافظ ابن قیم نے بھی اسی کو لکھا ہے فرماتے ہیں:

ومن هديه صلى الله عليه وسلم	نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے یہ ہے کہ مسجد میں
ان الداخل فی المسجد یبتدأ برکعتین	جو داخل ہو وہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے
تحیۃ المسجد ثم یجئ فیسلم علی القوم	پھر وہ قوم کو آکر سلام کرے۔ پس معلوم ہوا کہ تحیۃ
فتکون تحیۃ المسجد قبل تحیۃ اهله	المسجد سلام سے پہلے ہے۔ (زاد المعاد ج ۱، ص ۲۴)

انہوں نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا دستور آپ کے ساتھ ایسا ہی تھا۔

دربار الٰہی میں دنیا کے کام

باطمینان بیٹھے | مسجد میں جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے، نہ نمازیوں کی گردن پھاندی جائے نہ جگہ کے لئے شور و ہنگامہ کیا جائے، نہ صف میں گھس کر جہاں جگہ نہ ہو مصلی کو تکلیف دینے کی کوشش کی جائے، نہ نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزرنے کی جرات کی جائے، نہ انگلی وغیرہ چٹخائی جائے کہ ان کی ممانعت آئی ہے، ہر ایسی حرکت سے جو خلاف ادب اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اجتناب کیا جائے، موقع ہو تو ذکر و شغل اور نوافل میں وقت گزارے ورنہ خاموش باادب بیٹھا رہے[۴]۔

یہ مسجد میں آنے کے وہ آداب ہیں جن کا عمل میں لانا ازبس ضروری ہے پھر یہ کہ میں نے وہی آداب بیان کئے ہیں جو رات دن پیش آتے ہیں اور ان کا برتنا ہر ایک پر لازم ہے بقیہ وہ آداب جن کو شریعت نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے اور وہ یہاں ضبط تحریر میں نہیں

[۱] فتح العزیز پارہ اول ص ۲۴۲ [۲] رد المختار ج ۱ ص ۶۱۴ [۳] شرح سفر السعادت ج ۱ ص ۲۰۵ [۴] عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۵

آسکتے ہیں ان پر بھی عمل کرنا چاہیئے۔

دنیا کی باتوں سے اجتناب آداب مسجد سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اس میں دنیا کی باتیں کرنے سے احتراز کیا جائے، وہ باتیں جائز ہوں خواہ ناجائز، اس زمانہ میں اس گناہ میں عوام و خواص دونوں ہی کم و بیش مبتلا ہیں، اس لئے ذرا تفصیل سے بیان کئے جا رہے ہیں۔

یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ قرآنِ پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں اسے بیان کیا، ارشاد ربّانی ہے۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۔ (جن ۲۰)	بلاشبہ مسجدیں، اللہ تعالیٰ کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو

مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں مسجد میں دنیا کی گفتگو کا مسئلہ کھول کر لکھا ہے اور اس کو واضح کیا ہے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی تسبیح و تقدیس اور عبادت کے لئے مخصوص ہے صاحب جمل لکھتے ہیں:۔

المعنی افردوا المساجد بذکر اللہ ولا تجعلوا لغیر اللہ فیہا نصیبا (ج ۴ ص ۴۲۳)	معنی یہ ہے کہ مسجدوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے مخصوص کرلو اور غیر کے لئے اس میں کوئی حصہ نہ بناؤ۔

اس سے واضح تر عبارت تفسیرات احمدیہ کی ہے۔

الا انہا علی ظاہرہا مما یستدل بہ علی انہ لا یجوز فی المسجد التکلم بکلام الدنیا (ص ۵۹۰)	اس آیت کے ظاہر سے استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ (نور)	ان گھروں میں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔

اس آیت میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجدوں میں صرف ذکر اللہ ہی کی قسم کی چیزیں ہونی چاہیں کیونکہ یہاں بُیُوت سے مساجد مراد ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی قدر و منزلت بھی اسی میں ہے کہ دنیاوی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ وہاں پہنچ کر دھیان سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ پر ہو۔ اس آیت کے ضمن میں ابوبکر جصاص تحریر فرماتے ہیں۔

ھذا یدل علی انہ یجب تنزیہھا من القعود لامور الدنیا مثل البیع والشراء وعمل الصناعات ولغو الحدیث الذی لا فائدۃ فیہ والسفہ وما جری مجری ذالک (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۰)	یہ آیت بتاتی ہے کہ مسجدوں کو دنیاوی کاموں سے پاک و صاف رکھنا واجب ہے، جیسے خرید و فروخت، دست کاری اور ایسی باتیں کرنا جو بے فائدہ ہیں اور اسی طرح نادانی وغیرہ کی باتیں کرنا۔

رحمت عالم کی پیشین گوئی اور امت کو ہدایت

میں نے یہ اس لئے نقل کیا تاکہ اصل مسئلہ کھل کر اہل علم کے سامنے آجائے اور ان کو کوئی اشکال پیدا نہ ہو سکے، ورنہ سب کو معلوم ہے کہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا کیا احترام تھا اور آپ کے خلفاءؓ و اصحاب نے اس احترام کو کیسے نباہا، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں ایسی باتوں کا عوام مسلمانوں کو وہم و گمان بھی نہ تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی۔ پھر آپ نے تاکیداً فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ ارشاد فرمایا تھا۔

فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۱)	ان لوگوں میں (جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں) مت بیٹھنا کیونکہ ان کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں

گویا دنیا کی باتیں خانۂ خدا میں اس قدر مبغوض ہیں کہ اس بڑے خطرہ کی آپ نے اپنی امت کو سیکڑوں سال پہلے اطلاع دی اور پھر تاکید فرمادی کہ اس گناہ کے کام سے بچنا اور ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا

فقیہ ابو اللیث نے بھی حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ اسلام بجز نام کے اور قرآن کا سوائے نشان کے اور کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مسجدیں بنی تو ہونگی لیکن ذکر اللہ سے ویران ہونگی [۱]

ان روایتوں کو پڑھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب جس زمانہ کی یہ پیشین گوئی کی گئی تھی وہ ہمارا ہی زمانہ ہو۔ اس لئے ارباب علم و دانش خوب غور کر لیں اور عوام مسلمان اپنے اعمال

[۱] تنبیہ الغافلین۔ ص ۱۰۱

پر گہری نظر ڈالیں۔

کون نہیں جانتا کہ مسجد دربار الٰہی اور جلوہ گاہ رحمت ہے، پھر ایسے مقدس اور پر جلال دربار میں دنیا کی باتیں جتنی نامناسب، نازیبا، عقل وخرد سے بعید اور مذموم ہو سکتی ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

جہاں مساجد کے فضائل بیان کئے گئے ہیں وہاں جو حدیثیں گزر چکی ہیں ان میں اس محترم ومقدس گھر کی وقعت کا ذکر ہے۔ خاص طور پر یہ جملے قابل غور ہیں۔

" احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد اسواقہا۔

خیر البقاع مساجدھا وشر البقاع اسواقہا۔

جن کا ماحصل یہ ہے کہ روئے زمین پر وہ جگہ جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پیاری اور سب سے بہتر ہے وہ وہی گھر ہے جس کو ہم "مسجد" کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بازار کو سب سے بری جگہ قرار دیا گیا ہے۔ آخر بات کیا ہے یہی نہ کہ بازار دنیا کی دھندوں کے اڈے ہوتے ہیں، جہاں دنیا اپنی بساط بچھائے رونق افروز رہتی ہے، اور شور وغل، ہو ہڑپ اور ہنگامہ اس کا لازمہ ہے۔

غور کیجئے جب اسی مبغوض ترین جگہ کے لوازم اس محترم ومقدس دربار میں کئے جائیں گے جو عند اللہ محبوب ترین ہے، تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا! اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسجد میں سیاسی تقریریں ہمارے زمانہ میں سیاسی تقریروں کا رواج مسجد میں عام ہوتا جارہا ہے اور وہ بھی آداب مسجد کا لحاظ نہ کرتے ہوئے، یہ چیز بھی پسندیدہ نہیں ہے، ایسی غیر ذمہ داری کی باتیں جو کہیں بھی کہنی جائز نہیں ہیں ان کا مسجد میں کہنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسجدوں کو بچوں، جھگڑوں، بلند آوازی، اجرائے حدود اور تلوار کھینچنے سے بچاؤ[1] اور آج کل مسجدوں میں جو سیاسی جلسے ہوتے ہیں ان میں تقریباً یہ تمام چیزیں کم وبیش پائی جاتی ہیں اور ان سے بڑھ کر "آزاد مسلم" جرنل تقریر ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ (المساجد حق سلم المسلمون)

[1] ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد ۱۲۔

من لسانہ ویدہ[1]۔

دینی باتیں اگر مسجد میں کہی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک یہ اغراض و مقاصدِ مسجد میں داخل ہیں۔ یا ایسی سیاسی باتیں جن کا دین سے لگاؤ ہو۔ مسلمانوں سے کہی جا سکتی ہیں کہ عہدِ نبوی میں مسجد نبوی ان باتوں کا مرکز رہ چکی ہے مگر آداب اور احترام و اکرام بہر حال ضروری ہے۔

مسجد میں بلند آوازی | ابھی ابن ماجہ والی حدیث میں یہ بات گزری کہ مسجد میں بلند آوازی نہ ہونے پائے صحابہ کرام رض کا عمل اس باب میں جیسا رہا وہ مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے کہ وہ دربارِ نبوی کے حلقہ بگوش تھے حضرت سائب بن یزید بیان کرتے ہیں میں ایک دن مسجد میں سو رہا ہوا تھا کنکری مار کر کسی نے جگا دیا دیکھا تو فاروق اعظم رض تھے۔ آپ نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا وہ مسجد میں شور و غل کر رہے تھے۔ اور فرمایا ان کو پکڑ لاؤ میں نے حسب الحکم ان دونوں کو ان کی خدمت میں لے جا کر حاضر کر دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ کہاں رہتے ہو؟ ان لوگوں نے طائف کا نام لیا یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ اگر تم مدینہ منورہ کے ہوتے تو سزا دیتا، تم مسجد رسول صلعم میں شور و غل کرتے ہو جاؤ آج صرف اس وجہ سے معاف کیا جاتا ہے کہ باہر کے رہنے والے ہو[1]

حضرت عمر رض اس معاملہ میں بہت سخت تھے، مسجد کی معمولی بے حرمتی کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لڑکوں کو بھی مسجد میں کھیلتے دیکھتے تو درہ سے خبر لیتے اور عشاء کے بعد بھی مسجد کی پوری خبر گیری رکھتے۔ نسائی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کسی کی بلند آوازی سن لی اس پر آپ نے تیز ہو کر فرمایا تم کو معلوم ہے کہ کہاں ہو؟[2]

فاروق اعظم رض کا اہتمام | فاروق اعظم رض نے انہی وجوہ کی بنا پر مسجد کے ایک کنارے ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام حدیث میں بطیحا آتا ہے اور اس کے بنوانے کے بعد اعلان کر دیا کہ جس کو شعر پڑھنا ہو یا اور کوئی ایسی بات کرنی ہو مسجد سے نکل کر وہاں چلا جائے مسجد میں اس طرح کی کوئی بات نہ ہونے پائے۔[3]

اس باب میں اختلاف ہے کہ بلند آوازی مطلقاً حرام ہے یا مقید طور پر۔ اکثریت کی رائے تفصیلی ہے کہ اگر دینی و دنیوی ضرورت ہو جس میں مسلمانوں کا مفاد ہے تو جائز ورنہ ناجائز

[1] بخاری ج ۱ ص ۶۷ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۹۳ [3] مشکوٰۃ عن موطا باب المساجد ۱۲۔

جواز کی دلیل میں کعب بن مالکؓ کی حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے ابن حدرد سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور یہ مطالبہ مسجد میں ہوا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بلند آوازی کو سنا اور آپ نے اپنے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھا کر صرف یہ اشارہ فرمایا کہ نصف معاف کر دو۔ اور ابن حدردؓ سے فرمایا کہ ادا کر دو۔ باقی ان دونوں کی بلند آوازی پر کوئی تنبیہہ نہ فرمائی [1]

گم شدہ کی تلاش | گم شدہ چیز کی تلاش بھی مسجد میں جائز نہیں ہے کہ یہ بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے کیونکہ اس میں شور و ہنگامہ ناگزیر ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا	جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گم شدہ کی تلاش کرتا ہے تو چاہیئے کہ کہے، اللہ تعالیٰ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔
(مسلم باب للنھی نشد الضالۃ الخ ج ا صـ۲۱۰)	

اس حدیث میں صرف گم شدہ چیز کی تلاش سے روکا ہی نہیں گیا ہے بلکہ اس میں اس پر زجر و توبیخ بھی موجود ہے اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے، اس زمانہ میں خصوصیت سے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیئے، اور اس حدیث کا مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن نشین ہونا چاہیئے ہاں اس وقت کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا کہ جب چیز مسجد میں گم ہو جائے تو آداب مسجد کے لحاظ کرتے ہوئے تلاش کی جائے، باقی جو چیز مسجد سے باہر کہیں اور کھو گئی ہے اس کی جستجو ان مساجد کے ذریعہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتے دیکھو تو کہو۔

لا وجدت انما بنیت المساجد لما بنیت (مسلم ج ا صـ۲۱۰)	وہ تجھ کو نہ ملے، مسجد جس کام کے لئے بنائی گئی ہے اسی کے لئے ہے۔

صنعت و حرفت | اس حدیث کے ضمن میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں دستکاری صنعت و حرفت اور اسی طرح کا کوئی دوسرا کام درست نہیں ہے کہ ان کاموں کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، اس وقت البتہ اجازت ہے کہ یہ چیز عام مسلمانوں کے مفاد کی ہو

[1] فتح الباری جلد ا صـ۵۷۲

جیسے آلات جہاد کی مرمت وغیرہ [1]

غزل خوانی احترام مسجد ہی سے یہ بھی ہے کہ اس میں اشعار غزل کی طرح کے نہ پڑھے جائیں، بوقت ضرورت حمد و نعت کی اجازت ہے یا ایسے اشعار جن کا تعلق اسلام کی حقانیت و صداقت سے ہو جائز ہے مگر یہ سب بھی اسی وقت جب اس سے مسجد کے بنیادی کام میں حرج نہ ہو۔ حدیث میں ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں
تناشد الاشعار فی المسجد وعن البیع	اشعار پڑھنے اور خرید و فروخت سے منع
والاشتراء (مشکوٰۃ عن ابی داؤد وغیرہ باب المساجد)	فرمایا ہے۔

معلوم ہوا مسجد میں بیع و شراء کی بھی اجازت نہیں ہے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے کہ یہ ساری چیزیں مسجد کے مقصود اصلی سے خارج ہیں بلکہ ان میں بعض اوقات مسجد کی توہین اور بے ادبی کا اندیشہ ہے۔

بچوں اور پاگل وغیرہ سے اجتناب مسجد میں ناسمجھ اور بے عقل کے آنے کی بھی اجازت نہیں، چاہے وہ بچہ ہو جس کو کوئی شعور نہ ہو یا کوئی پاگل مخبوط الحواس ہو کہ دونوں ہی احترام مسجد کو نہیں سمجھتے ہیں ممکن ہے کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جو آداب مسجد کے خلاف ہو فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کے داخل ہونے میں تلویث مسجد کا گمان غالب ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ تنزیہی۔ پھر چونکہ ان کو عقل نہیں ہے۔ اس لئے ان کو روکنے کا حکم ان کو دیا گیا ہے جو عقل والے ہیں، رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم	اپنی مسجدوں کی حفاظت کرو اپنے بچوں سے
وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع	پاگلوں سے، خرید و فروخت سے جھگڑوں
اصواتکم واقامۃ حدودکم وسل	سے شور و غل سے، اقامت حدود سے اور تلوار
سیوفکم (ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد)	کے کھینچنے سے۔

حدود کا اجراء مذکورہ حدیث سے حدود کا اجراء بھی مسجد میں ناجائز ثابت ہوا اس کی ممانعت

[1] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۱۰

بھی ظاہر ہے کہ تلویث مسجد کا خطرہ ہے اور شور و ہنگامہ کا یقین اور یہ دونوں آداب مسجد کے خلاف ہیں۔ ابن ماجہ شریف میں مستقل باب ہے باب النہی عن اقامۃ الحدود فی المسجد اور اس باب میں دو حدیثیں اس مفہوم کی آنحضرت سے نقل کی گئی ہیں، الفاظ یہ ہیں۔

لا تقام الحدود فی المساجد (ج ۱ ص ۱۹۰)	مسجدوں میں حدود قائم نہ کئے جائیں۔
نهى عن جلد الحد فى المساجد (ج ۱ ص ۱۹۰)	آنحضرت صلعم نے مسجد میں حد کے کوڑے لگانے سے منع فرمایا ہے

خصومت اور جنگ مسجد میں خصومت اور جھگڑا وغیرہ بھی ممنوع ہے۔ یہ دونوں چیزیں یونہی ناجائز ہیں مگر مسجد میں ان کی قباحت بڑھ جاتی ہے۔

مسجد میں کھلا ہتھیار تک لے کر چلنے کی اجازت نہیں کیونکہ لوگوں کو گزند پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے اسی طرح ہتھیار وغیرہ مسجد میں تیز کرنا بھی ادب کے خلاف ہے مسجد کو راستہ بھی نہ بنانا چاہیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

خصال لا تنبغی فی المسجد لا یتخذ طریقا	چند چیزیں مسجدوں میں کرنے کی نہیں ہیں۔ اس کو
ولا یشهر فیه سلاح ولا ینبض فیه	نہ راستہ بنایا جائے نہ ان میں ہتھیار تیز کئے جائیں نہ
بقوس ولا ینثر فیه نبل ولا یمر فیه	کمان پکڑی جائے نہ تیر پھیلائے جائیں نہ کچا گوشت
بلحم نیّ ولا یضرب فیه حد ولا یقتص	لے کر گزرا جائے نہ حد ماری جائے نہ قصاص لیا
فیه من احد ولا یتخذ سوقا (ابن ماجہ باب ...)	جائے اور نہ اسے بازار بنایا جائے۔

نماز جنازہ مسجد کا احترام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس میں جنازہ کی نماز پڑھی جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے گا اس کو کچھ نہ ملے گا۔ آپ خود بھی جنازہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔

وان سنته وهديه الصلاة على	آپ کی سنت اور آپ کا دستور مسجد سے باہر
الجنازة خارج المسجد الا لعذر وكلا	نماز جنازہ پڑھنے کا تھا مگر کسی عذر کے وقت اور
الامرين جائز والافضل الصلاة	جائز دونوں ہی ہیں مگر افضل جنازہ کی نماز مسجد
عليها خارج المسجد (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۴)	سے باہر ہی ہے۔

اسی وجہ سے اہل علم نے مسجد کے اندر جنازہ کی نماز کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے[۱]

---

[۱] شرح سفر السعادت ص ۲۵۵

نمازی کے آگے سے گزرنا

اس کی بھی سخت ممانعت ہے کہ کوئی مُصلّی (نمازی) کے آگے سے گزرے آپ نے فرمایا کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ معلوم ہو جائے تو چالیس برس تک کھڑا رہنا پسند ہو مگر گزرنے کی جرأت کبھی نہ ہو۔ آپ نے نمازی کو مدافعت کی وسعت بھر اجازت دی ہے اور حدیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے اس کی شناعت کا معمولی سا اندازہ ہو سکتا ہے، علمائے تو یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نمازی نے اپنے آگے سے گزرنے والے کی غیر مہلک چیز سے مدافعت کی اور وہ ہلاک ہو گیا تو بالاتفاق اس پر قصاص نہیں آئیگا، یہ الگ بات ہے کہ نمازی کو بھی احتیاط کرنا ضروری ہے[1]

عورتوں کا مسجد آنا

بلاشبہ ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے جانے کی اجازت دی تھی، اور یہ عہد نبوی میں باجماعت مسجد میں نماز بھی پڑھتی تھیں عیدین کے موقع پر ان کو عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم بھی ہوا تھا، اور وہ بھی اس عمومیت سے کہ پاک و ناپاک کسی کو رکاوٹ نہ تھی مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اظہار شوکت شاید مقصود تھا تاکہ مسلمانوں کی تعداد کا مظاہرہ ہو، مگر وہ علت اب باقی نہیں ہے پھر آپ ساری حدیثوں کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت کس عنوان سے تھی جگہ جگہ محسوس ہوگا کہ آپ نے ترغیب اس کی بھی دی ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی بہتر ہے پھر یہ بھی آپ حدیثوں میں پائیں گے کہ عورتوں کو اجازت عشاء اور فجر میں تھی جو تاریکی کے وقت ہیں اجازت کے ساتھ یہ بھی اعلان تھا:۔

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوتھا فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلوتھا فی بیتھا۔ (ابوداؤد باب خروج النساء الی المسجد)	عورت کی نماز اندر گھر میں اس کی دالان کی نماز سے بہتر ہے اور اس کے مخدع (گھر در گھر) کی نماز افضل ہے اندر گھر کی نماز سے۔

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی وہی نماز بہتر ہے جو زیادہ سے زیادہ پردہ میں ہو، یہ دوسری بات ہے کہ عورتیں افضل کو ترک کر دیں اور غیر افضل پر عمل کریں جو گو بہتر

[1] یہ تفصیل نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۹۶ و صفحہ ۱۹۰ سے ماخوذ ہے

نہیں ہے مگر چونکہ مسجد خانہ خدا ہے اور وہ اس دربار الٰہی میں عبادت کی نیت سے آرہی ہیں اس لئے ان کو روکا کیونکر جائے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا۔

لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن	اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔ البتہ ان کا
خیر لھن (ابوداؤد باب خروج النساء)	اندرون گھر میں ہی نماز پڑھنا ان کے لئے بہتر ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جاتا۔ مسئلہ تو بالکل کھل گیا کہ گو ان کو روکا نہیں جا سکتا مگر ان کے حق میں خیر یہی ہے کہ گھر میں نماز پڑھیں، عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھی جا سکتی ہے سب کو معلوم ہے کہ مہینے میں چند دن عورتوں پر ایسے گزرتے ہیں جن میں ان کو نماز کی اجازت نہیں لہذا ان دنوں میں یہ مسجد کی حاضری سے معذور ہیں اور یہ دن ان کے لئے راز کے دن ہوتے ہیں، کوئی شریف عورت اس راز کے افشا کو پسند نہیں کرتی اور مسجد کی حاضری میں اس راز کا کھل جانا ضروری ہے مزید یہ بھی تو ہے کہ ان کو مسجد کی اجازت دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ بے زینت ہو کر نکلیں۔

فاذا شھدت احدکن المسجد	تم عورتوں میں جب کوئی مسجد میں حاضری دے
فلا تمس طیبًا (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	تو خوشبو نہ چھوئے۔
فلا تطیب تلک اللیلۃ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	اس رات میں خوشبو نہ لگائے۔
ولکن لیخرجن وھن تفلات۔	اور لیکن وہ عورتیں نکلیں تو بے زینت ہو کر
(ابوداؤد باب خروج النساء الی المسجد)	نکلیں۔

ان قیود و شرائط کے ساتھ اجازت ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہی چیز تھی کہ آپ کے فوراً بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس فتنہ کو محسوس فرمایا اور ان کو کہنا پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عورتوں کی اس جدت کو دیکھتے تو ان کو مسجد آنے سے روک دیتے۔

لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جو چیز عورتوں میں پیدا ہو گئی ہے اسے رسول اللہ
رأی ما احدث النساء لمنعھن المسجد	صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو یقیناً بنی اسرائیل کی
کما منعت نساء بنی اسرائیل (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	عورتوں کی طرح آپ ان کو مسجد سے روک دیتے۔

یہ حضرت صدیقہؓ آپؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے ہیں، ان کا یہ کہنا دلیل ہے کہ عہد نبوی کے فوراً بعد انقلاب عظیم عورتوں میں پیدا ہونے لگا اور عہد صحابہؓ میں ان کی روک تھام ضروری سمجھی گئی، فقہاء اسی طرح کی حدیثوں کے پیش نظر کہتے ہیں کہ عورتوں اور خصوصاً جوان عورتوں کو مسجد نہ جانا چاہیئے۔ باقی اجازت والی حدیث تو اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ یہ اجازت تو ہے ضرور مگر حکیمانہ انداز میں۔

اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعھا (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)

تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کو منع نہ کرو۔

حدیث میں جہاں بھی ان کو مسجد کی اجازت ملی ہے اسی انداز میں، یہ کہیں نہیں ہے کہ ان کو بھی مسجد کی حاضری کے لئے مجبور کرو بلکہ عموماً اجازت دی ہے تو اسی طرح کہ جب وہ تقاضا کریں تو ان کو روکا نہ جائے، چونکہ یہ حق ایک شرعی حق بن جاتا ہے اس لئے رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے زبردستی ان کو روکنا نہیں چاہا مگر اپنے حکیمانہ انداز میں ان کو مشورہ یہی دیا ہے کہ نہ نکلیں تو اچھا ہے، بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے انہوں نے بھی متعدد قیدیں لگا دی ہیں اور جن کا لگانا ضروری بھی ہے علامہ نووی لکھتے ہیں۔

"عورتوں کو مسجد سے روکا نہ جائے گا، بشرطیکہ وہ ان قیود و شرائط کی پوری پوری پابندی کریں جو احادیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً کپڑوں میں خوشبو نہ لگائیں، بن سنور کر نہ نکلیں ایسی پازیب جس سے آواز پیدا ہو نہ پہنیں، مردوں سے اختلاط نہ ہونے پائے، جوان یا ایسی نہ ہوں جس سے کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ ہو اور ہر طرح کے مفسدہ سے بے خوف ہوں[1]

اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے بھی قابل ذکر ہے فرماتے ہیں:۔

جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے، کیونکہ فساد و فتنہ کا خطرہ ہے عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے اس لئے کہ احکام شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ بہر حال اولے ہی ہے[2]"

فصل مقدمات | اس سلسلہ میں ان چیزوں کا بھی تذکرہ کرنا ہے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے۔

---

[1] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۱۸۳ [2] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۲۴۸

ان میں سے ایک تنازع بین المسلمین کا فیصلہ ہے، شریعت نے مسجد میں مسلمانوں کے باہمی نزاع کے فیصلہ کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح اس کی بھی اجازت ہے کہ کوئی مسئلہ پوچھے تو اس کا جواب دیا جائے صرف شرط یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کا نقصان نہ ہو اور احترام مسجد کا پورا پورا لحاظ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں مسجد میں فیصلہ فرمایا ہے استفتاء کا آپ نے جواب بھی دیا ہے حتیٰ کہ دینی یا وہ دنیوی امور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہے ان کیلئے مسجد میں مجلس شوریٰ بلائی ہے اور اپنی مجلس میں برابر احکام بیان کئے ہیں انہی امور کو سامنے رکھ کر فقہا نے لکھا ہے۔

القضاء عبادۃ فیجوز اقامتہا فی المسجد کالصلوٰۃ (ہدایہ) قضا عبادت ہے لہذا یہ مسجد میں جائز ہے جیسے نماز۔

مسلم شریف کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ مسجد ذکر اللہ، نماز اور تلاوت قرآن پاک کیلئے ہے۔ طبرانی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردن پھاندتا آیا اور کہنے لگا حضرت! مجھ پر حد جاری فرمائیے آپؐ نے اطمینان سے بیٹھنے کا حکم فرمایا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا تیری کیا حد ہے؟ اس نے کہا پرائی عورت سے روسیاہی کی ہے آپ نے یہ سن کر صحابہ کرامؓ کو حکم دیا ہے چلوا ور کوڑے لگاؤ آپؐ کے بعد اس سلسلہ میں خلفاء راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے منبر رسول کے پاس لعان کرایا، اور بقول ابوبکر رازی حضرت عثمان غنیؓ نے بھی مسجد میں مقدمات فیصل کئے ہیں، ان بزرگوں کے علاوہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نزاع کا تصفیہ کیا ہے۔ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مسجد میں مقدمہ فیصل کیا ہے۔ حضرت شریحؒ بھی مسجد میں فیصلہ کرتے تھے۔ امام شعبی کا عمل بھی یہی تھا، یہ تمام واقعات مشہور ہیں مگر کہیں انکار مذکور نہیں ہے، نہ کسی صحابی سے اور نہ کسی تابعی سے[1]۔

اس میں شک نہیں کہ مقدمات میں یمین غموس اور کذب بیانی کی بھی نوبت آتی ہے مگر اس کی وجہ سے کوئی شرعی قباحت پیدا نہیں ہوتی، عہد نبوی میں "لعان" مسجد میں ثابت ہے۔

---

[1] فتح القدیر ج ۳ ص ۲۵۵

اور اس میں فریقین میں سے ایک کا کاذب و حانث ہونا ضروری ہے۔ ہاں فریقین میں کوئی ایسا شخص ہو، جس کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہ ہو، مثلاً حائضہ عورت تو اس کا مقدمہ مسجد سے باہر سنا جائے گا۔[1]

مجاہدین اسلام کی مشق مسجد میں یہ جائز ہے کہ مجاہدین اسلام شمشیر زنی اور نیزہ کی مشق کریں کہ یہ چیزیں اسلام کی خدمت میں داخل ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مسجد میں حبشی مسلمان نیزہ کی مشق کر رہے تھے میں نے یہ مشق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے سہارے دیکھی ہے طحاویؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس لہو (کھیل) کو محمود کہا ہے۔[2]

دعوت دینا اور قبول کرنا امور مباحہ میں مسجد میں دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا بھی ہے حضرت انسؓ کا واقعہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے آئے۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں قریب آکر کھڑا ہو گیا، آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کیا ابو طلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں، پھر آپؐ نے خود ہی پوچھا کھانے کے لئے؟ میں نے جواب دیا، ہاں حضرت۔ اس کے بعد آپ نے صحابہؓ سے کہا اور روانہ ہوئے، میں بھی ساتھ ہو گیا۔[3] یہ دلیل ہے کہ مسجد میں یہ کام جائز ہے۔

کھانا تناول کرنا بوقت ضرورت مسجد میں کھانا بھی جائز ہے، مسافر و معتکف کو تو کھلی ہوئی اجازت ہے باقی دوسروں کے لئے بعض ائمہ مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں مگر ابن ماجہ "باب الاکل فی المسجد" میں یہ حدیث موجود ہے۔

كنا نأكل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد الخبز واللحم (ج ۲ ص ۲۴۵) ہم لوگ عہد نبوی میں مسجد میں گوشت روٹی کھاتے تھے۔

جو جواز کے حق میں ہے ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، آپؐ کی خدمت میں گوشت روٹی حاضر کی گئی، آپ نے تناول فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کھانے میں آپ کے ساتھ میں بھی تھا کھانے کے بعد آپؐ نے اور دوسرے لوگوں نے کنکریوں سے ہاتھ صاف کئے اور پھر نماز پڑھی۔[4]

---

[1] ایضاً ص ۲۵۶ [2] فیض الباری جلد ۲ ص ۵۵ [3] ابن ماجہ۔ [4] مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ۔

البتہ مسجد میں کھانے کے لئے یہ شرط ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہونے پائے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ چیز اولیٰ ہے۔

لیٹنا اور سونا | اسی طرح معتکف اور مسافر مسجد میں سو بھی سکتا ہے، البقیہ لوگوں کے لئے ائمہ کی مختلف رائیں ہیں، بعضوں نے مکروہ کہا ہے اور بعض لوگوں نے بوقت ضرورت بلا کراہت جائز کہا ہے، ہاں پرہیز وسعت بھر اولیٰ ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ غیر معتکف اور مسافر کو جب ایسی مجبوری پیش آئے تو اعتکاف کی نیت کرے اور تھوڑی دیر نوافل و ذکر اللہ میں بھی مشغول رہے[2] حدیث سے مسجد میں سونے کی تائید ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جوانی ہیں مسجد میں سونا ثابت ہے[3] گو یہ درست ہے کہ یہ مہاجرین میں تھے اور مہاجرین کچھ دنوں تنگ حال رہے ممکن ہے عمر فاروقؓ نے اپنے ایثار و خدمت اسلام کی وجہ سے کوئی کشادہ مکان نہ بنایا ہو، حدیث میں یہ صراحت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اس وقت غیر شادی شدہ تھے۔

بخاریؒ نے ایک باب "باب نوم المرأۃ فی المسجد" بھی قائم کیا ہے جس سے ان کا مقصد عورت کا مسجد میں سونا ثابت کرنا ہے اور اس باب کے تحت میں ایک قدرے لمبی حدیث نقل کی ہے جس میں ایک عورت کا قصہ ہے اس کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے۔

فکانت لہا خباء فی المسجد او حفش (ج ۱ ص ۶۳) اس عورت کے لئے مسجد میں ایک خیمہ یا خیمہ نما گھر تھا

حضرت علیؓ کا واقعہ بھی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لائے، حضرت علیؓ غائب تھے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خفا ہو کر چلے گئے ہیں آپ نے تلاش کروایا تو معلوم ہوا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، آپ خود مسجد میں تشریف لائے، دیکھا چادر پہلو سے ہٹی ہوئی ہے اور پہلو گرد آلود ہو رہا ہے یہ دیکھ کر آپ نے شفقت سے گرد جھاڑی اور فرمایا "قم ابا تراب قم ابا تراب"[4] "اے ابو تراب اٹھو" تراب عربی میں مٹی کو کہتے ہیں اور "اب" باپ کو۔

مفاد عامہ سے متعلق چیز | ایسی چیز جو کسی خاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ اس کا تعلق عام، مسلمانوں سے ہو، مسجد میں رکھی جا سکتی ہے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی

---

[1] ردالمختار ج ۱ ص ۶۱۴ [2] عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ [3] بخاری باب نوم الرجال فی المسجد [4] ایضاً

جاسکتی ہے۔ مالِ غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور اسی طرح کی چیزوں کا مسجد میں جمع کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ مقاصد نماز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

آنحضرتؐ کے زمانہ میں بحرین سے جب مال غنیمت آیا تو اس کے متعلق آپ نے فرمایا انثروا فی المسجد (مسجد میں ڈال دو) پھر آپ نے نماز پڑھ کر اسے تقسیم کر ڈالا[1]

ایک دن آپ عصائے مبارک لئے ہوئے باہر تشریف لائے، مسجد کے اندر ایک انگور کا خراب خوشہ لٹکتا ہوا نظر آیا جسے غریبوں کے لئے لٹکایا گیا تھا۔ آپ نے عصائے مبارک سے خوشہ کو مارتے ہوئے فرمایا۔ صدقہ دینا ہو تو عمدہ انگور صدقہ دیا کرو۔[2] اسی حدیث کے ضمن میں ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں پینے کا پانی موسم گرما وغیرہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

قید کرنا عہد نبوی میں مسجد سے جیل خانہ کا بھی کام لیا گیا ہے، بعد میں جاکر اس کے لئے علیحدہ شعبہ قائم کیا گیا اور بڑھتی ہوئی ضرورت اس کی متقاضی بھی تھی۔ آپ کے زمانہ کا یہ واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ ثمامہ بن اثالؓ گرفتار ہو کر آئے تو ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے تو فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ چھوڑ دیئے گئے وہ مسجد سے نکل کر قریب ہی ایک باغ میں گئے وہاں غسل کیا اور مشرف باسلام ہوئے[3]

اسلام میں جیل خانہ مسجد سے یہ کام صدیق اکبرؓ کے عہد تک لیا گیا، فاروق اعظم کے دور، خلافت میں جیل کے لئے چار ہزار دراہم میں ایک مکان خریدا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں باضابطہ اس کی بنیاد حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں پڑی[4]

مشرکین کا دخول مسجد ثمامہ ابن اثالؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کافر کا داخل ہونا جائز ہے اگر مشرک و کافر کا داخلہ مسجد میں ناجائز ہوتا تو یہ واقعہ کیونکر ہوتا۔ بلکہ یہ بھی ایک تاریخی بات ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں یہود و نصاریٰ عام طور سے مسجد ہی میں اترتے اور آپؐ سے ملاقات کرتے حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے وفد ثقیف کو مسجد ہی میں اتارا، اور ان کے لئے خیمہ نصب کیا تاکہ وہ قرآن پاک سن سکیں، اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

[1] بخاری ج ۱ ص ۶۰ [2] ایضاً [3] فتح الباری ج ۱ ص ۳۴۹ [4] فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۱

ومنها جواز انزال المشرك فى المسجد (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵) اس واقعہ سے مسجد میں کافر و مشرک کا اتارنا جائز ثابت ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے اس سے بھی واضح لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

امام اعظمؒ کا قول ہے کہ ہر ایک مسجد میں کافر و مشرک کا دخول جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ سعادت نشان میں مہمانوں کو گو وہ کافر ہوتے مسجد ہی میں اتارتے جیسا کہ وفد ثقیف اور دوسرے وفود کو آپ نے مسجد میں ٹھہرایا۔ تواتر سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی ملاقات کو یہود و نصاریٰ اور مشرکین مسجد میں آتے اور بے پروانہ حاصل کئے بغیر بیٹھتے اور ثمامہ اثالؓ کی حالت کفر میں مسجد کے ستون سے بندھوایا گیا تھا جس کا کوئی نسخ وارد نہیں ہے[1]

دروازہ بند کرنا | مسجد کے سامان اور اسباب کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مسجد کا دروازہ بند کرنا جائز ہے، فقہا اور محدثین دونوں اس کے قائل ہیں مگر نماز کے وقتوں میں دروازہ کھلا رکھا جائے گا تاکہ جماعت کے لئے لوگ بہ آسانی آسکیں، جماعت کے علاوہ وقتوں میں بھی دروازہ اس طرح بند کیا جائے کہ خادم ہمیشہ وہاں موجود رہے تاکہ کوئی بعد میں نماز کے لئے آئے تو وہ کھول دے اور اس طرح نمازی کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو جہاں اور شعبہ پر صرف کیا جاتا ہے۔ دروازہ کے کھولنے پر ایک خادم رکھنا چاہیئے۔

چوری کے خوف سے دروازہ بند کرنا برا نہیں ہے اور نہ یہ آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ کے تحت میں داخل ہے کیونکہ وہاں نماز سے روکنا ہے اور یہ نماز سے روکنے کے لئے نہیں ہے۔

شان نزول میں اہل روم جو بیت المقدس کے مخرب ہیں انکا نام لیا گیا ہے یا مشرکین مکہ کا جنہوں نے آپ کو صلح حدیبیہ کے سال بیت اللہ کی زیارت سے روکا تھا، اگرچہ باب احکام میں عام ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کو بالکلیہ نماز و ذکر اللہ سے نہ روکے تو وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہ ہوگا، آیت کی ترکیب بھی اسی کو چاہتی ہے کیونکہ منع فعل متعدی ہے جس کے دو مفعول ہیں، مساجد اللہ اور ان یذکر جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ذکر اللہ مسجد میں روک دیا۔

---

[1] تفسیر عزیزی فارسی پارہ اول صفحہ ۴۳۹

جائے اور یہ اس وقت ہوگا جب دروازہ بند کر دیا جائے اور لوگوں کو ذکر اللہ کے لئے دخول کی اجازت نہ دی جائے اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان مسجد کا دروازہ اس نیت سے بند نہیں کرتا اپنا ذاتی خیال ہے کہ اگر ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک والے کو فتنہ و فساد کی وجہ سے مسجد میں نہ آنے دیں اور خود ایک مسلک کے لوگ جماعت سے نماز پڑھیں تو یہ فعل بھی اس آیت کے تحت میں نہ آئے گا اس لئے کہ ابھی آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ مسجد کو جھگڑے اور فتنہ و فساد سے بچانا چاہیئے۔

دینی تعلیم | جہاں مسجد سے بہت سے کام لینا جائز ہیں وہاں مسجد میں دینی تعلیم بھی جائز ہے بلکہ یہ وہ سلسلہ ہے جو عہد رسالت سے مسجدوں میں قائم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مسجد میں علمی مجلس قائم کی ہے۔ صفہ جہاں عہد نبوی میں دین کی تعلیم ہوتی تھی، یہ مسجد نبوی میں تھا۔

مدارس اسلامیہ کا سلسلہ اوّل اوّل مسجدوں سے شروع ہوا، اور یہ چوتھی صدی ہجری تک باقی رہا۔ کتب احادیث و تراجم میں متعدد مدرسوں کے نشان ملتے ہیں جو مسجدوں میں قائم تھے جہاں مدرسین بلا معاوضہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ مولانا حکیم عبدالحی صاحب تاریخ گجرات "یاد ایام" میں لکھتے ہیں:۔

> ہمارے پیر و مرشد روحی فداہ نے شہر پاک مدینہ میں جو پہلی عمارت بنائی تھی اور جسکو مسجد نبوی کہتے ہیں وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا اس کے بعد جتنی مسجدیں دنیا میں تیار ہوئیں انہی کو آپ مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں، تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا، اساتذہ خالصاً لوجہ اللہ تعلیم دیتے اور ان کے شاگرد چٹائیوں پر سو کر اور مسجد کے چراغ کھا کر تحصیل علم کرتے تھے۔ بڑے بڑے شاہزادوں کو بھی اگر علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ بھی مسجدوں میں جا کر اور اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے بیٹھتے تھے، یہی طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا، اس کے بعد سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ کے لئے، شاندار عمارت بنائی گئی اور اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف مقرر ہوئے۔[1]

[1] یاد ایام صفحہ ۱۴ ۔

اس کے بعد مولانا مرحوم نے ہندوستان کی چند مسجدوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا ان میں جونپور میں اٹالہ کی مسجد لاہور میں وزیرخان کی مسجد نئی دلّی میں ماہم بیگم کی مسجد پرانی دلی میں مسجد فتحپوری اور سورت میں مرجان شامی کی مسجد کا خصوصیت سے نام لیا ہے یہ مئو ضلع اعظم گڈھ میں کٹرہ کی مسجد سے بھی برابر مدرسہ کا کام لیا جاتا رہا ہے اور ابتک وہاں یہ سلسلہ قائم ہے جو مدرسہ اب مفتاح العلوم کے نام سے مشہور ہے اور الحمدللہ کہ اس خاکسار کو بھی اسی سے شرف تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔ سیدی علامہ ندوی نے "حیات شبلی" میں اس مسجد اور مدرسہ کا تذکرہ کیا۔

دربار الٰہی کی صفائی

انسان طبعًا نفاست پسند واقع ہوا ہے، ہر شخص اپنی وسعت بھر چاہتا ہے کہ وہ خود بھی پاکیزہ رہے، اس کا گھر بھی صاف ستھرا رہے اور اس کی ہر چیز سے نفاست ٹپکے، پھر جو جس مرتبہ کا ہے اس کی صفائی بھی اسی انداز کی ہوتی ہے۔

ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسجد جو دربار الٰہی اور خانہ خدا ہے اس کی صفائی کس قدر ضروری ہے کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو عنداللہ محترم ہے اور جہاں مسلمان اپنے مولےٰ کی عبادت کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت میں جمع ہوتے ہیں اور حاضری کے وقت ان اعضاء کو عمومًا دھوکر آتے ہیں جن پر گرد وغبار کے اڑکر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

صفائی کا ثبوت قرآن سے

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ صفائی بھی ہر چیز کی طرح اعتدال پر ہو اور افراط وتفریط سے پاک ہو نہ اس قدر اسے بڑھایا جائے کہ حد تنعم کو پہنچ جائے اور نہ ایسی بے توجہی برتی جائے کہ گرد وغبار سے اٹ جائے، اس اعتدال پر رہ کر اس کی پاکیزگی اور نفاست کا خیال ازبس ضروری ہے۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ

ہم نے ابراہیم واسمٰعیل سے عہد لیا کہ وہ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع

لہ یادایام صفحہ ۳۵ و ۳۶ و ۳۸

وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ (بقرہ - ۱۴) رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھیں۔

یہ آیت شانِ نزول میں گو خاص ہے مگر بابِ احکام میں عام ہے اور مفسرین نے اسی وجہ سے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ مسجدوں کو ہر طرح پاک و صاف رکھنا ضروری ہے ظاہری و باطنی، اعتقادی، معنوی ہر اعتبار سے پاکی کامل ہو، نہ انجاس و اصنام ہوں اور نہ عصیان و طغیان، پھر غور کیجئے خانہ خدا کی طہارت اور صفائی کا حکم کن جلیل القدر نبیوں کو ہو رہا ہے جو بیت اللہ اور مسجدوں کی عظمتِ شان کا بہت بڑا مظاہرہ ہے۔ حضرت مریم کی والدہ ماجدہ نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوا تو اسے مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لئے آزاد کردونگی۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (آل عمران - ۴)

جب کہ عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد کیا جائے گا، سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

امام بخاریؒ نے اس واقعہ اور آیت کو نقل کر کے مسجد کی صفائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور واقعی یہ بات مسجد کی صفائی اور خدمت کے لئے بڑی اہم ہے۔ قرآن کی ان دو آیتوں میں مسجد کی صفائی کا بیان باوجود اختصار کے بہت کافی ہے۔

حدیث میں فضائل | مسجد کی صفائی کے فضائل حدیثوں میں بے شمار ہیں، یہاں اس سلسلہ کی صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو اس مسئلہ کے ثبوت کیلئے کافی و وافی ہیں ایک دفعہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عُرِضَت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد

مجھ پر میرے امت کے اجر پیش کئے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا بھی جو کسی نے مسجد سے باہر کیا تھا۔

(مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد ج اص ۶۹)

عربی داں جانتا ہے کہ قذاۃ کے لفظ میں کس قدر فصاحت و بلاغت ہے، قذاۃ اس تنکے کو کہتے ہیں جو آنکھ میں پڑ جائے۔ تنکے کے پڑنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب جانتے ہیں

اور اسے نکالنے کی جس قدر جلد سعی پیہم کی جاتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں تو گویا اس لفظ کو لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ کوڑا کرکٹ مسجد کے لئے ایسی ہی اذیت کا باعث ہے جیسے تنکا آنکھوں کے لئے اس لئے اسے جلد سے صاف کیا جائے، دوسرے یہ کہ معمولی گندگی بھی مسجد میں نہ ہونی چاہیئے۔

سرکار دو عالمؐ کی خدمت مسجد | حضرت انسؓ خادم رسول صلعم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ کی نظر بلغم پر پڑ گئی جو قبلۂ مسجد میں کسی نے ڈال دیا تھا، یہ دیکھ کر آپ کو بڑی اذیت ہوئی اور اس اذیت وناگواری کا اثر چہرۂ مبارک پر آ گیا، پھر خود اٹھے اور اپنے دستِ مبارک سے اسے صاف فرمایا۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے فرمایا۔ لوگو! تم میں کا کوئی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس کے اور قبلہ کے درمیان رب العزت اپنی رحمت ورضا کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، اس لئے کوئی اپنے سامنے نہ تھوکے نماز میں تھوکنے کی ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے ڈال سکتا ہے، پھر آپ نے عمل کرکے اسے بتایا اپنی چادر مبارک کے ایک کنارے کو لیا اس پر تھوکا اور مل دیا، پھر فرمایا ایسا ہی کرے۔[1]

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے | ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

البزاق خطیئة وکفارتها دفنها (بخاری ص۵۹) تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کرنا ہے۔

یعنی مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، کسی سے نادانستہ ایسی غلطی ہو ہی جائے تو اس کو چاہیئے کہ اس کو دفن کردے۔ نوویؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں کہیں بھی تھوکا نہیں جا سکتا بلکہ تھوکنا گناہ ہے اور قبلہ کی دیوار کا احترام نسبتاً بڑھا ہوا ہے اس لئے ادھر تھوکنا اور بھی بُرا ہے، یہ قبلہ مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ دونوں قابل احترام ہیں۔ جس جگہ آدمی نماز پڑھتا ہے وہاں نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت ہے ان اللہ جمیل یحب الجمال۔ نماز پڑھتے ہوئے منہ میں تھوک آ ہی جائے تو کپڑے کے کنارہ پر تھوک کر مل دے کہ اس صورت میں تلویثِ مسجد نہیں ہے، مسجد سے باہر اگر کوئی نماز پڑھتا ہو اور پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب مجبوری کی حالت میں تھوک دے تو مضائقہ نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کی جرأت نہ کی جائے، اگلنا پڑے تو یہ کرے مگر تھوکنا مناسب نہیں۔[2]

---

[1] بخاری ج۱ ص۵۸ [2] فتح الباری ج۱ ص۳۴۴ و ص۳۴۵۔

مسجد سے گندگی دور کرنا مسجد میں تھوک دیکھا جائے تو اس پر مٹی ڈال دی جائے اگر فرش کچا ہے۔ یا کھرچ کر پھینک دیا جائے۔ اور فرش پختہ ہے تو اس کو صاف کرے، دھو کر یا کپڑے سے اٹھا کر، کیونکہ فرش پر ملنے سے اور گندگی پھیل جائے گی۔ صاف کرنے میں اس کا خیال رہے کہ کوئی اثر گندگی کا باقی نہ رہنے پائے اور ہو سکے تو خوشبو لے کر مل دے[1]

قفال نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ دفن کرنے کا جس کو حکم ہے وہ منہ اور سر سے اترنے والا تھوک ہے۔ باقی جو بلغم سینہ سے آتا ہے وہ نجس ہے اسے کسی حال میں مسجد میں دفن نہ کیا جائے گا[2]

دفن کے معنی عام لئے جائیں یعنی اس کو صاف کر دینا اس طرح کہ ظاہری طور پر اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تاکہ اشکال سرے سے ختم ہو جائے، کیونکہ گھن جس سے آتی ہو اسے مسجد میں دفن کرنا کسی طرح اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے متعلق آیا ہے کہ انہوں نے ایک رات مسجد میں تھوک دیا اور صاف کرنا بھول گئے۔ گھر واپس پہنچ چکے تو ان کو یاد آیا فوراً روشنی لے کر مسجد تشریف لائے اور اسے تلاش کر کے صاف کیا[3]

صاحب فتح الباری نے حضرت ابوذرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وجدت فی مساوی اعمال امتی النخاعة تکون فی المسجد لا تدفن۔ ج ۱ ص ۳۴۵	میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں اس گاڑھے تھوک کو بھی پایا جو مسجد میں ڈالا گیا مگر صاف نہ کیا گیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کے گندہ کرنے کا گناہ نامہ اعمال میں ثبت ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب میں وہ چیز بھی سامنے لائی جاتی ہے پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ مسجد میں کوئی ایسا تنکا بھی نہ ڈالے جس سے گندگی معلوم ہو اور اگر کوئی ایسی چیز دیکھ لے تو فوراً صاف کر دے۔ امام کی تو خصوصیت سے یہ ذمہ داری ہے کہ مسجد کی صفائی کی دیکھ بھال کرے اور اس کی نگرانی کرے کہ خود سرکار دو عالم ﷺ نے اس کام کو انجام دیا ہے[4]

---

[1] فتح الباری ج ا ص ۳۴۶ ـ [2] ایضاً ـ [3] ایضاً ـ [4] ایضاً ج ا ص ۳۴۷

مسجد گندہ کرنے کی سزا حضرت سائب بن خلاد رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قوم کی امامت کی، اتفاق کی بات اس نے جانب قبلہ تھوک دیا، جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بچشم خود دیکھ لیا۔ آپ کو یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی، آپ نے سختی سے فرمایا کہ اس کو اب امامت نہ کرنے دینا چنانچہ لوگوں نے اس کو دوبارہ امامت نہ کرنے دی۔ اس کو جب آپ کا واقعہ معلوم ہوا تو وہ دربار نبوی میں حاضر ہوا اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ آپ نے اس کی باتیں سن لیں اور اس کے بعد فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے میں نے ہی روکا ہے اس لئے کہ تم نے مسجد میں تھوک کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔[1]

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کی بے ادبی کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ یہ وہ جرم عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے لئے باعث اذیت ہوتا ہے اور اس جرم میں کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے تو بجا ہے۔ بلکہ وہ اسی لائق ہے کہ اس کو جرم کا بدلہ ملنا چاہئیے۔

جاروب کش نگاہ نبوی میں ایک طرف گندہ کرنے کی سخت سزا جو اوپر مذکور ہوئی اور دوسری طرف اس کی صفائی کا یہ ثواب کہ قیامت میں اس کو اس کا گرانقدر معاوضہ عطا ہو گا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا اس کا انتقال ہو گیا جس کی اطلاع آپ کو نہ دی گئی، آپ نے جب اس کو دوسرے دن نہیں دیکھا تو لوگوں سے دریافت فرمایا آپ کو بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی اچانک موت کی خبر سن کر آپ نے فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی، پھر فرمایا اس کی قبر بتاؤ چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ راوی کو اس کے متعلق شک ہے کہ وہ عورت تھی یا مرد تھا مگر روایتوں کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت تھی اور اس کی کنیت ام محجن تھی۔[2]

لوگوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ ایک معمولی آدمی کے لئے آپ کو کیوں تکلیف دی جائے مگر آپ کی نظر میں اس کی اس حیثیت سے بڑی وقعت تھی کہ اس کو خادم مسجد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

---

[1] مشکوٰۃ باب المساجد۔ [2] فتح الباری ج ۱ صا۲۷۔

خدمت مسجد ایمان کی علامت ہے | حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اذا رأیتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۹) | تم جب کسی کو مسجد کی خدمت کرتے دیکھو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو۔

تعاہد کے بہت سے معنوں میں ایک معنی جھاڑو دینا بھی ہے۔

حضرت عمرؓ ہر ہفتہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو مسجد قبا جاتے تھے۔ ایک دن مسجد میں دیکھا جھاڑو نہیں دی گئی ہے خود آپ نے کھجور کی شاخ لے کر مسجد کو صاف فرمایا پھر لوگوں کو تاکید فرمائی کہ مسجد کو مکڑیوں کے جالے وغیرہ سے پاک وصاف رکھو[1]

ایک دفعہ آپ نے فرمایا اس (مسجد) کو ہر طرح کی گندگی سے پاک وصاف رکھو یہ اس لئے کہ اس میں ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پاک ہو[2]

مسجد کی صفائی کا معاوضہ | اخیر میں اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ خادم مسجد کا اجر کتنا ہے۔

من اخرج اذی من المسجد بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (ابن ماجہ باب تطہیر المساجد) | جو شخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

اس حدیث کو پڑھ کر ہر مسلمان کے دل میں مسجد کی خدمت اور اس کی صفائی کا جذبہ پیدا ہونا چاہئیے کہ اس معمولی خدمت کا اجر اتنا بڑا ہوگا

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ مسجد کو جو دربار الٰہی ہے ہر طرح کی گندگی، خس وخاشاک تھوک، بلغم، گھناؤنی چیز اور شریعت میں جو بھی نجس اور تکلیف دہ ہے اس سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے اور جو اس خدمت کو انجام دے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اس کو بڑا اجر ملے گا۔ پھر یہ بھی واضح ہو جائے کہ یہ خدمت باعث ذلت نہیں باعث عزت و رضائے الٰہی ہے اور یہ وہ عظیم الشان خدمت ہے جسے خود سرکار دو عالمؐ نے اپنے ہاتھوں انجام دیا ہے اور آپؐ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے۔

بدن اور کپڑوں کی صفائی | طہارت ونظافت اور مسجد کی صفائی کے متعلق جو کچھ

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲ [2] ریاض الصالحین للنووی ص ۲۵۰

عرض کیا گیا اس سے یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ بدبودار بدن یا کپڑوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا جس کی بدبو اذیت دیتی ہو، جائز نہیں ہے۔ وسعت بھر اس فعل سے اجتناب ضروری ہے اور جب کوئی مسجد آئے تو اس کا بدن اور لباس صاف ہونا چاہیئے۔

جمعہ کے دن غسل کی تاکید آئی ہے اس کی ایک بڑی وجہ بدبو سے بچنا بھی ہے کیونکہ اجتماع میں ایسا ہوتا ہے کہ پسینہ آجاتا ہے، اس کی بدبو پھیلنے لگتی ہے جو فرشتوں اور نمازیوں کے لئے اذیت کا باعث بن جاتی ہے اور یہ چیز دربار الٰہی کے آداب کے خلاف بھی پڑتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے عراقی حضرات کے سوال کرنے پر بیان کیا تھا کہ

جمعہ کے دن غسل کا حکم اس وجہ سے ہوا کہ لوگ مزدوری کرتے تھے، ان کا کپڑا استعمال ہوتا تھا اور ان کو اپنی پشتوں پر بھی بار بہ داری کرنی پڑتی تھی۔ اور مسجد کا حال یہ تھا کہ ان کی مسجدیں تنگ تھیں جن کی چھتیں نیچی ہوتی تھیں جنہیں جھونپڑی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے موسم گرما میں ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے لوگ اپنے انہی کپڑوں میں شرابور ہو رہے تھے اور ان سے تکلیف دہ بو پھوٹ رہی تھی۔ آپ نے جب یہ چیز دیکھی تو فرمایا۔ لوگو! جب یہ دن آئے تو غسل کر کے آیا کرو اور جو میسر ہو اس کے مطابق اچھے سے اچھا تیل یا خوشبو مل کر آ ؤ۔[1]

گندہ دہنی سے اجتناب بدن کپڑوں کے ساتھ منہ بھی صاف ہونا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ بولنے اور منہ کھولنے کے ساتھ مسجد کے کچھ حصوں میں بدبو پھیل جائے اور نمازیوں کے لئے اذیت کی وجہ بن جائے مسجد آنے سے پہلے اچھی طرح منہ صاف کر لیا جائے کوئی ایسی چیز نہ کھائی پی جائے جس سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔

حدیث میں مسواک کی تاکید اور اس کی فضیلت جو بیان کی گئی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے دربار میں حاضری پاکیزگی اور نفاست کے ساتھ ہو تاکہ مناجات اور سرگوشی میں پورا پورا ادب ملحوظ رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی

[1] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۵ من ابی داؤد۔

زندگی میں منہ کی صفائی کا بڑا اہتمام فرمایا خود تو یہ حال تھا کہ کوئی وضو بغیر مسواک کے نہیں ، ہوتا تھا یوں بھی آپ بکثرت مسواک کرتے۔ آپ نے اپنی امت کو بھی اس کی بڑی ترغیب فرمائی ہے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں [1]

ایک دوسری حدیث میں ہے مسواک سے منہ کی صفائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی [2] اسی صفائی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے ایسی چیز کھا کر مسجد جانے سے روکا ہے جس کی بو جلد ختم نہیں ہوتی جیسے کچی پیاز، لہسن مولی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا او فلیعتزل مسجدنا (ریاض الصالحین للنووی ص۲۵)	جو بھی لہسن پیاز کھائے اس کو چاہیئے کہ ہماری مسجد سے علیحدہ رہے۔

دوسری روایت اس سے واضح ہے جس میں علت بھی بیان کی گئی ہے۔

من اکل من هذه الشجرة فلا یقربن مسجدنا فان الملائکة تتاذی مما تتاذی الانس (مشکوٰۃ ج۱ ص۶۹)	جو اس درخت (پیاز) سے کھائے ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لیے کہ فرشتوں کو اس چیز سے اذیت ہوتی ہے جس سے انسان کو اذیت ہوتی ہے

مٹی کا تیل وغیرہ جلانا اسی علتِ اذیت کی وجہ سے مسجد میں مٹی کا کراسن تیل جلانا ، نہ چاہیئے کہ اس کی بو بھی اذیت دیتی ہے اسی طرح مسجد میں بیڑی، سگرٹ اور حقہ پی کر بغیر منہ صاف کئے داخل نہ ہونا چاہیئے۔ اس سے یہ بات خود سمجھ میں آتی ہے کہ جب بدبو منہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تو مسجد میں بیڑی سگرٹ پینا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ "وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ" میں ہے:۔

قال الفقهاء کل من وجد فیه رائحة کریهة یتاذی به الانسان یلزم اخراجه ولو بجر من یده او رجلیه دون لحیته وشعر	فقہانے کہا ہے کہ جس شخص میں ایسی ناگوار بو پائی جائے جس سے انسان کو اذیت ہو تو اس کا نکال دینا لازم ہے گو ہاتھ پیر پکڑ کر گھسیٹنا پڑے الخ

---

[1] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب السواک ۔ [2] مشکوٰۃ باب السواک عن النسائی وغیرہ ۔

(اسلام رفتہ رفتہ جلد گیا ...)　　داڑھی اور سر کے بال نہ کپڑے جائیں۔

فقہاء کی اس صراحت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بدن، منہ اور کپڑوں کی ... کس قدر ضروری ہے۔

تارِ عنکبوت | اسی علت اذیت میں مکڑی کے جالے بھی آجاتے ہیں کہ آدمی ... اس سے بھی تکلیف محسوس کرتا ہے ہمارے زمانہ میں اس طرف توجہ دینے کی بڑی گنجائش ہے ... میں فاروق اعظم کا قول گزر چکا ہے کہ آپ نے مسجد قبا کے متعلق فرمایا تھا کہ مکڑیوں کے جالے سے پاک وصاف رکھو۔

اخراجِ ریح | اسی علت میں اخراجِ ریح بھی ہے کہ اس سے بھی بدبو پھیلتی ہے اور ... بدبو پھیلے گی تو اذیت ضرور پائی جائے گی۔ علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ اخراجِ ریح ... میں مکروہ تحریمی ہے معتکف کو البتہ بعض علماء نے معذور قرار دیا ہے لیکن ... اولیٰ ہے ایک حدیث میں ہے کہ فرشتے نمازیوں کے لئے اس وقت دعا کرتے ہیں ... وہ حدث نہیں کرتے[1]

خوشبو کی دھونی | صرف یہی نہیں ہے کہ ... بدبو اور گندی چیزوں سے بچایا ... ہے بلکہ تطہیر وتنظیف کے ساتھ تطییب بھی مطلوب ہے ایک ... حدیث ... ہے

اتخذوا على ابوابها المطاهر وجمروها　　ان مسجدوں کے دروازوں پر ...

في الجمع (ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۵)　　اور جمعوں میں ان کے اندر خوشبو کی دھونی ...

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ...

کا انتظام کرو ... فاروق اعظم ہر جمعہ کے دن ... تھے، ساتھ ہی یہ حکم بھی نکال دیا تھا کہ ہر شہر کی مسجدوں میں دوپہر کے وقت خوشبو کی دھونی دی جائے[2]

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ اور ان کو پاک وصاف اور معطر رکھو[3]

---

[1] مسلم باب فضل الصلوٰۃ المکتوبہ ص ۲۳۴ [2] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۱ [3] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۹

[illegible] سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لوبان، اگربتی اور دوسری خوشبو جلائی جائے۔
[illegible] اس کا اہتمام رکھا جائے۔
[illegible] روشنی کرنے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ ابوداؤد میں اس کے متعلق
[illegible]

وقف اور تولیت

[illegible] وغیرہ وقف کی جاتی ہے اس سے یقینی طور پر واقف کی
[illegible] وجہ سے وقف میں شرط ہے کہ واقف راستہ کے ساتھ اپنی
[illegible] اور لوگوں کو نماز کی عام اجازت دیدے اس اجازت کے
[illegible] نماز پڑھ لی [illegible] مسجد ہو گئی، واقف کی ملکیت سے علیحدہ گ
[illegible] مسجد کی حق [illegible] ثابت ہو جائے گی بعض
[illegible] کے لئے باجماعت نماز ہونا ضروری۔
[illegible] انفرادی طور پر تو ہر جگہ نماز
[illegible] ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ
[illegible] مقصد کے لئے یہ کافی ہے اور امام ابو
[illegible] کے لئے کافی ہے[1]
[illegible] اور اپنے [illegible] ان کے لئے
[illegible] ہو جائیں گے
[illegible] مثلاً وہ غیر مامون ہو عاجز ہو، فاسق ہو یا فاجر
[illegible] شراب پینے کی عادت ہو گئی یا لیا میں مال خرچ کرنے لگا، تو ایسی صورت میں متولی
[illegible] تولیت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ کوئی متولی خائن ہو جائے تو اس کو بھی قاضی معزول
[illegible] سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی متولی سال بھر پاگل رہے تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔

[1] [illegible] مولانا عبدالحی ج ۲ صفحہ ۲۲۴

البتہ صحت یاب ہونے پر وہ دوبارہ متولی ہو سکتا ہے[1]

واقف نے اگر یہ شرط لگا دی ہے کہ تولیت اس کی اولاد در اولاد میں رہے گی تو جب تک اس خاندان سے کھلی ہوئی خیانت ثابت نہ ہو جائے، یا کوئی اور ایسا عذر محقق نہ ہو جائے جس سے معزولی جائز و ضروری ہو، قاضی کسی اور کو متولی نہیں بنا سکتا ہے اور اگر وہ ایسا بغیر کسی معقول عذر کے پائے جانے کے کرنا چاہیے تو قاضی کا یہ فعل درست نہ ہوگا[2]

ہاں جن اسباب کی بناء پر متولی کے علیحدہ کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے ان میں سے کوئی سبب یا عذر پایا جائے گا تو قاضی اس کو علیحدہ کر دے گا۔

جس وقف کی تولیت کسی متعین شخص یا خاندان سے مخصوص نہ ہو یا انتخاب کا حق اہل مسجد پر ہو تو اس وقت متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو اس عہدہ کا خواہاں نہ ہو کیونکہ جو عہدہ کا خواہش مند ہوتا ہے وہ عموماً اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں رکھتا ہے اور کسی فاسد نیت سے اس کا خواہاں ہوتا ہے۔

حق انتخاب | متولی کے انتخاب کا حق واقف کو ہے پھر حاکم اور قاضی کو یا واقف نے جن لوگوں کو اس کا اختیار دیا ہے۔ جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں عموماً یہ اختیار محلہ کی پبلک کو واقف دیتے ہیں جن کو دین سے لگاؤ ہو۔

متولی کے اوصاف | متولی کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ امانت دار معتمد دیانتدار اور متقی ہو۔ خائن، چور اور مسرف (فضول خرچ) نہ ہو۔ پھر یہ کہ وہ عاقل و بالغ ہو اس کا لحاظ نہیں ہے کہ وہ آنکھ والا ہو یا اندھا مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ اندھا اور عورت بھی متولی ہو سکتے ہیں۔

متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اپنی جگہ اپنی زندگی میں کسی اور کو متولی بنا دے۔ البتہ اگر اس کو مختار کل بنا دیا گیا ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

متولی کے فرائض | تولیت کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کے اختیارات لامحدود ہوں بلکہ اس کے اختیارات کی شریعت نے تعیین کر دی ہے اور اس کے فرائض بیان کر دیئے

---

[1] در مختار مع رد المحتار۔ ج ۳ ص ۴۲۱، ۴۲۲۔ [2] عالمگیری باب ولایت الوقف ج ۲۔

گئے ہیں جنکی پابندی متولی کے لئے ضروری ہے۔ اپنی مفوضہ خدمت سے زیادہ کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

واقف نے اگر مشاہرہ کا اس کے لئے تعین کر دیا ہے تو اس کو اس کا لینا جائز ہے ورنہ بقدر اُجرت کے اجازت ہے۔ (فتاوی عبدالحیؒ ج ۱ ص ۴۰۴)

متولی کے لئے جائز ہے کہ بوقت ضرورت مسجد کی صفائی اور روشنی کے لئے ملازم رکھے، مگر مشاہرہ مناسب اور دستور کے مطابق مقرر کرے گا زیادہ دے گا تو وہ ضامن ہو گا، ہاں وہ اپنے پاس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ (فتح القدیر کشوری ج ۲ ص ۸۹۸)

متولی وقف کی بچت سے یعنی صرف کرنے کے بعد جو بچے گا اس سے ذرائع آمدنی خرید کرے گا جو وقف ہی ہوگا لیکن اس خریدی ہوئی چیز کا حکم وقف کا نہ ہوگا۔ یعنی ضرورت کے وقت یہ بعد کی خریدی ہوئی چیز فروخت ہو سکتی ہے۔ (ایضاً)

وقف میں جو گھر ہے اس میں کوئی متولی کی اجازت حاصل کئے بغیر رہے گا تو اس کو اجرت مثل وجوباً دینی ہوگی۔ (ایضاً)

متولی ضرورت کے وقت وقف میں اپنا مال لگا سکتا ہے اور اس نے اگر اپنی لکڑی مسجد کے کام میں دی ہے تو پھر لے سکتا ہے۔ (فتح القدیر کشوری ج ۲ ص ۸۸۰)

متولی وقف کی آمدنی سے تیل چٹائی اور فرش کے لئے اینٹ سمنٹ خرید سکتا ہے بشرطیکہ وقف نامہ میں اس کی گنجائش ہو مثلاً یہ جملہ ہو کہ مسجد کے مصالح اور اس کی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں البتہ اگر کسی متعین کام کے لئے ہی وقف کی آمدنی وقف کی گئی ہو تو اس کے سوا دوسرے کام میں نہیں خرچ کر سکتے، مثلاً مسجد بنانے ہی کے لئے ہو تو اس سے چٹائی روشنی اور فرش وغیرہ کا نظم نہیں کر سکتے۔ (ایضاً)۔

متولی کو جب وقف نامہ کی تفصیل کا علم نہ ہو تو اس مجبوری میں اپنے پیشرو کی تقلید کرے گا۔ (ایضاً)

متولی وقف کے لئے اس وقت تک قرض نہیں لے سکتا جب تک کوئی ضروری اور ناگزیر امر پیش نہ آجائے اور پھر ایسے وقت میں قاضی کی اجازت بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔

قاضی کی اجازت کے بغیر قرض نہ لے گا۔ قاضی کی اجازت سے قرض ضرورت کے لئے لیا گیا تو اسے وقف کی آمدنی سے ادا کرے گا۔ اسی طرح وقف میں زراعت ہوتی ہو اور بیج نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے بیج بھی قرض لے سکتا ہے واضح رہے متولی کے لئے یہ قرض اسی وقت جائز ہے جب اسکے ہاتھ میں کچھ نہ ہو اور وہ اسے ادا بھی کر دے (فتح القدیر جلد ۲ ص ۸۸۱)

متولی کے پاس وقف کے روپے تھے، مگر اس نے وقف کے لئے کوئی چیز اپنے ذاتی روپے سے خریدی تو ایسی حالت میں بالاتفاق یہ جائز ہے کہ وقف کے خزانے سے اپنے روپے لے لے۔ (ایضاً)

وقف شدہ مکان کو متولی رہن (گروی) نہیں رکھ سکتا اگر اس نے رہن رکھ دیا اور مرتہن نے اس میں سکونت اختیار کر لی تو ایسی صورت میں اسکو مروجہ کرایہ دینا پڑے گا۔ (ایضاً)

متولی نے وقف کے روپئے اپنی ضرورت میں صرف کر دئیے پھر اتنا ہی اپنے مال سے وقف میں خرچ کر دیا یا وقف کے خزانہ میں داخل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں ہے (ایضاً)

وقف کے روپے جمع تھے، کفار کی جانب سے مسلمانوں پر ناگہانی آفت یا مصیبت ٹوٹ پڑی، جس کے دفعیہ کے لئے روپے کی ضرورت ہوئی تو ایسی حالت میں دیکھا جائے کہ اگر جامع مسجد سے متعلق اور مسجد کو اس کی فوری ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لئے یہ جائز ہے۔ کہ وہ وقف کے روپے بطور قرض مسلمانوں کو آفت اور مصیبت سے بچانے کے لئے خرچ کرے (ایضاً)۔

مسجد کی مصلحت کے لئے جو وقف ہے اس کی آمدنی سے مسجد کے دروازہ پر ظلہ (چھت سایہ کے لئے) بنوانا متولی کے لئے جائز ہے، تاکہ بارش کے نقصان سے محفوظ رہے ہاں وقف جب مسجد کی تعمیر اور مرمت کے لئے مخصوص ہو تو ظلہ نہیں بنوا سکتا مگر ظہیر الدین کہتے ہیں کہ وقف عمارت مسجد پر ہو یا مصالح مسجد پر دونوں برابر ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے لہذا بنوانا جائز ہوگا۔ (ایضاً)

موجودہ دور میں متولی اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے موجودہ دور میں وقف کا جو حشر ہو رہا ہے اور متولی جس طرح دیدہ و دانستہ کوتاہی کرتے ہیں اس پر چند کلمات لکھنا ضروری ہیں۔

پہلے اس امر کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ واقف وقف کس نیت سے کرتا ہے سب جانتے ہیں کہ وقف کر کے یہ چاہتا ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ حسن وخوبی سے ادا ہو اخراجات کے نہ ہونے کی وجہ سے کام کے تعطل کا جو خطرہ ہے وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے اور مسجد کا واقف تو ایک بڑی گہری فکر کے ساتھ اس کام کو انجام دیتا ہے اس کی نیت کس قدر صالح ہوتی ہے کہ مسجد کا نظم عمدہ پیرایہ سے برقرار رہے۔ دربار الٰہی کی صفائی ہو اس میں روشنی ہو اس کے حاضرین کو ہر طرح کا ذہنی اور خارجی آرام ہو اور اس وقف کی آمدنی سے دربار الٰہی کے کام کاج مزے سے چلتے رہیں۔ خدانخواستہ اس کی نیت مال کو ضائع کرنا نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ متولی اپنے عیش وآرام میں صرف کرے متولی اس لئے کوئی بھی نہیں بنا تا کہ وقف برباد ہو اسی لئے عموماً وقف ناموں میں متولی کا انتخاب بہت سی قیدوں کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

تولیت کے لئے شرائط | متولی ان تمام شرطوں کو جب پوری کرتا ہے تب کہیں وہ اپنے عہدہ کو ادا کرتا ہے میں نے ایسے وقف نامے بھی دیکھے ہیں جن میں تولیت اپنے خاندان میں رکھی گئی ہے مگر شرائط وقیود لکھ کر اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اگر ان شرائط وقیود کے مطابق کوئی فرد میرے خاندان کا وقف کو نہ چلا سکے تو اس کو برطرف کر دیا جائے۔

متولی کے لئے تقریباً ہر وقف نامہ میں درج ہوتا ہے کہ وہ عاقل وبالغ ہونے کے ساتھ امانتدار ہو دیانتدار ہو، ہوش اور اوقاف کی بھلائی چاہنے والا ہو وقف کی آمدنی حفاظت سے خرچ کرے، ذرائع آمدنی کی حفاظت کرے اس کو ترقی دینے کی سعی پیہم جاری رکھے اور پھر وقف نامہ میں جو مصرح شعبہ ہوتے ہیں اس کے خلاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی لعنت سے ڈرایا جاتا ہے۔

متولی کی غفلت | بایں ہمہ متولی کی وقف کی اصلاح وترقی سے چشم پوشی حد درجہ افسوس ناک ہے اور قصداً وقف کے انتظام میں کوتاہی ناقابل برداشت، عموماً یہ منظر کم وبیش ہر جگہ نظر آتا ہے کہ کافی آمدنی ہوتے ہوئے بھی مسجد کا نظم خراب سے خراب تر ہو رہا ہے، نہ مسجد میں صفائی ہے نہ روشنی کا انتظام ہے فرش ٹوٹ رہا ہے دیواریں گر رہی ہیں، وضو خانہ میں پانی

ناپید ہے اور امام و مؤذن وقت کی پابندی سے کام نہیں کرتے ہیں، مزید یہ اور غضب ہے کہ وقف نامہ کی صراحت کے باوجود امام کا انتخاب صرف مشاہرہ کی وجہ سے نامعقول ہے ایسا امام جو خود مسائل ضروریہ سے واقفیت نہیں رکھتا دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا۔

متولی کو یقین رکھنا چاہیئے کہ کل اس کو مرنا ہے اپنے اعمال و اخلاق کا حساب دینا ہے اور اپنی اس ذمہ داری اور پھر کوتاہی کے سوال کا جواب پیش کرنا ہے، اپنے فرائض سے کوتاہی وہ جرم عظیم ہے جس کی گرفت سخت تر ہوگی۔ یہ کیا ظلم ہے کہ وقف کی آمدنی کا نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ اخراجات کے اصول و قواعد یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں کون کام کرنا چاہیئے اور کس جگہ خرچ کرنے سے پرہیز وقف کی آمدنی ایسے کام میں خرچ کرنا جس میں نام و نمود مقصود ہو اور وقف کو جس سے کوئی فائدہ نہ ہو اپنی ذمہ داری کے احساس کا فقدان ہے اور یہی وجہ ہے کہ وقف کی آمدنی بعض اپنی آمدنی سے ملا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کی چیز میری چیز ہے۔

ایک مرد مومن کو ان بے اعتدالیوں سے ڈرنا چاہیئے اور مفوضہ خدمات احسن و خوبی سے سرانجام دینا چاہیئے یا پھر اس سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔

کتب موقوفہ اخیر میں ایک بات اور یاد آگئی۔ بعض مسجدوں میں وقف میں کتابیں بھی ہوتی ہیں، متولی کا فرض ہے کہ ان کتابوں کی پوری حفاظت کرے اور کیڑوں کی خوراک نہ ہونے دے ساتھ ہی اس سے اہل علم کو استفادہ کا موقع دے اور اگر وقف میں صراحت ہو تو طالب العلم کو بھی دینا چاہیئے ایک آدمی کتابوں کی حفاظت اور ان کے دینے لینے پر بھی متعین ہونا چاہیئے۔

متفرق مسائل

(فقہی جزئیات)

کتاب کی جامعیت کے پیش نظر یہاں ان مسائل کا ذکر ہے جو کسی عنوان کے تحت نہ آسکے تاکہ ناظرین کتاب مساجد سے متعلق ضروری مسائل میں دوسری تمام کتابوں

سے بے نیاز ہو جائیں ۔

باب اقتداء میں عید گاہ اور نماز جنازہ کی جگہ کا حکم مسجد کا سا ہے (عالمگیری ج اص ۵۷)

کسی احاطہ میں ایسی مسجد ہے کہ دروازہ بند کر لینے کے بعد بھی گھر والوں سے اس میں جماعت ہو جاتی ہے تو یہ مسجد مسجد جماعت کے حکم میں ہے۔ البتہ اگر یہ شکل ہے کہ احاطہ کے دروازہ کے بند ہونے کے بعد جماعت نہیں ہوتی ہے گو عوام کو وہاں نماز کی اجازت ہو اور دروازہ کھلے رہنے پر جماعت بھی ہو جایا کرتی ہے تو بھی یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے (عالمگیری ج اص ۵۷)

متولی کے انتخاب کا حق اہل محلہ کو ہے باہم مشورہ سے منتخب کر سکتے ہیں (ردالمحتار ج اص ۶۲۰)

امام نیچے ہو اور اس کی چھت پر مقتدی ہوں تو یہ جائز ہے بشرطیکہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو امام کا آگے ہونا ضروری ہے۔ (ردالمحتار ج اص ۶۱۴)

مسجد کی چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے۔ (ایضاً)

کوئی دن میں ایک مرتبہ بھی نماز تحیۃ المسجد پڑھ لے تو پورے دن کے لئے بجا کافی ہو سکتی ہے۔ (ایضاً)

محلہ کی مسجد میں جب کوئی مؤذن نہ ہو تو نمازی کو اذان پکارنا چاہیئے اور نماز پڑھنا چاہیئے۔ گو وہ تنہا ہو کیونکہ اس پر مسجد کا حق ہے۔ (غایۃ الاوطار ج اص ۳۰۳)

محلہ میں چند مسجدیں ہوں تو قدیم تر میں نماز پڑھنی چاہیئے، اگر فاصلہ برابر ہو۔ ورنہ قریب تر میں۔ (ایضاً)

عید گاہ، جنازہ گاہ کی تعظیم و تکریم مسجد جیسی کرنی چاہیئے، پائخانہ پیشاب اور وطی سے بچانا چاہیئے۔ (طحطاوی علی الدرج اص ۲۳۹)

مسجد میں سونا مکروہ ہے ہاں مسافر و معتکف کے لئے کراہت نہیں، کوئی دوسرا سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت کرے۔ (ردالمحتار ج اص ۶۱۹)

مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے ایسی ہی مسجد کی چھت پر بھی۔ (ردالمحتار ص ۶۱۹)

اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ ہے۔ مگر یہ کہ وہ دوسری مسجد کا امام و مؤذن یا منتظم ہو تو مضائقہ نہیں کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر جماعت کے وقت مسجد میں آیا۔ اگر

عشا یا ظہر کی جماعت ہے تو نفل کی نیت سے مل جائے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۹)

فناء مسجد وہ جگہ ہے کہ اس کے اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ ہے۔ (ایضاً)

اقتداء کے باب میں فناء مسجد کا حکم مسجد جیسا ہے۔ (ایضاً)

شارع عام کی مسجد جس میں یہ پابندی جماعت نہیں ہوتی ہے مسجد ہی کے حکم میں ہے مگر اس میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۹)

جس مسجد میں امام و موذن متعین نہیں اس میں تکرارِ جماعت مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے ہاں اذان و امامت کے ساتھ مکروہ ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جماعت ثانیہ میں جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔ محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے (ر)

مغصوبہ زمین میں جو مسجد بنی ہو اس میں نماز پڑھنے میں بعض مضائقہ نہیں جانتے۔ اور بعض کے یہاں ناجائز ہے۔ (ردالمختار ۱ج)

فناء مسجد، خانقاہ، مسجد مدرسہ (مدرسہ کا جو کمرہ نماز کے لئے مخصوص ہے) حوض کے کنارے جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے بازار میں جو چبوترہ نماز پڑھنے کے لئے ہے یہ تمام مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، حائضہ وغیرہ داخل ہو سکتی ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۹)

مسجد میں قبیح اشعار پڑھنا مکروہ ہے مگر حمد و نعت اور نصیحت آمیز اشعار کی اجازت ہے جبکہ ذاکر و نمازی کا حرج نہ ہو۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۹)

ذکر بلند آواز سے مسجد میں مکروہ ہے مگر درس فقہ دے سکتا ہے بشرطیکہ نمازیوں کو ایذا نہ ہو یہی حکم درسِ حدیث و تفسیر کا ہے۔ (ایضاً)

بوقت ضرورت غریب اور گھر والا بھی مسجد میں سو سکتا ہے مگر اجتناب مستحسن ہے (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۷)۔

دنیا کا جو بھی کام ہو مسجد میں کرنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں بیٹھ کر فصلِ مقدمات، درس اور فتویٰ دینا جائز ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۹)

مولی لہسن اور کچی پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھا کر بغیر منہ کی بو صاف کئے مسجد آنا مکروہ ہے (ایضاً)

جس شخص کے کپڑے بغل اور جسم سے بدبو آتی ہو اور اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہو تو ایسے شخص کو دخول مسجد سے روکا جاسکتا ہے۔ ایضاً۔

دستکاری کا کام کرنا مسجد میں ناجائز ہے۔ ایضاً)

مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ ایضاً)

قرآن جو کسی مسجد پر وقف ہو اسی ایک پر محصور نہ رہے گا۔ (فتاویٰ عبدالحی ج ۳ صہ ۱۹۹ بحوالہ درمختار)

ایک شخص نے وصیت کی کہ روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں لگائے جائیں تو افضل یہ ہے جس کے لئے وصیت کی ہے اسی پر خرچ ہو لیکن اگر دوسری مسجد پر صرف کر دیا گیا تو یہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ عبدالحی ج ۳ ص ۱۰۳ بحوالہ سراجیہ)

دائمی سود خوار کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۳۷)

کفار کا مال جو کسی نے مکر و فساد اور چوری سے حاصل کیا ہو اس سے مسجد بنانا، جائز نہیں ہے۔ (ایضاً)

مسجد رفاض (رافضی) میں نماز ادا کرنا درست ہے۔ فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۹۵)

صرف "آمین" پکار کر کہنے والوں کو مسجد سے نکال دینا درست نہیں۔ (فتاویٰ عبدالحی ج ۱ صہ ۲۷)

بنی ہوئی مسجد میں سامان رکھنے کے لئے کمرہ بنانا جائز نہیں ہے اور نہ کوئی مسکن، (فتاویٰ عبدالحی ج ۱ صہ ۲۹)

حسب تصریح معتبرات ہندو کا مال تعمیر معابد خاص اہل اسلام میں صرف کرنا، درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۲۰۰)

امام مسجد میں ہے اور اس کی اقتدا مسجد سے باہر کسی چھت وغیرہ پر بھی کی جائے جو مسجد کے پہلو میں ہے اور مسجد اور اس کی چھت کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے تو یہ جائز ہے (مبسوط للسرخسی ج ۱ صہ ۲۱)

اپنے ذاتی مال سے مسجد کی دیواروں پر سونے کا پانی چڑھانا جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔ (عالمگیری ج ۶ صہ ۲۱۴)

مسجد کے قبلہ میں حمام (غسل خانہ) مخرج، قبر اور وضو خانہ مکروہ ہے مگر یہ کہ قبلہ میں

دیوار ہو جو اس کو سامنے سے چھپا دے اور وہ پشت پر پڑ جائے تو مضائقہ نہیں (عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۴)
مسجد کے قبلہ میں تیر اندازی کی مشق مکروہ ہے ہاں عیدگاہ وغیرہ میں مکروہ نہیں (ایضاً)
اگر موقوفہ گھر سے مسجد میں داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے امام مسجد اس راستہ سے آسکتا ہے۔ ایضاً)
موذن کے لئے جائز ہے کہ مسجد کے موقوفہ کمرہ میں رہے۔ (ایضاً)
مسجد سے متصل امام مسجد کا مملوکہ گھر ہے یا کرایہ کا اور وہ یہ چاہے کہ اس سے آنے کے لئے مسجد کی دیوار میں راستہ کھولے تو اس کی اس کو اجازت نہیں ہے۔ (ایضاً)
مسجد میں درس تدریس جائز ہے اگرچہ اس کے بوریئے اور اس کی چٹائیاں استعمال میں ہوں۔ ایضاً)
قیم مسجد نے اگر کسی مصلحت اور مسجد کی اچھائی کے لئے مسجد کے فناء (سامنے کی باہر زمین) میں تجارت کی اجازت دیدی تو جواز کی امید کی جاتی ہے۔ ایضاً)
فناء مسجد وہ ہے جو مسجد کی چھت کا سایہ ہو اور وہ عام راستہ نہ ہو۔ ایضاً)
مسجد کے قیم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے یا امام کے نفع کے لئے فناء مسجد میں کرسی تخت بچھا کر کرایہ وصول کرے۔ ایضاً)
ایک مسجد کو اہل محلہ نے کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے) دیوار دے کر دو کر دیا اور ہر ایک کے لئے الگ امام مقرر کر دیا، مگر موذن ایک ہی رکھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ موذن بھی دو ہوں کو اہل محلہ کا یہ فعل (ایک مسجد کی دو) برا ہے۔ ایضاً ج ۲ ص ۲۱۵)
جماعت بڑھانے کے لئے اہل محلہ کو اختیار ہے کہ دو مستقل مسجدوں کو ایک کر دیں۔ (ایضاً)
دو مسجدوں کو ایک کرنا تذکیر و تدریس کے لئے جائز نہیں ہے گو یہ کام مسجد میں جائز ہیں۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۵)۔
اخراج ریح مسجد میں نہ ہو خروج ریح کے وقت ادب یہ ہے کہ مسجد سے نکل جائے (ایضاً)
بے وضو مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۵)
داخل محراب کا حکم مسجد کا ہے۔ (ایضاً)

کوئی آرہا تھا راستہ میں اس کو سخت سردی لگ گئی جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا وہ مسجد میں چلا آیا اور محسوس کیا کہ آگ جلا کر گرمی حاصل نہ کی گئی تو جان یا عضو کا خطرہ ہے تو ایسی حالت میں وہ مسجد کی لکڑی جلا سکتا ہے کسی دوسرے کی ہو تو اسے بھی جلا سکتا ہے۔ دونوں کی موجودگی میں مسجد کی لکڑی جلانا اچھا ہے۔ (ایضاً)

فتنہ عامہ کے خطرہ سے غلہ اور گھر کے دوسرے سامان کا مسجد میں بند کرنا جائز ہے (ایضاً)

مسجد میں بیٹھ کر تعویذ بیچنا جس میں توریت، انجیل یا قرآنِ پاک کی آیتیں لکھی ہوں جائز نہیں ہے۔ (ایضاً)

کسی نے مسجد سے گزرنے کی نیت کی، اور داخل ہو کر وسط میں پہنچ گیا پھر اس نے ندامت محسوس کی تو اس کو چاہیئے دو رکعت نماز پڑھ کے پھر نکلے۔ اگر ناپاک تھا تو فوراً نکل آئے (ایضاً)

مسجد میں تنگی پیدا ہو جائے تو لوگوں کو سمٹ کر بیٹھنے کے لئے کہنا اور ان کا سمٹ کر بیٹھنا جائز ہے۔ (ایضاً)

سخت گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت پڑھنا مکروہ ہے البتہ نیچے گنجائش باقی نہ رہے تو چھت پر جا کر اقتدا کر سکتا ہے۔ (ایضاً)

وقف کی آمدنی سے اذان کے لئے مینار اس وقت بنانا جائز ہے جب ایسا کرنا ضروری ہو مثلاً یہ کہ اہل محلہ کو آواز نہ پہنچتی ہو ورنہ جائز نہیں۔ (ایضاً)

ستونوں پر لپیٹنے کے لئے کپڑے خریدنا متولی کے لئے جائز نہیں ہے ہاں اگر وقف میں اس کی صراحت ہو یا وہاں یہ رائج اور دستور ہو تو جائز ہے۔ (ایضاً)

طالب العلم اپنی کتابوں میں مسجد کی گھاس لے کر نشان لگائے تو یہ معاف ہے (عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۶)

نماز کے بعد مسجد کا چراغ جلتا ہو تو اس کی روشنی میں درس و تدریس تہائی رات تک جائز ہے اس سے زیادہ مسجد کا چراغ پڑھنے پڑھانے کے لئے جلانا درست نہیں (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱)

تعمیر مسجد کے لئے جمع شدہ روپئے میں سے اگر کسی نے ادا کرنے کی امید پر اپنے کام میں خرچ کر دیا ہو اس کو نہ کرنا چاہیئے تھا اب اس کو چاہیئے کہ اپنے کسی ساتھی کو خبر کر کے جو جاننا تھا ادا کر دے اور اگر خاموشی سے اس نے مسجد کا مال اپنے کام میں خرچ کیا تھا تو قاضی

کو اطلاع دے کر ادا کر دے اور قاضی نہ ہو تو یوں بھی ادا کر دے تو فیما بینہ و بین اللہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱)

بنی ہوئی مسجد توڑ کر مضبوط و مستحکم بنانا اہل محلہ کے لئے اس وقت جائز ہے جب بانی مسجد اہل محلہ ہی میں سے ہو ورنہ نہیں۔ (بحر ج ۵ ص ۲۵۱)

کافر اور ذمی مسجد حرام بیت المقدس اور دوسری تمام مسجدوں کے ضروری کام کے لئے داخل ہو سکتا ہے، البتہ بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

رمضان میں موم بتی جو جل کر بچ جائے وہ دینے والے کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا چاہے وہ امام ہو چاہے موذن البتہ یہی دستور اور رواج ہو تو مضائقہ نہیں۔ (ایضاً)

تعمیر مسجد کے ساتھ اس کی چھت پر امام کے لئے حجرہ بنانے میں حرج نہیں ہے۔ ایضاً

مسجدوں میں مروجہ محراب بنانا مکروہ ہے۔ (بحر ج ۵ ص ۲۵۰)

مسجد کی دیوار کے سہارے جو گھر کھڑا کرے اس کا ڈھا دینا واجب ہے کرایہ اور اجرت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ بحر ج ۵ ص ۲۵۱

مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہے۔ (شرح سفر السعادت)

مسجد کے اوقاف سے مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ عبد الحیی ج ۲ ص ۲۹)

امام و موذن کی تقرری و انتخاب میں اگر بانی مسجد اور اہل محلہ میں اختلاف ہو جائے تو اگر اہل محلہ کا منتخب کردہ امام و موذن بانی مسجد کے منتخب کردہ امام و مؤذن سے بہتر ہو تو اسی کو چنا جائے گا کیونکہ اہل محلہ ہی کو امام و موذن کا نفع و ضرر ہے۔ (کبیری[1] ص ۵۷۷)

مسجد کے لئے تیل اور چٹائی دونوں کے خریدنے کا ثواب برابر ہے ہاں ان میں جس کی مسجد کو زیادہ ضرورت ہے اس کا خریدنا زیادہ اچھا ہے۔ (ایضاً)

اپنی مسجد میں جماعت چھوٹ گئی اس لئے جماعت کی امید پر دوسری مسجد میں گیا اس کا یہ فعل افضل ہے مگر مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ بہر حال خود افضل ہیں (یعنی ان کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائیں گے۔ (کبیری ص ۵۶۹)

---

[1] اس کتاب کا نام "غنیۃ المستملی" ہے مگر مشہور اہل علم میں اسی کبیری کے نام سے ہے ۱۲۔

اپنی مسجد چھوڑ کر جماعت کے لئے گیا مگر وہاں بھی جماعت نہ ملی تو پھر اپنی ہی مسجد افضل ہے۔ ایضاً

موذن نے اذان دی مگر کوئی دوسرا نہ آیا کہ جماعت ہو، ایسی حالت میں موذن جماعت کے لئے اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائے گا۔ بلکہ تنہا بھی پڑھنا پڑے تو بھی اپنی ہی، مسجد میں وہ نماز ادا کرے۔ ایضاً

اذان ہوئی، نمازی آئے مگر امام نہ آیا تو ان ہی میں سے ایک امامت کرے گا یہ امام کے نہ آنے کی وجہ سے جماعت کے لئے دوسری مسجد میں نہیں جائیں گے۔ ایضاً

اپنی مسجد میں کسی کی تکبیر اولے یا ایک دو رکعت چھوٹ جائے اور دوسری مسجد میں اس کو ان کے پالینے کی امید ہو تو بھی ان کو اجازت نہیں ہے کہ اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جائیں اگر جماعت کا کچھ حصہ بھی اپنی مسجد میں مل گیا تو اس نے فضیلت پالی۔ ایضاً

اپنے محلہ کی مسجد کا امام جب زانی یا سود خوار ہو تو ایسی حالت میں اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جاسکتا ہے یا اسی طرح کی اور کوئی ناپسندیدہ عادت یا عیب اس امام میں ہے تو بھی دوسری مسجد میں جا سکتا ہے۔ (یہ عیب امام کا ایسا ہو جو شرعاً بھی ناگواری کا باعث ہو۔ (کبیری ص ۵۶۹)

ہر طرح کی بدبو سے مسجد کو محفوظ رکھنا واجب ہے۔ ایضاً

اگر رفع فساد کے لئے غیر مقلدین نے دوسری مسجد بنوالی تو توڑنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد ضرار کے حکم میں نہیں ہے۔ ہاں اگر مقصود تفریق و فساد ہو تو وہ ضرار کے حکم میں ہوگی۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۲ ص ۱۵۹)

تاڑی پی کر مسجد جانا گو نشہ نہ ہو ممنوع ہے اور ایسے شخص کو مسجد سے نکلوا دینا درست ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۲ ص ۱۷۶)

مسجد کے نیچے یا اوپر دوکان بنوانا اگر مسجد پر وقف ہو اور مسجد بنانے کے ساتھ ہی بنائی گئی ہو تو جائز ہے، مسجد تیار ہونے کے بعد کوئی مسجد کے نیچے یا اوپر دوکان وغیرہ نہیں بنوا سکتا۔ (ایضاً ج ۲ ص ۳۲)

بھنگی کی اجرت مسجد میں لگانا جائز نہیں ہو گا حدیث "کسب الحجام خبیث" وغیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کاروبار جس میں تلبس واختلاط نجاسات کے ساتھ ہو مکروہ ہے اور اجرت اس کی خالی نجاست سے نہیں ہے۔ (فتاوی عبدالحی جلد ۲ صـ۲۵۷)

مسجد میں اگر کوئی قبر ہو تو وہ قبر جس مقتدی کے آگے یا دائیں بائیں پڑے گی اس کی نماز مکروہ ہو گی (ایضاً ج ۲ صـ۳۹۴)

زانیہ قرض لے کر مسجد بنائے اور اپنے مال مکسوبہ سے ادا کرے تو مسجد مسجد کہلائے گی اور قرض ادا ہو جائے گا۔ (ایضاً جلد ۳ صـ۴۰)

سفر سے واپسی میں مسجد میں اترے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ (کبیری صـ۴۱۰)

بانی مسجد مرمت عمارت فرش چٹائی، قندیل اذان اقامت اور امامت کا زیادہ حقدار ہے ایسی ہی بانی کی اولاد اور اس کا خاندان اس کے مرنے کے بعد۔ (کبیری صـ۵۷)

بانی کو یہ حق صلاحیت کی شرط کے ساتھ ہے ورنہ اسکی رائے کو دخل ہو گا۔ عالمگیری جلد ۱ صـ

حقہ پی کر مسجد جانا یا تلاوت کلام پاک کرنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح کچی پیاز لہسن وغیرہ کھا کر مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاوی عبدالحی ج ۳ صـ۱۳۲)

مسجد کی دیوار یا چھت پر تیمم جائز ہے، مگر بے ادبی سے خالی نہیں۔ ایضاً ج ۳ صـ۱۴۳

اذان میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہاتھوں کا چومنا جن لوگوں نے مستحب لکھا ہے صحیح نہیں ہے۔ چومنے کی روایت غلط ہے۔ ایضاً ج ۳ صـ۴۲

زکواۃ کا مال مسجد میں لگانا درست نہیں ہے۔ عالمگیری ج ۳ صـ۲۴۲

مسجد میں فرشی پنکھا لگانا فی نفسہ مباح ہے کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں مگر خلاف اولیٰ ہے۔ فتاوی عبدالحی ج ۱ صـ۲۴۵

مسجد کے اوپر مصلحت مسجد کے پیش نظر امام کے لئے حجرہ بنانا مسجد کی تعمیر کے ساتھ جائز ہے، مگر مسجد جب بن چکی تو پھر اجازت نہیں ہے۔ (ردالمختار ج ۳ صـ۵۱۴)

مسجد کا کوئی حصہ نہ تو حصول آمدنی کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور نہ مسکن، ردالمختار ج ۳ صـ۵۱۲

اجرت دے کر بھی کوئی چاہے کہ مسجد کی دیوار سے فائدہ اٹھائے تو یہ جائز نہیں

ہے خواہ کوئی بھی فائدہ اٹھانے والا ہو۔ (ایضاً ج ا ص ۱۳ اھ)

مسجد کی چھت پر وطی پیشاب اور پائخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۴)

بغیر عذر شرعی مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے البتہ بوقت مجبوری و ضرورت شدید گذرنا جائز ہے مگر اس کی عادت قریب بہ فسق ہے۔ ایضاً)

جن مصلوں پر اللہ تعالےٰ کے نام ہوں ان کا بچھانا اور استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عالمگیری ج ا ص ۔)

مسجد میں نجاست داخل کرنا حرام ہے ایسے ہی جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہو اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۴)

مسجد میں جنبی (ناپاک مرد) حائضہ اور نفاس والی عورت کا داخل ہونا حرام ہے (عالمگیری ج ا ص ۔)

مسجد کے اندر کنواں کھودنا منع ہے ہاں پہلے سے ہو تو چھوڑ دیا جائیگا مسجد سے باہر ضرورت کے لئے کھودنا چاہیئے) (عالمگیری ج ا ص ۔)

مسجد کے اندر کا مطلب ہے وہ جگہ جو نماز کے لئے مخصوص ہوتی ہے جیسے مسجد کا اندرونی حصہ اور صحن مسجد کے احاطہ کے اندر ان کے علاوہ جو جگہ ہے وہ بھی باہر کا حصہ کہا جاتا ہے (مؤلف)

مسجد میں ناپاک مٹی لگانا اور اسکو ناپاک پانی مٹی سے لیپنا ناجائز ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۴)

مسجد میں خرید و فروخت جائز نہیں ہے معتکف کو صرف بھاؤ کرنے کی اجازت ہے مگر بیع نہ ہو۔ (ایضاً) (عالمگیری ج ا ص ۔)

مسجد کا چراغ گھر میں لانا جائز نہیں ہے البتہ اپنا چراغ مسجد میں لے جانا جائز ہے۔

مسجد کا چراغ تہائی رات تک جلتا چھوڑا جا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں چھوڑا جائے گا مگر اس وقت جبکہ واقف نے اس کا حکم دیا ہو یا وہاں کا یہی دستور قدیمی ہو۔ (ایضاً)

کوئی اگر مسجد میں کسی خاص جگہ آکر بیٹھتا ہے، اس جگہ دوسرا آکر بیٹھ گیا تو اس کو وہ اٹھا نہیں سکتا۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۳۰)

ایک شخص مسجد میں آکر بیٹھا اور پھر وہ کسی کام سے اٹھا مگر اپنی جگہ اپنا کپڑا چھوڑ گیا

تو اب کوئی دوسرا اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ (ایضاً)

مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ، اور اگر سائل لوگوں کی گردن نہ پھاندے تو دونوں جائز ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۹)

مسجد میں بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱)

مسجد میں فصد لگوانا اور اس طرح پیشاب کرنا کہ پیشاب کسی برتن میں رکھا جائے تب بھی جائز نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا جس سے تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو جائز نہیں (ایضاً ص ۶۱۵)

غیبت کرنیوالے اور چغلخور کو دخولِ مسجد سے روکنا جائز ہے۔ (ایضاً ص ۶۱۹)

دنیاوی بات کے لئے مسجد میں بیٹھنا یا بیٹھے ہوئے دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے (ایضاً)

گندے مچھیرے کا مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے اسی طرح جذام والے کا۔ ان کو دخول مسجد سے روکنا بھی جائز ہے۔ (فتح الباری لابن حجرؒ ج ۲ ص ۲۳۴)

مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ اس کے لئے کوئی مخصوص جگہ بنی ہو جیسے وضو خانہ تو مضائقہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۰۰۰)

ابابیل یا چمگادڑ اپنی بیٹوں (پاخانہ) سے جب مسجد کو گندہ کر رہی ہوں تو ان کو بچوں سمیت نکال پھینکنا جائز ہے۔ عالمگیری ج ۱ ص ۶۱۵)

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے مگر مسجد جب مرطوب ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے لگانا جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۰۰۰)

پاگل اور بچہ کا مسجد میں داخل ہونا اگر تلویث کا گمان غالب ہو تو حرام ورنہ مکروہ تنزیہی (رد المحتار جلد ۱ ص ۶۱۵)

مسجد کو ہر گھن والی چیز سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۸)

مسجد میں سلائی کرنا مکروہ ہے لیکن اگر وہ مسجد کی نگرانی کے لئے بیٹھا ہو اور اس سلسلہ میں سلائی بھی کرتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ عالمگیری ج ۱ ص ۰۰۰)

دیوار، فرش اور مسجد کی چٹائی پر تھوکنا یا بلغم ڈالنا جائز نہیں ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۸)

اگر حالت نماز میں تھوکنے کی مجبوری ہو تو چٹائی پر تھوکنا اس سے اچھا ہے کہ کوئی چٹائی کے نیچے تھوکے، کیونکہ نیچے کا حصہ جزو مسجد ہے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کپڑے کے کنارے پر تھوک کر مل دے۔ ایضاً)

بچھی ہوئی مٹی فرشِ مسجد کے حکم میں ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں گھاس جمع ہو تو اس میں پاؤں پوچھنا جائز ہے اور بعضوں نے مکروہ کہا ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵)

مسجد میں ناپاک تیل کی روشنی کرنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

مسجد میں مٹی کا تیل یا ایسا تیل جلانا جس سے بدبو پھیلے ممنوع ہے (تتاذی الملائکۃ مما یتاذی منہ الانس بخاری)

مسجد کے چراغ کی روشنی میں نماز سے پہلے اور بعد بھی درس تدریس جائز ہے جس سے نمازی کا حرج نہ ہو۔ ردالمحتار

مسجد میں ناپاک گارے کی استرکاری مکروہ ہے۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

اجرت پر کتابت کرنے والے کاتب کے لئے مسجد میں کتابت مکروہ ہے، ہاں بغیر اجرت یا اپنے لئے لکھے تو جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۸)

مسجد کی دیواروں اور محراب پر لکھنا قرآن پاک کی آیتوں کا مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ مسجد کے منہدم ہونے کی صورت میں توہین کا اندیشہ ہے (ایضاً) کتبوں یا رقعوں کا مسجد کے دروازہ پر لٹکانا یا چپکانا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں کنواں ہو اور کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو بوقت ضرورت و مجبوری مسجد سے گزر سکتا ہے یوں نہیں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

بوقت ضرورت گوبر ملی ہوئی مٹی کا لگانا جائز ہے۔ (ایضاً)

مسجد کا سامان رکھنے کے لئے مسجد کے ساتھ حجرہ بنانا جائز ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۸)

جو معلم اجرت پر بچوں کو پڑھاتا ہو اور وہ گرمی یا کسی اور مجبوری سے مسجد میں بیٹھے تو مکروہ نہیں ہے (ایضاً) اور بعض لوگوں نے کاتب کی طرح مکروہ کہا ہے۔ ایضاً)

مسجد میں نماز کے علاوہ دوسرے دینی کام کے لئے بیٹھنا جائز ہے لیکن اگر اس کی وجہ سے کوئی چیز غائب ہوگی تو تاوان دینا ہوگا۔ ایضاً)

مسجد میں کسی ایک جگہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔ (ردالمختار ج ۱ صفحہ ۶۲)

مسجد میں کوئی نمازی کہیں بیٹھ جائے تو بغیر ضرورت شرعی اس کو چھیڑنا اور وہاں سے اٹھانا جائز نہیں ہے ہاں اگر عام نمازیوں کو اس سے تکلیف ہو تو اسے اٹھایا جاسکتا ہے بصورت تنگی غیر محلہ والے کو مسجد میں آنے سے روکا جاسکتا ہے۔ کسی کے بیٹھنے سے صف میں خلل ہو تو نمازیوں کو حق ہے کہ اسے اٹھادے (ردالمختار ج ۱ صفحہ ۶۲)

اگر مسجد میں تنگی ہو جائے تو عام نمازیوں سے چاہے وہ ذکر و شغل میں مصروف ہوں سمٹ کر بیٹھنے کی فہمائش کرنا جائز ہے۔ ایضاً)

مسجد میں نکاح کرنا سنت ہے۔ ایضاً صفحہ ۶۱۹)

مسجد میں نمازی کی گردن پھاندنا مکروہ ہے ایضاً)

مسجد میں پاک آدمی کا بھی غسل اور وضو کرنا مکروہ ہے۔ ایضاً صفحہ ۶۱۵)

آج کل مسجد میں پاک وصاف جوتا پہننا بھی بے اولی ہے ایضاً)

نمازیوں کے لئے سایہ کے خیال سے مسجد میں درخت لگانا بشرطیکہ اس سے تنگی یا صفوف میں ناہمواری نہ ہو مباح مگر خلاف اولیٰ ہے اور اگر تنگی یا صفوف میں ناہمواری پیدا ہو یا اپنے نفع کے خیال سے لگایا جائے یا گرجا وغیرہ سے مشابہت پیدا ہو تو ان تمام صورتوں میں مکروہ ہے۔ ردالمختار جلد اوّل)

دنیا کی باتیں مسجد میں نیکیوں کو اس طرح چباڈالتی ہیں جیسے چوپائے گھاس کو یا جیسے آگ لکڑی کو۔ کشاف ج ۱ صفحہ ۲۸۷)

دنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ عالمگیری ج ۲ صفحہ ۲۱)

جو مسجد میں چوری کا عادی ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور سخت سزا اور ساتھ ہی قید میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ عالمگیری ج ۳ صفحہ ۱۰)

متولی واقف ہو یا کوئی اور مگر وہ اطمینان بخش باقی نہ رہا۔ عاجز ہو گیا یا فاسق و

فاجر تو اس کو عہدۂ تولیت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے (درمختار برحاشیہ ردالمحتار ج ۳ صـ۴۲۱)

متولی خائن ہو جائے تو قاضی کیلئے جائز ہے کہ اس کو معزول کر دے۔ (ایضاً)

ایسا شخص جس کو تہمت لگانے کے جرم میں حد لگائی گئی ہے مگر اب اس نے توبہ کر لی ہے ایسے شخص کو متولی بنانا جائز ہے۔ ایضاً)

متولی نے اگر وقف کی کوئی چیز بیچ دی یا رہن رکھ دی تو یہ خیانت سمجھی جائے گی اور اس کو معزول کر دیا جائے گا یا اس کا کسی ثقہ آدمی کو شریک کار بنا دیا جائے گا، عالمگیری باب تصرف القیم۔

ایک شخص کئی وقف کا متولی ہے اگر اس سے کسی ایک وقف میں بھی خیانت ثابت ہو گئی تو اسے کل اوقاف سے معزول کر دیا جائے گا۔ ردالمحتار ج ۳ صـ۴۲۱)

بعض مسجدوں میں مسجد سے علیحدہ بغل میں کمرے ہوتے ہیں جس میں بعض لوگ چھپ کر نماز پڑھتے ہیں مسجد میں عوام سے بچنے کی غرض سے نہیں آتے اس سے صفوں میں درستی نہیں رہتی اس لئے یہ فعل پسندیدہ نہیں ہے اور سنت نبوی کے خلاف بھی ہے (اصلاح المساجد للقاسمی صـ۵۸)

خطیب کے منبر پر آنے کے بعد کسی دوسرے کام کی اجازت نہیں، جہاں خطیب کے خطبہ اولیٰ کے بعد موذن "غفر اللہ لک ولوالدیک ولنا ولوالدینا وللحاضرین" بلند آواز سے کہتے ہیں وہ بدعت ہے اور سنت نبوی کے خلاف ہے۔ اصلاح المساجد صـ۷۵)

رجب اور اس کے روزے کی فضیلت کی جو حدیث ہے وہ موضوع ہے منبر سے اس غلط چیز کی تلقین جائز نہیں ہے۔ (ایضاً صـ۷۶)

بعض جگہ رواج ہے کہ امام خطبہ سے فارغ ہو کر جب اترتا ہے تو لوگ اس کے جسم کو ثواب کی نیت سے چھوتے ہیں اور اس پہ ٹوٹ پڑتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے اور محض بدعت ہے۔ (ایضاً صـ۸۷)

تکبیر تحریمہ سے پہلے زور زور سے نیت باندھنا خلاف سنت ہے۔ ایضاً صـ۹۱)

جماعت ثانی کے انتظار میں پہلی جماعت کا ترک بدعت ہے۔ ایضاً صـ۹۵)

ملہ ترتیب سے فراغت کے بعد یہ کتاب "اصلاح المساجد للقاسمی" ملی اس میں بدعات کا تذکرہ ہے بعض بدعات کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے ۱۲منہ

تراویح میں اس تیزی سے پڑھنا پڑہانا کہ قرآن صحت کے ساتھ نہ پڑھا جائے یا رکوع وسجود اور قعود پورے طور پر نہ ادا ہوں کسی حال میں درست نہیں۔ (ایضاً ص ۹۳)

رجب کے اول جمعہ میں چراغاں کی رسم جہاں بھی ہے بدعت ہے (ایضاً ص ۱۰۵)

۱۵ شعبان کی شب میں مسجد میں چراغاں کرنا اور صلوٰۃ الفیہ (یعنی سو رکعت میں ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑہنا) بدعت ہے۔ (اصلاح المساجد ص ۱۰۶)

رمضان میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا اور رنگ برنگ کی بتی جلانا بدعت ہے (ایضاً ص ۱۰۸)۔

عید کے دنوں میں رات بھر چراغ جلانے کی رسم مسجدوں میں بدعت ہے (ایضاً ص ۱۱۱)

مسجد میں مجلس سماع بدعت ہے۔ (ایضاً ص ۱۱۵)

مسجد میں دنیا کی بات کے لئے ٹولی ٹولی بنا کر بیٹھنا گناہ ہے۔ ایضاً ص ۱۲۲)

ماہ صفر کے اخیر بدھ کو مغرب وعشا کے درمیان آیات سلام لکھنے کی رسم بدعت ہے ایضاً ص ۱۲۵)

خطبات عیدین بغیر سنے ہوئے مسجد اور عید گاہ سے بھاگنا گناہ ہے، ایضاً ص ۱۳۶

شروع سال اور اخیر سال میں امام مسجد کا خصوصیت سے دعا کرنا اور اس کا اہتمام بدعت ہے۔ ایضاً ص ۱۴۰)

اقامت میں "اشہد ان محمد رسول اللہ" کے پہلے لفظ "سیدنا" بڑ ہانا بدعت ہے۔ اجتناب بہت ضروری ہے۔ ایضاً ص ۱۵۱)

بعض مسجدوں میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز عصر میں موذن اور مقتدی زور زور سے آمین کہتے ہیں اور دعائیں پڑھتے ہیں، موذن اور مقتدی کا یہ رسمی فعل خلاف سنت ہے فرض کے بعد آہستہ آہستہ دعا ماثورہ پڑھنا چاہیئے آواز اس قدر بلند نہ کرنی چاہیئے کہ جس سے دوسرے نمازیوں کا حرج ہو، ایضاً ص ۱۵۴)

بعض جگہ منبر کے سامنے والے دروازہ پر مؤذن و لوگ جمع ہوتے ہیں اور امام (خطیب) جب منبر پر چڑہنے لگتا ہے تو خوب زور زور سے درود پڑھتے ہیں اور اسی طرح امام جب منبر

سے آتر تا ہے تو چیخ چیخ کر درود پڑھتے اور وعلیٰ آل محمد پر آواز اور تیز کر دیتے ہیں یہ بھی بدعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کے نکلنے کے بعد تمام کاموں کو لغو قرار دیا ہے (۱۵۶)

بڑی جماعت میں جہاں اخیر تک امام کی آواز نہیں پہنچتی ہے چند مکبر ہوتے ہیں مگر ان کا ضرورت سے زیادہ ہونا اور ضرورت سے زیادہ چیخنا اور تکبیر اس طرح کہنا کہ اس میں تبدیلی ہو جائے، ممنوع ہے امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ (اصلاح المساجد ص۱۵۷)

بعض مسجدوں میں یہ رواج ہے کہ رمضان کی اخیر پانچ یا تین رات جب باقی رہتی ہیں تو موذن اور کچھ دوسرے لوگ وتر کے سلام کے فوراً بعد زور زور سے رمضان کا منظوم مرثیہ پڑھتے ہیں جس کے تماشائی محلہ کی تمام عورتیں اور بچے ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں آداب مسجد کے خلاف ہیں اس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے (ایضاً ص۱۶۰)

اسی طرح جہاں امام رمضان کے اخیر جمعہ میں الوداع پڑھتے ہیں اور فطرہ کی تلقین ہضم کر جاتے ہیں خلاف ادب ہے (ایضاً)۔

مسجد میں میت پر مرثیہ پڑھنے کی رسم بدعت ہے (ایضاً ص۱۷۹)

مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ (ایضاً ص۱۸۰)

مسجد میں مردہ کا دفن کرنا یا قبر کو مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (ایضاً ص۱۸۱)

عاشوراء محرم کے جمعہ میں امام کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کربلا بیان کرنا کہ لوگ روئیں اور سوگ کریں خلاف سنت ہے۔ رونا پیٹنا رافضیوں کا شعار ہے۔ اجتناب ضروری ہے (ایضاً ص۱۸۳) البتہ شہادت اور ان کی زندگی کے صحیح واقعات بیان کرنا کہ مسلمانوں میں شوق شہادت پیدا ہو اور ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں کوئی مضائقہ نہیں۔

کام کاج چھوڑ کر مسجد میں بیٹھنا اور دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی گزارنا، اسلامی حمیت کے خلاف ہے (ایضاً ص۱۸۹)

طاعون یا کسی دوسری وبا کے لئے خاص طور سے مسجد میں جمع ہو کر دعا کرنے کا

ثبوت نہیں ہے اس لئے یہ فعل بدعت ہے۔ (اصلاح المساجد ص۲۱۲)

پیشاب کے بعد کلوخ لے کر مسجد کے احاطہ میں لوگوں کے سامنے چلنا اور دائیں بائیں مڑنا بے ادبی ہے یہ فعل بے حیائی ہے دوسرے ستر کھلنے کا اس میں گمان غالب ہے (اصلاح المساجد ص۲۳۷)

مسجد میں یا اس کے کسی گوشہ میں تعزیہ علَم (جھنڈا) اور اسی طرح کی دوسری چیز رکھنا بدعت ہے۔ اس سے بچنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے (ایضاً ص۲۴۰)

مسجد میں قبلہ رخ بیٹھنا مستحب ہے۔ قبلہ کی طرف پیر پھیلانا مکروہ ہے (ایضاً ص۳۰۲)

کوئی سونے یا چاندی کی قندیل مسجد کی روشنی کے لئے وقف کرے تو یہ وقف درست نہیں ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اسے توڑ کر مسجد کی ضرورت میں اس کی قیمت خرچ کی جائے گی (ایضاً ص۳۰۹)۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا



کتابت: محمد یوسف گیلانی خوشنویس



ساٹھ ہزار الفاظ کی مکمل عربی اُردو ڈکشنری

المنجد اپنی جامعیت اور ترتیب کے لحاظ سے حقیقتاً "دریا بکوزہ" کا مصداق ہے، علماء طلبہ اور شائقین عربی زبان سب ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں لیکن چونکہ کتاب عربی زبان میں ہے اس لئے اُردو خوان طبقہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اس لغت کا اردو ترجمہ ممتاز علماء اور ماہرین عربی زبان کی ایک جماعت سے کرایا ہے اور عربی کی دوسری مشہور اور بلند پایہ کتب سے مدد لیکر جدید الفاظ کا شاندار اضافہ بھی کرایا ہے جس میں ساٹھ ہزار الفاظ کی اردو تشریح اور تین ہزار عربی اردو ضرب الامثال درج کی گئی ہیں۔ سائز ۲۰×۳۰/۸

صفحات ۱۵۶۸ سفید کاغذ، حسین جلد قیمت -/۶۰





المعجم

پینتیس ہزار الفاظ کی اُردو عربی ڈکشنری

جدید عکسی ایڈیشن

شائقین عربی زبان کے لئے نہایت جامع اور مکمل اُردو عربی لغت جسمیں اردو الفاظ کے ہم معنی عربی الفاظ اور عربی کی جدید اصطلاحات و تعبیرات اور عربی اخبار و رسائل کے جدید الفاظ درج کئے گئے ہیں جس سے عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی ترجمہ کرنا اور انشاء پر عبور حاصل کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ عربی اُردو محاورات و ضرب الامثال۔ الفاظ مترادفہ اور مذکر و مونث کے قواعد اور کنیتوں کی نہایت جامع فہرست دی گئی ہے۔ شائقین عربی اور مدارس کے طلبہ کے لئے بیش قیمت تحفہ۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۸۰۰ سفید کاغذ مع جلد قیمت -/۲۲



دارالاشاعت ۔ مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۲

عربی سے اردو ڈکشنری

بیانُ اللّسان

از ۔ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

جس میں تقریباً اُن چالیس ہزار قدیم و جدید عربی الفاظ کی مکمل و مستند تشریح مع ضروری لغوی مباحث کی گئی ہے جو درس نظامی، نصاب ولی اللّٰہی کتب درسیہ اور مدارس و یونیورسٹیوں میں مستعمل اور ممالک عربیہ کی جدید تالیفات و جرائد و اخبارات میں مروج ہیں ۔ قرآن مجید کے جملہ لغات خصوصیت کے ساتھ شامل کر لئے گئے ہیں۔

اور آخر میں المنجد اور قاموس العصری وغیرہ کے دو ہزار سے زائد منتخب جدید الفاظ و اصطلاحات کا شاندار اضافہ کیا گیا ہے۔

کتاب پر مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند نے نہایت جامع مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

☆ ☆

آفسٹ کی دیدہ زیب عکسی طباعت۔ سفید کاغذ

سائز ۳۰ × ۲۰ = صفحات ۹۴۴

مجلد مع حسین ڈسٹ کور، قیمت -/۲۴

اور

سنہری ڈائیوں سے مزین پلاسٹک کور کے ساتھ؛ قیمت = ۲۶/۵۰

دارالاشاعت ؛ مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

اسلام کا نظام مساجد
مولانا ظفیر الدین صاحب
دار الاشاعت کراچی